ان من البیان لسحرا (الحدیث)

خطباتِ حکیم العصر

افادات

حکیم العصر، محدثِ دوران
ولیِ کامل، مخدوم العلماء

حضرت اقدس
مولانا
عبد المجید لدھیانوی صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم
کہروڑ پکا ضلع لودھراں

جلد ششم

استاذ العلماء
تصویب: حضرۃ مولانا مفتی ظفر اقبال مدظلہ
ناظمِ اعلیٰ جامعہ اسلامیہ باب العلوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد
کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم
انک حمید مجید
اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد
کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم
انک حمید مجید

حکیم العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید دامت برکاتہم العالیہ کے

علمی خطبات کا حسین مجموعہ

خطبات حکیم العصر

جلد ششم

مکتبہ شیخ لدھیانوی

جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا ضلع لودھراں

ضابطہ

نام کتاب: .... خطبات حکیم العصر (جلد ششم)
خطیب: .... حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ
اہتمام: .... استاد العلماء مولانا مفتی ظفر اقبال مدظلہ
ترتیب و تخریج: .... مولانا محمد عمران
تصحیح .... ایضاً
ضخامت: .... 374 صفحات
تعداد 1100
اشاعت اول: .... جنوری 2008ء
قیمت: .... 200 روپے

واحد تقسیم کنندگان

مکتبہ شیخ لدھیانوی باب العلوم کہروڑ پکا ضلع لودھراں
فون: 0300-6804071
برائے رابطہ مولانا محمد اقبال صاحب 0306-4181660
مولانا محمد شریف صاحب 0300-7807639

انتساب

میرے تمام اساتذہ کرام کے نام

جن کی محنت، محبت، توجہ اور کاوشوں نے مجھے اس مقام پر پہنچایا۔ اللہ عزوجل ان عظیم محسنین کو شایان شان جزا عطا فرمائے۔ (آمین)

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ناشر

اجمالی فہرست

فہرست مضامین

سیرتِ ابراہیمی کے درخشاں پہلو

ملت ابراہیمی اور ستارہ پرستی کی مذمت

درسِ وفاء

عورت کا منصب

تاثیر لا الہ الا اللہ

بدکرداری عذاب الٰہی کا سبب

العلم والعلماء

اہل حق کے ساتھ حکومتوں کا برتاؤ

مفید ترین زندگی

محدثین اور فقہاء کا مقام

عظمت قرآن

سب سے اعلیٰ خدمتِ خلق

دین حق کی محافظ جماعتیں

عقیدۂ معاد

عقیدہ معاد (دوم)

کلماتِ تشکر

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی لاکھوں کروڑوں مخلوقات بستی ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر اللہ کی قدرت کو نمایاں کرتی ہے۔ آسمانوں کا قیام، زمین کا نظام، ان سب کرشموں کو دیکھ کر بھلا کون سا عقلمند ہے جو یہ کہہ دے کہ یہ ساری کائنات کسی خالق کے بغیر عالم وجود میں آ گئی۔

عرب کے ایک بدو نے کیا ہی خوب بات کہی۔ "اَلْبِعْرُ تَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ وَآثَارُ الْاَقْدَامِ تَدُلُّ عَلَى الْمَسِيْرِ فَالسَّمَاءُ ذَاتُ الْبُرُوْجِ وَالْاَرْضُ ذَاتُ الْفِجَاجِ كَيْفَ لَايَدُلَّانِ عَلَى اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ۔"

یعنی ایک مینگنی اونٹ کا پتہ دیتی ہے۔ اور قدموں کے نشان بتا دیتے ہیں کہ یہاں سے کوئی گذرا ہے۔ تو پھر بڑے بڑے برجوں والے آسمان اور شگافوں والی زمین بھلا کیسے نہیں بتاتے کہ ان کا بھی کوئی خالق ہے۔ اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

انقلاباتِ جہاں واعظِ رب ہیں سن لو
ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

بہرحال اس خالق لم یزل کا یہ عظیم احسان ہے کہ اپنی کروڑوں مخلوقات میں سے انسان کو منتخب کر کے اشرف المخلوقات بنایا اور زمین میں اپنا نائب بنا کر زمین کی سلطنت اس کے سپرد کر دی۔

اور انسان کو زمین پر بھیجنے کا اولین مقصد صرف یہی تھا کہ وہ اپنے رب کے

قانون کو نافذ کرے۔ اپنے اوپر بھی اور اپنے ماتحتوں پر بھی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے۔ کہ خود بھی مرضیات الٰہیہ کے مطابق زندگی گذارے اور دوسروں کی زندگی کو بھی رب کی مرضی کے مطابق بنائے۔ جیسے اس حدیث میں اشارہ ہے اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ

لیکن یہ ایک فطری بات ہے کہ رب کا قانون اس کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ جب ہم اپنے ماحول میں غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا جتنا بے تکلف اور گہرا دوست کیوں نہ ہو۔ لیکن اس کے دل کی خواہش ہم معلوم نہیں کر سکتے۔ تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس فانی عقل سے ابدی اور ازلی ذات کی خواہش و مرضی معلوم کر لے۔

اس لیے انسانی فطرت کے تقاضے کے مطابق اس بات کی ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات اور نامرضیات کا علم عطاء کریں۔ اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ کوئی واسطہ بنایا جائے اور وہ واسطہ بھی انسانوں میں سے ہو۔ کیونکہ جس قدر تعلیم و تعلم، افہام و تفہیم، اور اشاعت و تبلیغ کا فائدہ انسان انسان سے اٹھا سکتا ہے۔ دوسری مخلوق سے اتنا فائدہ اٹھانا بہت مشکل ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے ہی بعض کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ بنانے کے لیے اور اپنے بندوں کو راہ ہدایت دکھانے کے لیے منتخب کیا۔ اور ان میں عقل و دانش، علم و حکمت، عزم و ہمت، اخلاص و وفاء، فصاحت و بلاغت الغرض جتنے کمالات انسان کی ذات میں ہو سکتے ہیں اللہ نے ان میں بدرجہ اتم ودیعت فرمائے۔ انہیں برگزیدہ شخصیات کو انبیاء کہا جاتا ہے۔

چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا یہ عظیم سلسلہ شروع ہوا اور انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے دربدر بھٹکی ہوئی اور اپنے خالق سے غافل ہو کر ٹھوکریں کھاتی ہوئی مخلوق کو خالق کے ساتھ جوڑا۔ اور ان کو اصل حقیقت کی طرف متوجہ کر کے آخرت یاد دلائی۔ اس طرح

تعلیمات الٰہیہ کے صاف شفاف چشمے سے پیاسی مخلوق کو سیراب کیا۔ اور اس مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

اگر چہ انبیاء علیہم السلام کی ان مقدس ہستیوں کو انکے مشن سے ہٹانے کے لیے بدنصیب لوگوں نے رکاوٹوں کے پہاڑ بھی کھڑے کیے، طعنوں کی بارش بھی برسائی، ظلم وستم کی داستانیں بھی رقم کیں، لالچ کے انبار بھی لگائے۔ لیکن یہ ہستیاں تھیں کہ سینہ سپر ہو کر سب آزمائشوں کا مقابلہ کیا۔ اور کوئی بھی طاقت انکے قدموں میں تزلزل نہ لاسکی۔ اور ان کو اپنے مشن سے ہٹا نہ سکی۔

باہر حال یہ سلسلہ چلتا رہا۔ بالآخر سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خالق کائنات نے اپنا آخری پیغمبر بنا کر بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں تشریف لا کر بگڑے ہوئے معاشرے کی جس طرح سے اصلاح کی اور جوان کے دلوں میں انقلاب برپا کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو حقیقی زندگی کا تصور دیا اور انسانی زندگی کے ہر رخ پر تعلیم وراہنمائی مہیا کی۔ مہد سے لحد تک زندگی کا کوئی گوشہ اور انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو تشنہ رہ گیا ہو اور اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نہ ملتی ہوں۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اور آپ کی نبوت قیامت تک کے لیے جاری رہنی تھی اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت بھی تمام شریعتوں سے زیادہ جامع اور اکمل ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امانت کو آپ ہی کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت نے اٹھایا اور پوری دنیا میں پھیل کر اس کی خوب اشاعت کی اور اپنی تمام تر توانائیاں اس میں صرف کر دیں۔

پھر تابعین اور تبع تابعین نے اس پر مزید محنت کی اور شریعت محمدیہ کو مدون کر کے امت کے سامنے پیش کیا۔ چنانچہ شریعت کے ہر پہلو کی حفاظت وتدوین کے لیے ایک مستقل طبقہ تیار ہو گیا۔ الفاظ قرآن کی حفاظت کے لیے قراء کا۔ معانی قرآن کی حفاظت کے لیے مفسرین کا۔ الفاظ حدیث کی حفاظت کے لیے محدثین کا۔ معانی حدیث

کی حفاظت کے لیے فقہاء کا اور باطنی اخلاق کی حفاظت کے لیے صوفیاء کا طبقہ۔ ان سب طبقوں نے اپنے اپنے فن میں خوب سے خوب تر محنت کی اور دین کی ساری سرحدوں کو محفوظ کر کے ایک مثال قائم کر دی۔

بہر حال وراثت نبوی کو سنبھالنے اور امت کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اس میدان میں ہر ایک نے بڑھ چڑھ کر خدمت کی۔ اور ہر زمانے میں اللہ کی برگزیدہ شخصیات کا یہ تسلسل جاری رہا جس نے امت کے عقائد اعمال اخلاق ہر طرح سے اصلاح کی۔

دور حاضر میں اس بارے میں نمایاں کردار علماء دیوبند کا ہے۔ اور اس عظیم خدمت کا سہرا انہی کے سر ہے۔ علماء دیوبند نے دین حق کی ہر طرح سے حفاظت کی اور دین پر حملہ آور دشمن کا بھر پور مقابلہ کیا۔ اور ہر میدان میں باطل کو شکست فاش سے دو چار کیا۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ کہ علماء دیوبند دور حاضر میں دین حق کے صحیح معنی میں چوکیدار ہیں۔

اور استاذ محترم حضرت حکیم العصر دامت برکاتہم کی شخصیت بھی اسی سلسلے کی ایک عظیم کڑی ہے۔ آپ کی ذات والا بچپن ہی سے نمایاں صفات کی حامل رہی ہے۔ علم وعمل کے عظیم مرتبے پر فائز ہونے کے علاوہ آپ کی ذات میں وہبی طور پر یہ صفت نمایاں ہے کہ آپ کے پیش نظر ہر وقت یہی بات رہتی ہے کہ امت کو خالص اور صاف شفاف دین الٰہی سے متعارف کرایا جائے۔ آپ نے ہمیشہ ہر مسئلے میں صحیح راہنمائی کی ہے۔ خصوصاً اپنے بیانات میں آپ نے دین حق کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔

اس لیے ضروری تھا کہ آپ کے ان بیانات کو ترتیب دے کر زیادہ سے زیادہ شائع کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے نفع اٹھا سکیں۔ اگرچہ یہ کام تو بہت عظیم تھا لیکن استاذ محترم کی دعاؤں سے اس پر محنت شروع کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندازے سے بھی بڑھ کر اس میں مقبولیت نظر آئی۔ اس سے میرا حوصلہ اور بڑھا' ہمت

اور بندھی۔ اب تک پانچ جلدیں منظر عام پر آ کر دادِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔

اور اب چھٹی جلد قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ عز وجل اسکی مقبولیت میں اور اضافہ فرمائیں اور ان کو مخلوق کی ہدایت اور میری مغفرت کا ذریعہ بنائیں۔ آخر میں میں ان معاونین کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے قیمتی مصروفیات ترک کر کے میری راہنمائی فرمائی خصوصاً میرے تمام اساتذہ کرام جنہوں نے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ اللہ ان کو شایان شان جزاء عطا فرمائے۔

اور مولانا محمد عمران صاحب کا جنہوں نے ان خطبات کو کیسٹوں سے نقل کر کے ترتیب دے کر معنون کیا اور تخریج وتصحیح کر کے اس کو تیار کیا۔ آخر میں عزیزم برخوردار مولانا مفتی صہیب صاحب سلمہ کا تذکرہ کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا جنہوں نے انتہائی دلچسپی سے کام لے کر اس کو کمپوزنگ اور چھپائی کے تمام مراحل سے گزار کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچانے کا ذریعہ بنے۔ اللہ انکی عمر میں برکت دے۔

اور ہم سب کو اس کتاب سے استفادے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

ابو طلحہ ظفر اقبال غفرلہ

سیرتِ ابراہیمی کے درخشاں پہلو

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

تاریخ: ۲۲ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ بمطابق ۱۱ اپریل ۱۹۹۷ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِیَ لَهٗ. وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا.

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ. وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذَالِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ وَعَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰى

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

تمہید

گذشتہ منگل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ شروع کیا تھا۔ چونکہ یہ آنے والے دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔ عید الاضحیٰ اور اس کے اعمال۔ حج اور اس کے اعمال ...... یہ سب ملت ابراہیمی کی یادگاریں ہیں۔ اس مناسبت سے ان دنوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر شروع کیا تھا تو گذشتہ بیان میں یہ اہم بات آپ حضرات کے سامنے واضح کی تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی سے جو اہم سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ نجات کا دارومدار عقیدے پہ ہے۔ نسب پہ نہیں۔

اتباع علم کی ہے نہ کہ عمر کی

یاد ہوگا میں نے گذشتہ بیان میں اسی بات کی وضاحت کی تھی۔ اور اس کے ساتھ لگتے مختصر الفاظ میں یہ اصول واضح کیا تھا کہ اتباع علم کی ہے عمر کی نہیں۔ عمر میں بڑا ہو تو یہ دلیل نہیں ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔ کوئی پہلے پیدا ہوگیا کوئی بعد میں پیدا ہوگیا یہ اتباع کا کوئی اصول نہیں۔ تو اتباع علم کی ہے عمر کی نہیں۔ یہ دو باتیں گذشتہ بیان میں آپ کے سامنے واضح کی تھیں۔ اب اسی سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زندگی کے ہی اور مختلف پہلو آپ کے سامنے نمایاں کرتا ہوں۔

بعض انبیاء کی سیرت کے نمایاں پہلو

ویسے تو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہے اور وہ دین اسلام ہے۔ ہر نبی اللہ کی اطاعت کی طرف داعی ہوتا ہے۔ لیکن اپنے اپنے ماحول کے اعتبار سے بعض انبیاء علیہم السلام کی کچھ خصوصیات سامنے آتی ہیں۔ جس طرح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں بہت دہرایا گیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کا یہ پہلو بہت نمایاں ہے کہ وقت

کے فرعون کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنا۔

اور کتنی ہی مقتدر شخصیت ہو، کتنی ہی صاحب اختیار شخصیت ہو۔ لیکن اللہ کا نبی اس کے سامنے دبتا نہیں۔ اس کے سامنے ڈرتا نہیں۔ بلکہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بات کرتا ہے۔ اور پھر جب اللہ کی نصرت ساتھ ہوتی ہے تو ایک موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایک ان کا بھائی۔ ساتھ نہ کوئی فوج، نہ کوئی اسلحہ۔ اور ملک کا حاکم وقت خدا بنا بیٹھا تھا۔ لیکن جب ان فقیروں کے ساتھ اللہ کی نصرت تھی۔ تو کوئی کچھ نہ بگاڑ سکا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کا یہ پہلو نمایاں ہے۔ ان واقعات کو دیکھتے ہوئے جو قرآن کریم میں نقل کیے جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کا یہ پہلو بہت نمایاں ہے۔ کہ جس ماحول میں یہ تشریف لائے تھے وہ سارے کا سارا خلاف تھا۔

- گھر کا ماحول خلاف تھا،
- قوم کا ماحول خلاف تھا۔
- ملک کا ماحول خلاف تھا۔

ماحول انسانی فطرت پر اثر انداز ہوتا ہے

عام طور پر انسان کی فطرت یہ ہے کہ یہ ماحول کے رخ پر بہہ جاتا ہے۔ ماحول کے رخ پر بہہ جانا انسان کی ایک کمزوری ہے۔ جس قسم کا ماحول ہوتا ہے۔ ویسے انسان ہوجاتا ہے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ۔

ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو صحیح فطرت لے کے آتا ہے۔ صحیح فطرت پہ پیدا ہوتا ہے فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اس کے والدین کا ماحول اسے یہودی بنا دیتا ہے۔

اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ یا والدین اس کو نصرانی بنا دیتے ہیں۔ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ یا گھر کا ماحول اسے آتش پرست مجوسی بنا دیتا ہے۔ (بخاری ۱/۱۸۱)

والدین یہودی ہیں بچے نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی۔ اسی رو میں بہہ گیا اور یہودی ہوگیا۔

والدین مجوسی ہیں آتش پرست ہیں اسی ماحول میں بچے نے آنکھ کھولی مجوسی بن گیا۔ والدین نصرانی ہیں اسی ماحول میں بچے نے آنکھ کھولی نصرانی ہوگیا۔

تو ماحول کی رو میں بہہ جانا ایک عام انسان کی کمزوری ہے۔ کہ جب ایک سیلاب آیا ہوا ہوتا ہے تو انسان اس کے سامنے یوں بہہ جاتا ہے جس طرح سے تنکا بہہ جاتا ہے۔ ماحول بہت موثر ہوتا ہے۔

انبیاء ماحول سے ٹکراتے ہیں

لیکن اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ شخصیات۔ ان کا چونکہ خود اللہ ہی محافظ ہوتا ہے۔ تو ان کو اللہ بھیجتا ہی ماحول بدلنے کے لیے ہے۔ وہ ماحول کے ساتھ بہنے والے نہیں ہوتے۔ بلکہ ماحول کا رخ بدلنے کے لیے اللہ ان کو بھیجتے ہیں اور ابتداء سے ہی ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔ ان کی فطرت اپنے ارد گرد کے ماحول پر غالب آجاتی ہے۔ ماحول ان کو نہیں بدل سکتا بلکہ وہ فطری اصول' اللہ تعالیٰ کے دین کے' اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے' جو اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں ودیعت رکھے ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کے ساتھ اپنے ماحول میں وہ بالکل محفوظ رہتے ہیں اور ایک وقت آتا ہے کہ جب وہی اصول اپنے ماحول پر غالب کر لیتے ہیں۔

تو انبیاء کی حفاظت اللہ تعالیٰ ابتداء سے فرماتے ہیں۔ ماحول ان کو متاثر نہیں کرسکتا اور ویسے تو انسان متاثر ہوتا ہے خوف سے' لالچ سے' بسا اوقات ڈر کے انسان اپنا ماحول چھوڑ دیتا ہے بسا اوقات لالچ میں آکے چھوڑ دیتا ہے۔

لیکن انبیاء علیہم السلام کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہوا کرتا ہے۔ کہ وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کسی سے ڈرتے ہیں۔ اور نہ کسی سے امید رکھتے ہیں اور یہی بنیادی سبق ہے جو وہ مخلوق کو پڑھاتے ہیں۔ مخلوق کا خوف دل سے نکال دینا اور مخلوق سے امید منقطع

کردینا اور اپنے خالق کے ساتھ جوڑ دینا کہ ڈرو۔ تو اس سے ڈرو امید رکھو تو اس سے رکھو۔ بگاڑ بھی وہی سکتا ہے سنوار بھی وہی سکتا ہے۔ نہ کوئی اس کے علاوہ بگاڑنے والا ہے۔ اس لیے کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ کوئی سنوارنے والا ہے۔ اس لیے کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی ضرورت نہیں۔

بگاڑنا سنوارنا صرف اسی قوت کے پاس ہے۔ یہ سبق انبیاء علیہم السلام بنیادی طور پر اللہ کی مخلوق کو پڑھاتے ہیں۔

موحد کی شانِ بزبان سعدیؒ

اور جو یہ سبق پڑھ لیتا ہے وہی صحیح طور پر موحد ہوتا ہے۔ اور یہی سبق انبیاء علیہم السلام کی زندگی کا پہلا سبق ہے۔

جیسے کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ گلستان میں آپ نے پڑھا ہوگا۔

موحد چه برپائے ریزی زرش
چه شمشیر هندی نهی بر سرش
امید وهر اسش نه باشد ز کس
برین است بنیاد توحید و بس

کہ موحد کے لیے دونوں باتیں برابر ہیں جو اللہ کی توحید پر ایمان رکھنے والا ہے جیسے کہ اللہ نے ہمیں توفیق دی ہم سب کہتے ہیں کہ اللہ پر ہمارا ایمان ہے۔ ہم توحید کے قائل ہیں۔ توحید کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس عقیدے کے ساتھ ساتھ اس کے آثار اور اس کے لوازمات کو بھی ذہن میں رکھو۔

موحد کے لیے یہ بات برابر ہے کہ اس کے سامنے اس کے گھر سونے کے ڈھیر لگا دو وہ سونے کے ڈھیرے کے لالچ میں آ کے کبھی اپنے موقف کو نہیں چھوڑتا۔

اور یہ بھی اس کے حق میں برابر ہے کہ اس کے سر پہ تلوار کھینچ کے کھڑے ہو جاؤ۔ پرانے زمانے میں ہندوستان کی بنی ہوئی تلوار بہت شہرت رکھتی تھی۔ جس کو عربی

میں مُہنّد کہتے تھے۔ تو شمشیر ہندی اس کے سر کے اوپر کھینچ کے کھڑے ہو جاؤ کہ ہم تیرا سر اڑا دیں گے۔ یہ اس کے ہاں برابر ہے۔ سونے کا ڈھیر لگا دو تو متاثر نہیں ہوتا۔ تلوار کھینچ کے اس کے سامنے کھڑے ہو جاؤ تو متاثر نہیں ہوتا۔

اسے نہ کسی سے امید ہوتی ہے نہ کسی سے خوف ہوتا ہے۔ اسے پتہ ہے کہ کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اگر خدا نہ چاہے' اور کوئی مجھے سنوار نہیں سکتا اگر اللہ نہ چاہے۔ تو شیخ اس بات کو نقل کر کے کہتے ہیں۔

بریں است بنیاد توحید و بس

توحید کی بنیاد اسی پہ ہے کہ غیر اللہ کا خوف بھی ختم ہو جائے اور غیر اللہ سے امید بھی ختم ہو جائے۔ خوف ہو تو اللہ کا۔ امید ہو تو اللہ سے۔ تو جب توحید کی بنیاد اس بات پر ہے تو انبیاء علیہم السلام تو توحید کے داعی ہوتے ہیں۔ ان کے مزاج میں تو یہ بات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہوتی ہے۔ ان کو نہ لالچ کے ساتھ اپنے موقف سے ہٹایا جا سکتا ہے۔ نہ ڈرا کے اپنے موقف سے ہٹایا جا سکتا ہے۔ یہ ان کا مزاج ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ماحول کی مخالفتیں

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ نے سیرت کی کتابوں میں پڑھا ہوگا یا آپ نے سنا ہوگا۔ کہ جب آپ نے یہی توحید کا پرچار شروع کیا ہے تو مشرکین کی طرف سے بہت مخالفت ہوئی۔ سب سے پہلے پتھر مارنے والے گھر کے ہی تھے۔ اور پھر جس وقت ڈرانے دھمکانے سے کام نہ چلا تو سارے اکٹھے ہو کے ابو طالب کے پاس گئے تھے۔ کہ آپ اپنے بھتیجے سے پوچھو وہ چاہتا کیا ہے؟ اگر وہ اس طرح کی باتیں کر کے بڑا بننا چاہتا ہے تو ہم اس کو بڑا تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اگر وہ دولت اکٹھی کرنا چاہتا ہے تو ہم اس کو اتنی دولت اکٹھی کر کے دے دیتے ہیں کہ وہ مکہ والوں کے مقابلے میں زیادہ دولت مند ہو جائے گا اور اگر اس کا مقصد کوئی عیش اور عیاشی ہے تو جس لڑکی کی طرف اشارہ کرے ہم اسے نکاح میں دینے کے لیے تیار ہیں۔ اسے کہو کہ وہ

ہمارے بتوں کو برا بھلا نہ کہے اور ہمارے بڑوں کی مخالفت نہ کرے۔ یہ نہ کہے کہ وہ جہنمی ہیں۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے ہم کرنے کے لیے تیار ہیں'

- سردار اسے بنالیں گے' اقتدار اسے دے دیں گے۔
- دولت اس کے لیے اکھٹی کردیں گے۔
- سرمایہ دار وہ ہوجائے گا۔

وہ جس طرح سے چاہے عیاشی کرے۔ بس انہیں کہو کہ یہ اپنا طرز بدل دے۔ ہمارے بتوں کو برا بھلا نہ کہے۔

تو سرور کائنات ﷺ تشریف فرما تھے۔ چچا نے بات نقل کی کہ یوں کہتے ہیں تو حضور ﷺ نے کیا فرمایا تھا؟۔ کہ چچا! اگر وہ میرے ایک ہاتھ میں سورج لا کے رکھ دیں۔ اور ایک ہاتھ میں چاند لاکے رکھ دیں۔ مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا کا نظام میرے سپرد کردیں اگر ان کے بس میں ہوتو۔ تو بھی میں اپنا موقف چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ تو یہ ہوتی ہے پختگی جو نبی کی فطرت کے اندر اللہ تعالیٰ رکھتا ہے۔ (البدایۃ والنہایہ ۳/۴۷)

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سخت مخالف ماحول کے اندر پیدا ہوئے تھے۔ سارے کا سارا ماحول خلاف تھا۔ گھر کا ماحول خلاف تھا۔ برادری کا ماحول خلاف تھا۔ ملک کا ماحول خلاف تھا۔ اس ماحول میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کے ساتھ تھی۔ اللہ نے ان سے کام لینا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ کہ وہ ماحول کی رو میں بہہ نہیں گئے بلکہ وہ اپنے موقف کے اوپر وہ صحیح طور پر ڈٹے رہے۔ اور جب اللہ کی طرف سے تبلیغ کا حکم ہوا کہ لوگوں کے سامنے توحید کا اعلان کریں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھل کے بات کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم میں شرک کس قسم کا تھا۔ وہ قوم کیسی مشرک تھی؟ جس سے شرک کا مفہوم سمجھ میں آئے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف اپنے وقت کے نہیں بلکہ

آنے والے دور کے لیے بھی مُوَحِّد اعظم تھے اور توحید کا سب سے زیادہ پرچار کرنے والے تھے اور بت شکنی حضرت ابراہیم کی سیرت کا اسی طرح سے خاص پہلو ہے جس طرح سے موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کا خاص پہلو فرعون سے ٹکرانا ہے۔

بت پرستی کی ابتداء تصویر سازی سے

بت کیا چیز ہے؟ جس کو وہ پوجتے تھے۔ اور بت پرستی شروع کیسے ہوئی؟ یہ بات یاد رکھیں۔ آدم علیہ السلام جو دین لے کر آئے تھے وہی آدم کا اور وہی آدم کی اولاد کا تھا۔ کوئی دوسرا دین، کوئی شرک نہیں تھا۔ شرک کی ابتداء نوح علیہ السلام کے قوم سے ہوئی ہے۔ اور یہ شرک کی ابتداء تصویر سازی کے ساتھ ہوئی ہے۔ تصویریں بنانے کے ساتھ۔ وہ اس طرح کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے پانچ بت تھے جن کو نوح علیہ السلام کی قوم پوجتی تھی۔ یعنی یوں کہہ لو کہ وہ پنج تنی تھے۔ قرآن کریم میں پانچ کا ہی ذکر آتا ہے۔

((لَاتَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا)).

یہ پانچ جن کو نوح علیہ السلام کی قوم پوجتی تھی یہ کیا تھے؟ بخاری شریف (۷۳۲/۲) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ کہ یہ نوح کی قوم کے صالحین، نیک لوگ اور اللہ کے ولی تھے۔ قوم ان کی معتقد تھی۔ ان کی وفات ہوگئی۔ وفات کے بعد قوم کو یاد آتے تھے۔ اپنی یاد داشت کے لیے اس محبت کے جذبے کے تحت ان کی تصویریں بنا کے رکھ لیں۔

پرانے زمانے کی حیران کن تصویر سازی

اس زمانہ میں تصویریں پتھر پر تراشی جاتی تھیں کیمرے نہیں تھے۔ یہ جو آج کل کی فیشنیبل بت گری ہے۔ یہ اس وقت نہیں تھی۔ یہ بت گری جو آج کے دور کے مطابق بڑی فیشنیبل ہے۔ اس وقت پتھروں کی تصویر سازی تھی۔ اور اتنی شان دار تصویر بناتے تھے۔ کہ جس کی تصویر بنانی ہوتی، ہو بہو اس کی شکل بنا لیتے۔ جس طرح آج کا مصور ایسا ہی ہے ویسے تو کیمرے سے بناتے ہیں ورنہ ہاتھوں کے ساتھ بناتے ہیں تو ہو بہو انسان کی شکل بنا لیتے ہیں۔ یہ ہاتھوں کی تصویریں بڑے بڑے چوکوں پہ بنی ہوئی آپ نے دیکھی ہوں گی۔ بالکل وہی نقشہ بنا دیتے ہیں۔

تو وہ بت تراشتے تھے اور اس طرح بناتے تھے کہ تصویر کے چہرے کے اوپر اس کی سیرت کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔ اگر غصے والا آدمی ہے تو تصویر ایسی ہوگی کہ اس سے غصہ نمایاں ہوگا۔ اگر محبت کی کیفیت میں ہے تو چہرے پہ ایسے آثار ہوں گے جن سے محبت نمایاں ہوگی۔ یعنی آج کے ترقی یافتہ دور میں کیمرہ جس طرح سے عکاسی کرتا ہے کہ تصویر کے اوپر انسان کے رونے کے، ہنسنے کے، خوشی کے، غم کے آثار چہرے پہ نظر آجایا کرتے ہیں۔ وہ پتھر اس طرح سے تراشتے تھے۔ کہ یہ آثار اس کے چہرے کے اوپر نمایاں ہوجاتے تھے۔

بلکہ ارسطو ایک فلاسفی گزرا ہے اس کے حالات میں لکھا ہے کہ زیادہ تر غاروں میں رہا کرتا تھا عام لوگوں سے ملتا نہیں تھا۔ اور اگر اس سے کوئی ملنے کے لیے جاتا تو اس کا ایک شاگرد باہر رہتا تھا وہ پتھر کے اوپر اس کی تصویر بنا کے لے جاتا کہ یہ آدمی ہے جو آپ کو ملنے کے لیے آیا ہے۔ کہتے ہیں ارسطو تصویر دیکھ کے بتا دیتا تھا کہ اس شخص کے اخلاق کیسے ہیں، یہ ملنے کے قابل ہے یا نہیں۔ اس درجے کی اس وقت تصویر کشی ہوتی تھی۔

باہر حال قوم نوح نے یادداشت کے لیے تصویریں بنا کے رکھ لیں۔ ان کو محبت کی نگاہ سے دیکھتے رہے، ان کی تعظیم کرتے رہے۔ تعظیم کرتے کرتے ان کے ساتھ عقیدت ایسی لگی کہ وہی سب کچھ ہوگئے اور انہی کو سجدہ، انہی کے سامنے ہاتھ پھیلانا، اور شیطان نے تصور یہ ڈال دیا کہ یہ اللہ کے نائب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کو اختیارات دے دیے ہیں۔ یہی تمہارے کام کرنے والے ہیں۔ یہی تمہیں نقصان سے بچانے والے ہیں۔ انہی کو خوش رکھو۔ انہی کو چڑھاوے دو۔ انہی کو پوجا کرو۔ اور بس اللہ اس پہ راضی ہوجائے گا۔ اب اللہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ اللہ نے اپنے اختیارات ان کو دے دیے۔ یہ پٹی شیطان نے پڑھا دی۔ اس طرح یہ محبت سے رکھی ہوئی تصویریں آہستہ آہستہ شرک کا ذریعہ بن گئیں تو شرک یوں شروع ہوگیا۔ اولیاء اللہ کی محبت سے شروع

ہوا۔ اولیاء اللہ کی عظمت سے شروع ہوا۔ اس عظمت اور اس محبت نے آخر انسان کو دھوکے میں ڈال دیا۔

شریعت محمدیہ میں تصویر کی ممانعت

یہی وجہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے بعد چونکہ کوئی اور نبی تو آنے والا تھا نہیں۔ آپ نے شرک کے دروازے اس طرح سے بند کیے ہیں۔ کہ کوئی سوراخ نہیں چھوڑا جہاں سے شرک آسکے۔ اس میں اس کو خاص طور پر اہمیت دی ہے۔ کہ جاندار کی تصویر کو حرام ٹھہرادیا۔ بنانی حرام رکھنی حرام اور فرمایا کہ جہاں جاندار کی تصویر رکھی ہوئی ہو وہاں اللہ کی لعنت برستی ہے۔ اور اللہ کی رحمت کا فرشتہ وہاں نہیں آتا۔ (بخاری ۲/۸۸۰) یہ یاد رکھنا! آج کا دور پھر تصویر پرستی کا ہے۔ اور تصویر پسندی کا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ تصویر کے خاکے بدل گئے۔ پہلے پتھر پر تراشتے تھے۔ اب کاغذ پر آتی ہے۔ تراشنے کی بجائے اب کیمرے سے بنالیتے ہیں لیکن ہے باہر حال تصویر۔

تصویر کی مذمت جو شریعت میں کی گئی ہے۔ وہ اس لیے کی گئی ہے کہ یہ شرک کا ذریعہ بنتی ہے۔ جس وقت گھر کے اندر کسی بزرگ کی تصویر لگی ہوئی ہو۔ تو گھر میں داخل ہوتے ہی اس بزرگ کے عقیدت مند جب اس بزرگ کی تصویر کے اوپر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی نظر نیچی ہو جاتی ہے۔ اور ایسا بھی ہوگا کہ جب تصویر سامنے لگی ہوگی تو جاتے وقت یوں کر کے (جھک کر) سلام بھی کریں گے۔ تصویروں کو سلامی دینا تصویروں کو رکھ کے ان کی صدارت کروانا۔ یہ اس دور جاہلیت میں دوبارہ شروع ہوتا جا رہا ہے۔ اس لیے جس کو بڑا سمجھتے ہیں اس کی تصویر ہر جگہ لگا کے رکھتے ہیں۔

ناراض نہ ہونا۔ یہ قائد اعظم کی تصویر جو ہر دفتر میں لگی ہوئی ہوتی ہے۔ اسی عظمت کی بناء پر ہی ہے۔ کہ اس نے ہمیں پاکستان لے کے دیا۔ اور کسی جلوس میں تصویر گر گئی تھی تو کتنا اودھم مچا تھا۔ کہ قائد اعظم کی بے ادبی ہوگئی، قائد اعظم کی بے ادبی ہوگئی۔ اس کی تصویر سر کے بل گر گئی۔ یہ پچھلے دنوں میں آپ نے دیکھا نہیں؟ یہ تو آپ

کے ہوش کی بات ہے کہ تصویروں کا ادب واحترام جب شروع ہوتا ہے تو آہستہ آہستہ یہی پوجا تک پہنچا دیتا ہے۔ تو جاندار کی تصویر رکھنا خاص طور پر گھر میں دیواروں پر عظمت کے ساتھ اس کو لگانا یہ بالکل حرام ہے۔ جائز نہیں' بنانی ناجائز' رکھنی ناجائز' وہاں پر اللہ کی رحمت کے فرشتے نہیں آتے جہاں پر تصویر ہو۔ باقی جو فرشتے اعمال لکھنے کے لیے یا دوسرے کاموں کے لیے ہیں وہ تو آتے جاتے ہیں۔ لیکن جو فرشتے محض اللہ تعالیٰ کی رحمت پہنچانے کے لیے ہوتے ہیں اس گھر میں نہیں آتے جس گھر کے اندر کتا یا تصویر ہو۔ دونوں کی ممانعت آتی ہے۔

ایک لطیفہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت

رحمت کا فرشتہ بار بار اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ باقی فرشتے جن کی ڈیوٹی لگی ہوئی ہے وہ سارے آتے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سید اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جو بالاکوٹ میں شہید ہوئے تھے جن سے بدعتی بہت چڑتے ہیں۔ اتنا چڑتے ہیں کہ شاید اتنا کسی پہ نہیں چڑتے جتنا ان پہ چڑتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے توحید بہت بیان کی ہے۔

یہ چھوٹے سے تھے کہتے ہیں کہ نا:

ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔

اور خادم ان کو باہر کھلاتا پھر رہا تھا۔ اتنے چھوٹے بھی نہیں تھے۔ بات کرتے تھے۔ تو ایک آدمی آوارہ تھا۔ اس کے ساتھ کتا تھا۔ یہ جو خادم تھا اس کو دیکھا ہوگا کہ یہ مولوی خاندان کا ہے۔ اس کو آ کے کہتا ہے کہ مولوی صاحب! کیا مسئلہ ہے کہ کہتے ہیں جہاں کتا ہو وہاں فرشتہ نہیں آتا۔ اس نے کہا ہاں مسئلہ تو ایسے ہی ہے۔ کہنے لگا میں نے کتا اس لیے ساتھ رکھا ہوا ہے کہ میرے ساتھ کتا ہوگا تو عزرائیل بھی تو آخر فرشتہ ہی ہے وہ بھی نہیں آئے گا۔ جب عزرائیل نہیں آئے گا۔ تو میں مروں گا نہیں۔ تو اسماعیل تھے تو بچے لیکن کہتے ہیں۔

ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ یہ اردو کا محاورہ ہے کہ جس پودے نے بڑا

درخت بنا ہوتو اس کے پتے چکنے چکنے ہوتے ہیں وہ جلدی ٹوٹتے نہیں۔ اور جس کے پتے ٹوٹنے لگ جائیں وہ خشک ہوجاتا ہے' بڑھنے والانہیں ہوتا۔

پنجابی کے محاورے ذرا بھدے سے ہوتے ہیں۔ اردو کے محاورے اور عربی کے محاورے ذرا لطافت لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ ورنہ پنجابی کا بھی محاورہ ہے۔

جَمدیاں سُولاں دے منہ تکھے۔

سول کہتے ہیں کیکر کا جو کانٹا ہوتا ہے یعنی جب یہ پیدا ہوتا ہے اسی وقت ہی اس کا منہ تیز ہوتا ہے۔ جس نے کانٹا بنا ہے۔ جمتے ہی اس کا منہ تیز ہوتا ہے۔ یہ پنجابی کا محاورہ ہے۔

باہرحال یہ بول پڑے۔ کہنے لگے اچھا یہ بتا کہ کتا مرتا ہے یا نہیں مرتا۔ کہتا ہے کتا تو مرتا ہے۔ کہنے لگے جو اس کی جان نکالنے آئے گا وہی تیری جان نکال لے گا۔ (ہنسی)۔ بات سمجھ گئے؟

بزرگوں کی تصویر زیادہ ممنوع کیوں؟

مسئلہ یاد رکھیے۔ یہ آپ حضرات کا وقت ضائع کرنا مقصود نہیں ہوتا اور نہ یہ کوئی ایسی دماغی عیاشی ہے جو ہم اس وقت کرتے ہیں۔ بلکہ مقصد ہوتا ہے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو آپ کے دماغ میں بٹھانا۔ کہ آپ ان کو اپنے ذہن میں بٹھائیں گھروں میں جائیں تو گھروں کے ماحول کا جائزہ لیں۔ اور گھر میں کوئی تصویر لگی ہوئی ہو۔ تو والدین سے ادب و احترام کے ساتھ اس تصویر کو ضائع کروائیں۔ کہو کہ یہ تصویر لگی ہوئی ہے یہاں پر آپ نماز پڑھتے ہیں نماز صحیح نہیں ہوتی۔ یہاں بیٹھ کے اگر آپ اپنا وقت گزارتے ہیں تو اللہ کی رحمت سے محروم ہوتے ہیں۔ تصویر گھر نہ لگانے دو۔ وہ لوگ یہ کہیں گے کہ یہ تو بزرگوں کی تصویر ہے۔ بزرگوں کی تصویر بھی منع ہے؟ تو آپ کہیں کہ بزرگوں کی تصویر زیادہ منع ہے۔ یہ بات یاد رکھیے! جتنا بڑا کوئی بزرگ ہوگا۔ اتنا اپنے دل کا تعلق اس کے ساتھ زیادہ ہوگا۔ اتنی ہی اس کی تصویر رکھنی زیادہ حرام ہے۔ کیونکہ

تصویر کی حرمت کا مدار جب اس بات پر ہے کہ کہیں آپ اس کی تعظیم نہ کرنے لگ جائیں۔ آپ اس کا احترام نہ کرنے لگ جائیں۔ کہیں آپ اس کو سلام نہ کرنے لگ جائیں۔ کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ جو بزرگ ہے یہ میرے حال کو دیکھ رہا ہے اور میرے حال پہ مہربانی کرنے والا ہے۔

یہ جذبات کبھی کھوتے اور گدھے کی تصویر کے ساتھ نہیں آیا کرتے۔ کیا یہ خیال آئے گا؟ یعنی اگر کہیں گدھے کی تصویر لگی ہوئی ہو تو اس کے متعلق کسی کو خیال ہوگا کہ میں اس کو سجدہ کرلوں؟ یا میں اس کو سلام کروں؟ یا اس کی طرف عظمت سے دیکھتے ہوئے نظر نیچی ہوگی۔ نہیں نا ہوتی؟ (نہیں) تو عظمت کب آئے گی۔ جب بزرگ کی تصویر ہوگی۔ اپنے پیر کی ہوگی۔ اپنے استاد کی ہوگی۔ اپنے باپ دادے کی ہوگی۔

انبیاء علیہم السلام کی تصویریں ہیں نہیں لیکن جعلی طور پر لوگ بنائے پھرتے ہیں تو جو تصویر کسی نبی کی طرف منسوب ہوگی اس کی عظمت دل میں آئے گی۔

انسان اس کے سامنے دبے گا۔ آنکھ نیچی کرے گا۔ جب آنکھ نیچی کرے گا آہستہ آہستہ وہی اس کی تعظیم تک پہنچا کے شرک کا ذریعہ بن جائے گی۔ اس لیے جو جتنا بزرگ ہو جتنی اس کے ساتھ عقیدت زیادہ ہوگی۔ اتنی ہی اس کی تصویر رکھنا زیادہ ممنوع ہے۔ اس دھوکے میں نہ آنا کہ بزرگوں کی تصویریں باعث برکت ہوتی ہیں۔

علمی انداز میں آپ کے سامنے بات عرض کرتا ہوں۔ کہ بزرگوں کی تصویروں پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی زیادہ آتی ہے بمقابلہ ان تصویروں کے جو کسی جانور کی ہیں یا جن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں عظمت پیدا ہونے کا زیادہ احتمال ہوتا ہے۔ اور اس کو احترام کی نگاہ کے ساتھ آپ زیادہ دیکھیں گے۔ جب زیادہ دیکھیں گے تو شرک ذریعہ بن جائے گی۔ باقی جانور کی تصویر اتنی جلدی شرک کا ذریعہ نہیں بنتی۔ لیکن شریعت نے اصول بنادیا کہ جاندار کی تصویر منع ہے۔

بنانی منع، رکھنی منع، اور جس گھر کے اندر یہ زیب وزینت کے طور پر لگی ہوئی ہو

اس گھر کے اندر نماز نہیں ہوتی اور رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔

پیغمبر کی نقلی تصویر اور ایک واقعہ

حضرت سید صاحب کے زمانے کا ہی واقعہ ہے۔ کہیں حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تصویر کے متعلق یہ مسئلہ بیان کیا جسے میں آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں۔ تو کوئی مجمع میں بیٹھنے والا' اس کے پاس حضور ﷺ کی تصویر تھی فرضی بنی ہوئی۔ اب بھی سنا ہے کہ ایران میں ملتی ہیں۔ حضرت حسنؓ کی' حسینؓ کی' حضرت علیؓ کی' تصویریں مصنوعی طور پر بنی ہوئی ملتی ہیں حضور ﷺ کی تصویر حقیقی کہیں نہیں۔ لیکن لوگ بنائے پھرتے ہیں جس طرح سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پاؤں اُچ میں آ کے لگ گیا پتھر کے اوپر' اور قوم کو دھوکا دیے پھرتے ہیں سارے کے سارے' پتھر کے اوپر اتنا سارا اندر گیا ہوا پاؤں کا نشان ہے کہتے ہیں حضرت علی اچ آئے تھے اور ایک پاؤں پتھر کے اوپر رکھ کے نشان لگا کے چلے گئے۔ قوم جاہل ہے ان کی جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہیں باہر حال تصویر بنا لی۔ حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دی۔ تو اس کے پاس وہ تصویر تھی۔ وہ آیا مولانا کے پاس' کہنے لگا کہ آپ کی تقریر سن کے پتا چلا ہے کہ تصویر رکھنی ٹھیک نہیں۔ میرے پاس حضور ﷺ کی تصویر ہے میں اس کا کیا کروں؟

تو حضرت تو سیدھی سیدھی بات جانتے تھے۔ فرمایا پھاڑ دو پھینک دو تصویر کا کیا احترام؟ کسی کی ہو۔ اس کا کوئی ادب نہیں۔ تصویر تو تصویر ہے اس کا کوئی ادب نہیں۔ پھاڑ کے پھینک دو۔ لیکن جو آدمی کسی وقت تک اس کو عقیدت و محبت کے ساتھ سنبھالے بیٹھا تھا۔ وہ اتنی جلدی پھاڑ کے پھینکنے پر کیسے آمادہ ہو جائے۔ اس کے دل نے یہ بات گوارہ نہ کی۔ حالانکہ بات حضرت شہید کی صحیح تھی۔ جس کے لیے واضح دلیل یہ ہے۔ کہ سرور کائنات ﷺ نے جب مکہ فتح کیا ہے مکہ فتح کرنے کے بعد آپ نے بیت اللہ کا دروازہ کھلوایا۔ تو اندر بت ہی بت تھے۔

اور بعضے بت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر تھے۔ بعضے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے

نام پر تھے۔ ان پیغمبروں کے نام پر بھی بت تھے تو حضور ﷺ نے یہ نہیں کیا کہ جو کسی دوسرے کے نام پر تھے وہ تڑوا دیے جو ابراہیم علیہ السلام کے نام تھا وہ سنبھال لیا۔ بلکہ ایک ضرب سے توڑ دیے چاہے وہ ابراہیم علیہ السلام کے نام پر بنا ہوا تھا' چاہے اسماعیل علیہ السلام کے نام پر بنا ہوا تھا۔ تصویر کا کوئی ادب نہیں ہے۔ تصویر کا کوئی احترام نہیں ہے۔ خواہ وہ کسی کی ہو۔ جو فرشتوں کی طرف منسوب کر کے بنائے ہوئے تھے وہ بھی توڑ پھوڑ دیے۔ اس لیے تصویر کا کوئی ادب نہیں۔ نہ تصویر میں کوئی برکت ہوتی ہے۔ یہ اصول آپ یاد رکھیں اور تصویر کو پھاڑ دینا کوئی بے ادبی نہیں ہے خواہ کسی کی بھی ہو۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی مدبرانہ حکمت

لیکن جو شخص عقیدت و محبت کے ساتھ تصویر کو لیے بیٹھے تھا اس کی طبیعت نے گوارہ نہ کیا کہ اس کو پھاڑ دوں۔ ایک عظمت دل میں بیٹھی ہوئی تھی تو سید عبدالعزیز شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے تایا تھے ان کے پاس چلا گیا۔ اور یہ ہمارے استاد الاستاذ ہیں ہمارا سلسلہ سند انہیں کے ساتھ ملتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بیٹے اور ان کے بعد ان کے جانشین تھے۔ وہ بڑے مدبر قسم کے آدمی اور مزاج شناس تھے۔

تو یہی مسئلہ جا کے اس نے ان سے پوچھ لیا۔ کہ میرے پاس حضور ﷺ کی تصویر ہے تو میں اب کیا کروں۔ آپ اس کا مزاج سمجھ گئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ بتا کہ وہ جاندار ہے یا بے جان ہے؟ کہنے لگا کہ بے جان ہے۔ فرمایا کہ حضور ﷺ موجود تھے۔ اس کے بعد ایک وقت آیا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کی روح نکل گئی اور بے جان ہو گئے۔ تو صحابہ کرام نے کیا کیا تھا؟ کہتا ہے کہ غسل دیا۔ کپڑوں میں لپیٹا۔ ادب و احترام کے ساتھ دفن کر دیا۔ فرمایا کہ تو بھی ایسے کر لے۔ اب کروائی تو ضائع تھی لیکن اس انداز میں کروادی۔ اگر پھاڑ کے پھینکنے کو جی نہیں چاہتا تو گڑھا کھود کے دفن کر دو۔ بہر حال رکھنی کسی صورت میں نہیں ہے۔

اس لیے یہ بات بظاہر کچھ سخت سی لگے گی لیکن ہے حقیقت۔ کہ اتنی مذمت اور

اتنا نقصان کسی جانور اور گدھے کی تصویر کا نہیں جتنا نیک لوگوں کی، بڑے لوگوں کی، جن کی دل میں عظمت ہو ان کی تصویر سے اللہ کی ناراضگی آتی ہے اور شریعت کے خلاف بات ہوتی ہے۔ کیونکہ عظمت ہوگی تو شرک کی بنیاد اٹھے گی۔ اگر عظمت نہ ہو تو شرک کی بنیاد کیسے اٹھے گی؟

اس لیے اس دھوکے میں نہ آئیو کہ ولی کی تصویر گھر میں لگانی جائز ہے۔ کسی کی جائز نہیں چاہے کوئی آپ کا استاذ ہے۔ چاہے کوئی آپ کا پیر ہے۔
چاہے وہ کسی فرشتے کی طرف منسوب ہے۔ چاہے کسی اور کی طرف منسوب ہے۔

براق کی من گھڑت تصویر

گھروں میں ایک تصویر لگی ہوئی ہے جس کا بدن گھوڑے کا ہوتا ہے شکل عورت کی ہوتی ہے۔ کیا کہتے ہیں کس کی تصویر ہے؟ یہ براق کی تصویر ہے۔ جس کے اوپر حضور ﷺ سوار ہو کر معراج پہ تشریف لے گئے تھے۔ جیسے ان کی ماں اور ان کا نانا دیکھ کر آیا ہے اس کو۔ کہ یہی براق تھی۔ بس ایسے ذہنی اختراع کر کے کچھ کی کچھ بنالی۔
یعنی کسی جگہ کوئی اشارہ تک نہیں کہ براق کی شکل ایسی تھی۔ حدیث میں اتنا آتا ہے کہ وہ جانور تھا گدھے سے ذرا بڑا تھا۔ خچر سے چھوٹا تھا۔
براق اس لیے کہتے ہیں کہ برق رفتار تھا۔ بجلی کی طرح تیز رفتار۔ کہ اس کا قدم وہاں جاتا تھا جہاں اس کی نگاہ جاتی تھی۔ فَوْقَ الْحِمَارِ دُوْنَ الْبَغْلِ۔ (بخاری ۱/۴۵۵)

اب یہ ان کے باپ کو پتہ چل گیا کہ اس کی شکل عورت کی تھی۔ اور عورت کی شکل بنا کے اس کے اوپر حضور ﷺ کو سوار کر کے حضور ﷺ کا ادب کر رہے ہیں؟ (نہیں) یہ بالکل غلط ہے۔ پھر ساتھ ساتھ اس کے پر بھی بنے ہوئے ہوتے

ہیں۔ یہ عجیب الخلقت جانور پتہ نہیں ان کو کہاں سے مل گیا۔ شکل عورت کی۔ باقی بدن گھوڑے کا۔ اور پر اس طرح سے لگے ہوئے ہیں جیسے کسی پرندے کے ہوتے ہیں۔ یہ سب خرافات ہیں اور لوگوں کی جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہیں یہ کوئی ادب کی بات نہیں ہے اس قسم کی تصویروں کا رکھنا جائز نہیں۔

قوم ابراہیم علیہ السلام میں بت پرستی

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بھی تصویر پرستی میں مبتلا تھی۔ تصویریں پوجتے تھے۔ تصویریں کس کی تھیں؟ اس سے بحث نہیں ہے۔ لیکن پوجتے تصویریں تھے۔ قرآن میں آتا ہے۔

أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ۔ کیا تم ان کی پوجا کرتے ہو؟ جن کو خود تراشتے ہو معلوم ہو گیا کہ ان کا معبود ما تنحتون تھا۔ جس کو خود تراشتے تھے۔ کس کے نام پہ بنائے تھے؟ اس سے بحث نہیں۔ تو تصویریں بنائی ہوئی تھیں۔ بت خانہ بھرا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ نہیں خیال کیا کہ یہ تصویر کس کی ہے۔ کس کی نہیں ہے۔ (یاد رہے آپ کو) کہاں سے توحید کا اعلان شروع کروایا؟ لوگوں کو پہلے زبانی سمجھایا۔ لیکن جب زبانی نہیں سمجھے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر وہ کام کر کے دکھایا جس کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بت شکن مشہور ہوئے اور موحد اعظم کے لقب کے ساتھ پکارے گئے۔ ابھی ستاروں کی بات کو چھوڑو۔ حکومت کی بات کو چھوڑو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا منظر

میلے کا دن تھا۔ اور عوام ساری کی ساری جشن مناتی تھی۔ اور ایسے وقت میں بتوں کے نام پر چڑھاوے چڑھانا ان کا رواج تھا۔ مثال کے طور پر کسی بت کے سامنے برفی رکھی ہوئی ہے۔ کسی کے سامنے حلوہ رکھا ہوا ہے کسی کے سامنے پکوڑے رکھے ہوئے ہیں۔ کسی کے سامنے کچھ رکھا ہوا ہے۔ اور رکھ کر چلے گئے۔ جیسے قبروں پر لوگ

چھوڑ آتے ہیں۔ کہ ان کا خیال ہوتا ہے کہ شاید ولی ان سے کوئی کام لیتے ہیں۔ تو بت خانے میں ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اور سارے کے سارے باہر جشن منانے کے لیے جانے لگے تو حضرت ابراہیم کو بھی کہنے لگے کہ آپ بھی ساتھ چلیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام موقع تلاش کر رہے تھے کہ کبھی مجھے تنہائی کا موقع ملے تو میں ان کی خبر لوں۔ اور میں قوم کو بتاؤں کہ جو اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے تمہیں کیا بچائیں گے؟ وہ تو وقت کے متلاشی تھے۔ قوم نے ساتھ چلنے کے لیے کہا تو کہنے لگے کہ میں تو بیمار ہوں میں تو نہیں جاتا۔ اب سقیم میں خواہ مخواہ تاویلیں کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کہ کیا بیماری تھی ابراہیم علیہ السلام کو؟ صحیح کہا تھا یا غلط کہا تھا؟ بالکل صحیح کہا تھا۔ باقی بیماری کیا تھی۔ تو یہ تھوڑی بیماری تھی کہ قوم کا حال دیکھ کر ہر وقت دل کڑھتا ہے ہر وقت خون جوش مار رہا ہے۔ یہ بڑی بیماری ہے۔ طبیعت کڑھ رہی ہے۔ جلن ہے۔ خون اشتعال میں ہے کہ قوم کیا کر رہی ہے۔ کس طرح سے انسان پتھروں کے سامنے ذلیل ہوتے پھرتے ہیں یہ بیماری کوئی کم نہیں ہے۔

غم سب سے بڑی بیماری ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میری تو طبیعت خراب ہے میں نہیں جاتا۔ وہ چھوڑ کے چلے گئے جب سارے باہر چلے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو موقع مل گیا۔ تو دروازہ کھول کے اندر چلے گئے اب وہاں جا کے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیسے غصہ نکالا۔ قرآن کریم یہ لفظ بولتا ہے۔ ضرباً بالیمین۔ دائیں ہاتھ کے ساتھ پٹائی کی اور کہا مالکم لا تاکلون۔ او! کھاتے کیوں نہیں ہو؟

ایک ادھر ماری۔ ما لکم لا تنطقون۔ او! بولتے کیوں نہیں ہو؟

اک اک کی پٹائی شروع کی۔ اب جو بولتا نہیں، کھاتا نہیں وہ خدا ہے؟ فجعلھم جذاذاً ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا ان کے سارے ٹکڑے کر دیے اور ایک کو چھوڑ دیا۔ وہ ایک مناظرے کا انداز تھا تا کہ گفتگو کا ایک انداز سامنے آئے۔ باہر حال فارغ ہو کے چلے گئے۔ جس وقت قوم آئی اور آ کے دیکھا کہ یہ سارے ٹوٹے پڑے ہیں (یہ

میری بات کو اچھی طرح سے ذہن میں بٹھالیں ابراہیم نے یہ نہیں سوچا کہ یہ جبریل کی تصویر ہے۔ یہ میکائیل کی تصویر ہے یہ کسی ولی کی ہے۔ یہ فلانی ہے یہ فلانی ہے۔)

اور بڑا جو تھا اس کے گلے میں ہتھوڑا یا کلہاڑی جو کچھ بھی تھا جس کے ساتھ ان کی مرمت کی تھی وہ لٹکا دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مناظرانہ گفتگو

جب قوم نے دیکھا تو پریشان ہوئی کہ بڑا ظالم ہے جس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ تو پھر بیٹھ کے سوچا کہ ابراہیم علیہ السلام ہی ایسا ہے۔ جو ان کا ذکر برائی سے کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ ساری کی ساری حرکت اس کی ہے۔ کہنے لگے بلاؤ اسے۔ بلالیا۔ اب پوچھتے ہیں۔ ابراہیم! ہمارے خداؤں کا یہ حال تو نے کیا ہے۔؟ بِاٰلِهَتِنَا۔ اٰلِهَة، اله کی جمع ہے۔

حضرت ابراہیم کی یہ گفتگو مناظرانہ ہے۔ مناظرے میں پینترے بدلنے کے لیے اس قسم کی گفتگو ہوتی ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے یہ بڑا کھڑا ہے توڑ پھوڑ کرنے کا ہتھیار بھی اس کے پاس ہے۔ اس نے کیا ہے۔ اور ان سے پوچھ لو جو ٹوٹے پڑے ہیں۔ یہ تمہیں بتادیں گے۔ اب یہ بات ابراہیم علیہ السلام کیوں کہہ رہے ہیں۔ کہ قوم لازماً کہے گی کہ وہ توڑ نہیں سکتا یہ بول نہیں سکتے۔ ان کی تو زبان سے یہ لازماً نکلے گا۔ اور وہی بات ہوئی کہ قوم نے کہا ابراہیم! تجھے پتہ تو ہے ہی کہ یہ تو بولتے نہیں ہیں۔ فرمایا۔

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ اف تم پر بھی، تمہارے معبودوں پر بھی، کہ جو توڑنے سے بچنا تو کیا بتا نہیں سکتے کہ توڑا کس نے ہے۔ اور اس (بڑے) کے متعلق تم کہتے ہو کہ یہ بڑا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ بڑا چھوٹوں کو تنبیہ کیا کرتا ہے۔ چھوٹوں نے شرارت کی ہوگی تو اس نے پیٹ دیا ہوگا تو جب وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرسکتا تم خود ہی کہتے ہو کچھ کر نہیں سکتا۔ تو اس قسم کی عاجز مخلوق اور اس قسم کی بے حس اور بے اختیار مخلوق۔ اف ہے تم پر اور تمہارے معبودوں پر جن کی تم پوجا کرتے ہو۔

یہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کارنامہ کہ جو انہوں نے بت خانے کے اندر جا کر پوری قوم کی مخالفت کرتے ہوئے توڑ کے پھینک دیے۔ یہ نہیں سوچا کہ ان میں سے کون سا کس ولی کا ہے۔ کونسا کس فرشتے کا ہے۔ بت شکنی یہ ہے کہ بت کسی کے نام پر ہو کسی شکل کا ہو کوئی ادب و احترام کے قابل نہیں ہے۔ اس کو پھاڑ کے پھینک دو۔

یہی تھے جن کے متعلق انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا۔ نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ تجھے کام آتے ہیں۔ تو ایسوں کی کیوں پوجا کرتا ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ایک نمایاں سبق یہ ہوا کہ تصویر سازی ممنوع۔ تصویریں رکھنی ممنوع چاہے وہ کسی معظم شخصیت کی ہوں۔ ان کا کوئی ادب و احترام نہیں ہے۔ ان کو توڑ دینا پھینک دینا۔ پھاڑ دینا یہ نسبت ابراہیمی کا تقاضا ہے۔ یہ تو تصویروں کا حال کیا اور قوم کو اس طرح سے چپ کرایا۔

لیکن عقل پھر بھی ٹھکانے نہیں آئی کیونکہ مشرک جو ہوتا ہے اس کی عقل ماری جاتی ہے۔ اس کی عقل ٹھکانے آنی بڑی مشکل ہوتی ہے۔ اسی لیے ہمارے بزرگ حضرت درخواستی رحمۃ اللہ علیہ ایک سرائیکی کا فقرہ بولا کرتے تھے کہ:

رب رُسے تے مَت گھسے۔

کہ جب رب ناراض ہو جاتا ہے تو عقل بھی ٹھکانے نہیں رہتی۔ تو پھر انہوں نے مشورہ کیا کہ اُنْصُرُوْا اٰلِهَتَكُمْ۔ اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر کچھ کرنا ہے۔ تو جلانے کا مشورہ کر لیا۔ ساری قوم متفق ہو گئی۔ یہ پہلو حضرت ابراہیم کا جو آئے گا کہ قوم کس طرح سے مخالف ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کیسے ہوئی۔ اور ستارہ پرستی بھی ان کے اندر تھی۔ اور ستارہ پرستی کی تردید حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کس طرح سے کی۔ یہ انشاء اللہ العزیز اگلے بیان میں واضح کریں۔ پرچیاں کافی ساری اکٹھی ہو گئیں یہ دے دو۔

سوال: خودکشی کرنے والا اسلام پر مرتا ہے یا کفر پر اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ اس کے لیے دعا و استغفار کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اس کو قبرستان میں دفن کرنا چاہیے

یا نہیں؟

جواب: خودکشی کرنے والا مسلمان ہوتا ہے۔ خودکشی کفر نہیں ہے جس طرح سے اپنے غیر کو قتل کرنا حرام ہے۔ اپنے آپ کو بھی قتل کرنا حرام ہے۔ توجہ کیجیے قاتل کے لیے دعا بھی ہوتی ہے۔ قاتل کے لیے استغفار بھی ہوتا ہے اس کے لیے بھی جائز ہے۔ اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔

سوال: جو یہ کہتا ہے کہ میرا ایمان ہے کہ ابو طالب ضرور جنت میں جائے گا۔ اس کا حکم کیا ہے؟

جواب: یہ صحیح حدیث کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کا وہی حکم ہے جو صحیح حدیث کی مخالفت کا ہوتا ہے۔ یہ آدمی اہل السنّت والجماعت میں سے نہیں ہے۔ کسی رافضی کا اس پر اثر ہے کیونکہ رافضی ابو طالب کو مومن ثابت کرتے ہیں۔

سوال: تصویر اگر آویزاں نہ کی گئی ہو بلکہ چھپا کر رکھی ہوئی ہو تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ضرورت کی وجہ سے جائز ہے۔ جس طرح سے شناختی کارڈ ہو گیا اب ایک ضرورت ہے۔ حج کے لیے تصویر بنانی پڑتی ہے۔ ایک ضرورت ہے۔

اور اگر سکول و کالج میں کوئی پڑھتا ہے تو امتحان کے لیے بنوانی پڑتی ہے۔ یہ ایک ضرورت ہے سب سے بڑی ضرورت ہے قائداعظم کو سینے سے لگا کے رکھنے کی۔ سمجھتے ہو؟۔ جیب میں نوٹ جوڈالے پھرتے ہو تو قائداعظم کو سینے سے لگائے پھرتے ہو یا نہیں؟۔ مجبوری ہے کیا کریں۔ اس مجبوری کے تحت جو تصویر ہوتی ہے اس کے اوپر گناہ لازم نہیں آتا۔ وہ قابل برداشت ہے۔ شوق کے ساتھ۔ زیب و زینت کے لیے تصویر بنانا۔ یہ حرام ہے۔ ضرورت کے تحت جائز ہے۔

اور آج اس زمانے میں اس کی ضرورت کی جگہ پیش آتی ہے جیسے میں نے مثالیں عرض کی ہیں؟ اَلضَّرُوْرَةُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ۔ ضرورت کے تحت بعض ممنوع چیزیں بھی جائز ہو جایا کرتی ہیں۔ زیب و زینت اور محبت و عظمت کے طور پر رکھنا ٹھیک

نہیں ہے۔

سوال: جو دکانوں وغیرہ میں تصویریں لگائی جاتی ہے۔ان کا حکم کیسا ہے؟

جواب: یہ آج کل اکثر چیزوں پر تصویر بنی ہوتی ہے۔ تو تصویر والی چیز جب بھی خرید و اس کا منہ کالا کر دیا کرو۔ اس کا چہرہ مٹا دیا جائے تو باقی تصویر کا کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال: جس کا گھر دیہات میں ہو اور اس نے کتے کو گھر کی حفاظت کے لیے رکھا ہوا ہو۔

جواب: یہ تفصیل تو فقہ میں موجود ہے۔ شکاری کتا۔ جو شکار کی ضرورت کے لیے رکھا ہوا ہو۔ ریوڑ کی حفاظت کے لیے رکھا ہوا ہو۔ کھیتی اور باغ کے حفاظت کے لیے رکھا ہوا ہو۔ اس کی حضور ﷺ نے اجازت دی ہے۔ (بخاری ۳۱۲/۱)

کتے رکھنا جو ملعون ہے جن پر لعنت ہے وہ ہے شوق کی ساتھ جو لوگ پالتے ہیں۔ کہتے ہیں نا۔ کار۔ کتا۔ کوٹھی۔ یہ تین چیزیں آجکل لازم ملزوم ہیں۔ کوٹھی بنالی کار لے لی، پھر جب تک اس میں کتا نہ بٹھائیں اس وقت تک چین نہیں آتا۔ جس طرح سکھوں کے ہیں کچھ۔ کڑا۔ کرپان۔ یہاں بھی کوٹھی کار کتا' یہ لازم ملزوم ہو گئے ان کو محبت کے ساتھ رکھتے ہیں بستروں پر سُلاتے ہیں۔ منہ چومتے ہیں۔ آپ نے تو دیکھا نہیں۔ مغربی تہذیب میں کتے سے بہت پیار ہے۔ یہ کتے لعنت کا باعث بنتے ہیں جو ضرورت کے لیے رکھا ہو وہ ٹھیک ہے۔ اگر واقعتاً ضرورت ہو۔

سوال: شیعہ جو یا علی مدد کا نعرہ لگاتے ہیں اس کا موجد اول کون ہے۔

جواب: معلوم نہیں۔

سوال: تصویر کی نقل رکھنا درست ہے یا نہیں۔

جواب: یہ بھی تصویر تو ہوگئی۔

سوال: اخباروں کی تصویروں کا کیا حکم ہے۔

جواب: اگرچہ ہمارے اندر ان کی عظمت نہیں ہوتی لیکن پھر بھی ایسے طور پر نہ رکھا کرو کہ تصویر سامنے نظر آئیں اور اگر کہیں دیوار پر رکھنا پڑا بچھانا پڑ گیا۔ اگرچہ ادب و احترام کے طور پر ہم نہیں بچھاتے۔ لیکن پھر بھی اگر ان کے منہ کے اوپر سیاہی لگا دی جائے ان کا حلیہ بگاڑ دیا جائے تو ٹھیک ہو جائے گا۔ ورنہ یہ تو حدیث شریف میں آتا ہی ہے فقہ میں بھی لکھا ہے کہ یہ قالین وغیرہ جو ہوتے ہیں جو نیچے بچھائے جاتے ہیں جس کے اوپر پیر رکھ کر آپ چلتے پھرتے ہیں۔ ان میں تصویر بنانی جائز نہیں ہے۔

لیکن اگر کسی نے بنا دی اور آپ نے اس کو فرش کے اوپر بچھا دیا۔ اس پر یہ وعید نہیں ہے۔

سوال: پیسے جیب میں ہوں تو نماز کا کیا حکم ہے۔

جواب: وہ تو پہلے کہہ دیا مجبوری ہے۔ اس لیے یہ صحیح ہے۔ ان کو کہاں پھینک دیں۔

سوال: جس مکان میں تصویر ہو وہاں نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: مکروہ تحریمہ ہے واجب الاعادہ ہے۔

سوال: قرآن میں ہے ولا خوف علیھم ولاھم یحزنون۔ جنتیوں پر نہ خوف ہوگا نہ غم۔ حالانکہ ادنیٰ درجے کے لوگ اعلیٰ درجے کے لوگوں کو دیکھ کر غمزدہ ہوں گے۔

جواب: یہ تو ناواقفیت ہے۔ کیونکہ ان کو یہ احساس ہی نہیں ہوگا کہ ہم ادنیٰ درجے میں ہیں۔ اپنے اعمال ان کے سامنے ہوں گے۔ ان کے مقابلے میں جو کچھ اللہ نے دیا ہوگا۔ وہ کہیں گے کہ ہم اس قابل ہی نہیں تھے جو کچھ اللہ نے ہم کو دیا ہے۔ اس لیے وہ تو خوش ہوں گے ان کو غم نہیں ہوگا۔

سبحانك اللھم وبحمدك اشھد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب الیك

ملتِ ابراہیمی اور ستارہ پرستی کی مذمت

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

تاریخ: ۲۹ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ بمطابق ۱۸ اپریل ۱۹۹۷ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ. وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا.

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم. وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ. وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ وَعَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

تمہید

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں جیسے بت پرستی کی تردید ہے جس کی وضاحت آپ کے سامنے گزشتہ بیان میں ہوئی تھی اسی طرح ستاروں کے بارے میں بھی مشرکانہ نظریات کی تردید اور صحیح بات کی طرف راہنمائی ہے۔ آج کل آپ حضرات نے دیکھا ہوگا کہ ایک دم دار ستارہ نمایاں ہے اور لوگوں میں یہ بحث عام طور پر چلی ہوئی ہے۔ کہ اس دم دار ستارے کے کیا اثرات ہیں۔ یہ کیا چیز ہے؟ اس لیے کچھ خیال آیا کہ ستاروں کے بارے میں آپ کی صحیح راہنمائی کر دی جائے۔

مخلوقاتِ الٰہیہ میں اثراتِ الٰہیہ

اللہ تعالیٰ نے چاند سورج ستارے پیدا فرمائے ہیں۔ جب ان کو پیدا کیا تو ان کے کچھ اثرات بھی نمایاں کیے۔ وہ اثرات بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ ان اثرات میں یہ مستقل نہیں ہیں۔ مثلاً سورج کو روشن بنایا۔ سورج چڑھتا ہے تو روشنی پھیلتی ہے۔ اس کا کون انکار کر سکتا ہے؟ لیکن اس میں سورج کا کوئی دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا بنا دیا کہ جب وہ طلوع ہوتا ہے تو روشنی ہوتی ہے۔ تو اس میں سورج کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اسی طرح گرمی کا تعلق اللہ نے سورج سے رکھ دیا۔ کہ سورج کی شعاؤں کے ساتھ جیسے روشنی حاصل ہوتی ہے اسی طرح اس سے گرمی بھی حاصل ہوتی ہے۔

اور اللہ جب چاہتا ہے ان کو مسلوب بھی کر لیتا ہے۔ دن کے وقت سورج نکلا ہوا ہوتا ہے گہن لگ جاتا ہے۔ روشنی ختم ہو جاتی ہے۔ دن کو تارے نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ سورج نکلا ہوا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سامنے بادلوں کی اتنی موٹی تہہ جما دیتے ہیں جس کے ساتھ نہ اس کی روشنی زمین پہ آتی ہے، نہ گرمی زمین پہ آتی ہے۔ تو جب چاہے بے بس کر کے دکھا دے۔

اسی طرح چاند طلوع ہوتا ہے اس کے ساتھ خنکی یا اس کی روشنی یا جیسے لوگ کہتے ہیں تجربات کے طور پر کہ پھولوں کی رنگت' پھلوں کی مٹھاس' پھلوں کا ذائقہ' یہ چاند کی چاندنی کا اثر ہے جس طرح سے فصل کا بڑھنا اور اس کا پکنا اس میں سورج کی گرمی کا اثر ہے۔ تو اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ اللہ نے اس کو ایسا پیدا کیا ہے اور یہ اثرات بھی اس کے اللہ نے پیدا کیے ہیں اس لیے اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ چاند بھی اور چاند کے اثرات بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔

اسی طرح سے ستارے ہیں۔ طلوع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کے ساتھ دنیا کے اندر کچھ اثرات رکھے ہوں اور یہ مان لیا جائے کہ جیسے ستارہ اللہ کی مخلوق ہے۔ اسی طرح سے اس کے اثرات بھی اللہ کی مخلوق ہیں تو اس میں بھی کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ اس میں ستارے کا کوئی اختیار اور عمل دخل نہیں۔

اب یہ چیزیں تو ایسی ہیں جو ہمارے سامنے نمایاں ہیں ہم ان کا انکار نہیں کر سکتے۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ سب کچھ اللہ کی مخلوق ہے۔

اس میں نہ سورج بااختیار ہے۔

نہ چاند بااختیار ہے۔

نہ کوئی ستارہ بااختیار ہے۔

ان کو اللہ نے پیدا کیا۔ اور اللہ ہی نے ان کے اندر روشنی رکھی۔ اللہ نے ان کے اندر گرمی سردی اور اس قسم کے اثرات رکھے۔ یہ چیزیں مشاہدے میں آئی ہوئی ہیں بہر حال جب ان کو اللہ کی مخلوق مان لیا جائے اور اللہ کے پیدا کیے ہوئے اثرات مانے جائیں تو یہ بات کوئی شریعت کے خلاف نہیں ہے۔

ستاروں کا اثر موت وحیات پر؟

لیکن اس کے ساتھ ساتھ کیا ایسا بھی ہے کہ واقعات جو دنیا کے اندر نمایاں ہوتے ہیں جیسے کسی کا مرنا' کسی کا جینا' کسی جگہ کوئی انقلاب کا آ جانا' یا اس قسم کی چیزیں جن کا تعلق بظاہر ہمیں اسباب کے طور پر نظر نہیں آ تا۔ تو کیا اللہ تعالیٰ نے ستاروں کے اندر اس قسم کے اثرات بھی رکھے ہیں؟ یہ بات قابل غور ہے۔

معلوم یوں ہوتا ہے کہ جہالت کے زمانے میں لوگوں نے ان چاند سورج اور ستاروں کے متعلق بھی ایسے عقیدے بنا لیے تھے۔ جو محض جہالت سے ناشی تھے اور ان میں شرک داخل ہو گیا تھا اور دنیا کے تغیرات انسان کی موت وحیات' خوش حالی' غیر خوش حالی کے تغیرات لوگوں نے جہالت کی وجہ سے ان ستاروں کے ساتھ بھی جوڑ دیے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشاندہی نہیں اور نہ ہی یہ مشاہدہ ہے بلکہ یوں سمجھ لیں کہ محض توہمات اور محض اتفاقیات کو دلائل بنا کر بعض عقیدے گھڑ لیے گئے۔

ستارہ پرستی سے روکنے کا بے مثال انداز

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم جس طرح سے بت پرستی کرتی تھی۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ ان کا عقیدہ ستاروں کے متعلق بھی ربوبیت کا تھا۔ کہ یہ ستارے بھی ہمارے رب ہیں اور ہماری ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جہاں بت پرستی کی تردید کی وہاں ان کے اس نظریے کی تردید بھی قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے منقول ہے۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا۔ یہ رکوع اسی سے متعلق ہے۔ کہ رات کو ستارہ نظر آیا۔ عام ستارہ تھا یا کوئی خاص ستارہ تھا جس کو وہ رب سمجھتے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے ساتھ بات کرتے ہوئے ان کی زبان میں کہا ھذا ربی۔ یہ ستارہ میرا رب ہے۔

یعنی جیسے تم کہتے ہو۔ مثلاً کسی کو سمجھانا ہو یا کسی کے خیالات کی اصلاح کرنی ہو تو

اس کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جلدی سے دوسرے کی طرف ایک بات کو منسوب کر کے اس کی فوراً تردید شروع کر دو۔ کہیں کہیں یہ بھی مفید ہوتا ہے۔

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرا آدمی ٹکراؤ میں آ کے' ضد میں آ کے اور پکا ہو جاتا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ تھوڑا سا چلو۔ ایسی باتیں کرو جن سے وہ سمجھے کہ شاید میرے موافق ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ پھر اس کو پلٹا دیتے چلے جاؤ کہ دیکھو اس نظریے میں یہ خرابی آ گئی۔ اس نظریے میں یہ خرابی آ گئی۔ ایسا کرنے سے یوں ہو گیا۔ ایسا کرنے سے یوں ہو گیا۔ ساتھ چلتے چلتے اس کی غلطی نکالو۔ اس میں ذرا ٹکراؤ کم ہوتا ہے اور بسا اوقات لاشعوری میں ہی انسان اپنا رخ بدل لیتا ہے۔

تو نفسیات کا یہ اصول ہے کہ کبھی کبھی سمجھانے کے لیے چاہے اپنا خیال نہیں ہوتا۔ بات ایسی کرو جس سے دوسرے کے ساتھ ابتداءً موافقت معلوم ہوتی ہو اور اس کے ساتھ اس کے خیالات میں تھوڑی دیر تک چلو۔ لیکن ساتھ ساتھ اس کے خیالات کی خرابی واضح کرتے چلے جاؤ۔ اور اس میں نقص بیان کرتے چلے جاؤ۔ تو دوسرا آہستہ آہستہ واپس ہوتا چلا جائے گا۔ آپ کو اپنا مخالف نہیں سمجھے گا۔ لیکن جس وقت آگے نتیجہ نکلے گا تو پتہ چلے گا کہ واقعی چلے تو تھے ہم اس نظریے کے تحت۔ لیکن دیکھو اس میں یہ خرابی آ گئی' یہ خرابی آ گئی۔ معلوم ہوتا ہے وہ نظریہ غلط ہے۔ تو موافقت کے اصول کو اختیار کر کے چلنا اور آہستہ آہستہ خیالات کی اصلاح کرنا یہ بھی ایک مصلحانہ انداز ہے۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ جو قول ہے کہ ستارے کو دیکھ کر کہا ھذا ربی۔ یہ میرا رب ہے۔ یہ اس قوم کے ساتھ ایک ظاہری طور پر موافقت ہے۔ تا کہ ان کے ساتھ چل کے ان کے اس عقیدے کو توڑا جائے۔ ورنہ یہ نہیں نعوذ باللہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مغالطہ تھا۔ وہ ستارے کو واقعی رب سمجھتے تھے۔ یاد رکھنا! نبی کا علم استدلالی نہیں ہوتا ہے نبی کا علم محض اللہ کی عطاء ہوتا ہے۔ اور نبی اپنے عقائد میں اتنا ٹھوس اور اتنا پختہ ہوتا ہے

کہ اس کو استدلال کے ساتھ کسی چیز کے سمجھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ اگر استدلال ذکر کرتے ہیں تو دوسروں کو سمجھانے کے لیے ذکر کرتے ہیں۔ ورنہ بات ان کے سامنے ایسے ہوتی ہے جیسے آنکھوں دیکھی۔

تو ستارے کو رب سمجھنا یہ ابراہیم علیہ السلام کا نظریہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ قوم کا نظریہ تھا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو سمجھایا۔ اول طلوع ہونے سے لے کر غروب تک قوم کو ستارے کی طرف متوجہ کیا۔ اور متوجہ کر کے کہا کہ دیکھو! جہاں سے غروب ہوتا ہے وہیں سے طلوع ہوتا ہے۔ نہ ایک انچ اِدھر ہٹنے کی اس میں ہمت ہے۔ نہ ایک انچ اُدھر ہٹنے کی ہمت ہے۔ جس رفتار سے یہ چلتا ہے اسی رفتار سے ہی چلتا ہے۔ کبھی آپ نہیں دیکھیں گے کہ اس کی زندگی میں رفتار زیادہ تیز ہو جائے۔ یا وہ زیادہ سست ہو جائے۔ یا اس کا جہاں جی چاہے وہیں ٹھہر جائے۔ یا تم سارے کے سارے مل کے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کے کھڑے ہو جاؤ کہ اے ہمارے رب ستارے! تو ہمیں جدائی نہ دے۔ تو اسی طرح سے نظر آتا رہ۔ تو چھپ نہ۔ تو ستارے میں یہ ہمت نہیں ہے کہ تمہاری بات مان لے۔ جو اس کے چھپنے کا وقت ہے چھپے گا۔ یہ تو ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے کسی قوت کے تحت مقہور ہے۔ مغلوب ہے۔ کسی اور کے ہاتھ میں اس کی لگام ہے۔ وہ چلاتا ہے تو چلتا ہے اس کے بس میں تو کچھ بھی نہیں۔

تو جو اپنی رفتار میں مختار نہیں۔ طلوع میں مختار نہیں۔ غروب میں مختار نہیں۔ تو پھر تو یہ مجبور محض ہے۔ اور جو مجبور محض ہو بھلا وہ بھی رب ہو سکتا ہے؟ جو دوسرے کے چلائے چلتا ہے۔ جس کو اپنی رفتار پر بھی کنٹرول نہیں ہے۔ وقت سے پہلے طلوع نہیں ہو سکتا۔ غروب ہونے سے ایک منٹ رک نہیں سکتا۔ رفتار میں فرق نہیں لا سکتا۔ تم سارے کے سارے ہاتھ جوڑ کے کھڑے ہو جاؤ کہ دس منٹ اور ٹھہر جا۔ ٹھہر نہیں سکتا۔ یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ مجبور ہے۔ نوکر ہے اس کو چلانے والا دوسرا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق رب کا عقیدہ بنانا ٹھیک نہیں ہے۔ دیکھو جب هذا ربی کہہ کے ساتھ ساتھ چلے اور

فَلَمَّا اَفَلَ جس وقت ستارہ غروب ہو گیا یعنی اول سے لے کر آخر تک جس وقت اس کا مطالعہ کیا اور کروایا۔ اور اس کے غروب ہونے کے بعد یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ رب کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ اول سے لے کر آخر تک لکیر کا فقیر ہے۔ جو لائن اس کے لیے متعین ہو گئی وہیں چلتا ہے۔ ایسا مقہور بھی رب ہو سکتا ہے؟

اور ایک رات چاند لے کے بیٹھ گئے فَلَمَّا رَاٰی الْقَمَرَ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ۔ اسی طرح سے چاند بھی دکھایا۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ اس کا گھٹنا' بڑھنا' چلنا' چھپنا' طلوع کرنا یہ بالکل ادنیٰ سے تأمل اور غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ با اختیار نہیں ہے۔ بے اختیار ہے۔ جب بے اختیار ہے تو رب کیسے ہو گیا؟۔

اور پھر اسی طرح سورج دکھایا هٰذَا رَبِّیْ هٰذَا اَكْبَرُ۔ یہ تو بہت بڑا معلوم ہوتا ہے۔ "لیکن جس وقت اس کی بھی وہی بات نتیجتاً سامنے آئی کہ اس کے اختیار میں کیا ہے؟ نہ طلوع اختیار میں' نہ غروب اختیار میں۔ نہ چلنا اختیار میں' نہ ٹھہرنا اختیار میں۔ تو جو اپنی نقل وحرکت میں مغلوب اور مجبور معلوم ہوتا ہے اور ایسے معلوم ہوتا ہے۔ جیسے کوئی دوسری طاقت اس کے اوپر مسلط ہے۔ تو اس کے متعلق ربوبیت کا عقیدہ کیسے رکھا جا سکتا ہے؟ ان کو تو رب ماننا شرک ہے اور میں شرک سے براءت کا اعلان کرتا ہوں۔ میں نہ کسی ستارے کو رب سمجھوں' نہ کسی سورج کو رب سمجھوں۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۔ میں تو اپنا رخ اللہ کی طرف کرتا ہوں' جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے جو ستاروں کا بھی خالق ہے۔ چاند کا بھی خالق ہے' سورج کا بھی خالق ہے۔ میں ان میں سے کسی کے متعلق ربوبیت کا عقیدہ رکھنے کے لیے تیار نہیں۔

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں کی دنیا کے متعلق اپنا فیصلہ سنا دیا۔ جس سے ان کے مشرکانہ نظریے کی تردید ہو گئی کہ ستاروں کو' سورج کو' چاند کو سمجھنا کہ یہ ہمارا رب ہے' ہمارا مربی ہے' ہماری ضرورتوں کو پورا کرتا ہے' یہ مشرکانہ نظریہ ہے۔ تو اس کی تردید

ہوگئی۔ تو معلوم ہوگیا کہ ستاروں کے متعلق اس قسم کا نظریہ ٹھیک نہیں ہے۔

ایسے ہی جاہلیت میں یہ مشہور تھا۔ کہ کوئی بڑا آدمی مرے تو ستارہ ٹوٹتا ہے۔ یا کوئی پیدا ہوتو ستارہ ٹوٹتا ہے۔ یہ ستاروں کا ٹوٹنا اس کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ فلاں آدمی مرا تھا تو اتنا بڑا ستارہ ٹوٹا۔ یا فلاں آدمی پیدا ہوا تھا تو اتنا بڑا ستارہ ٹوٹا۔ گویا موت و حیات کا تعلق اس کے اثرات کے ساتھ جوڑ دینا' یہ بھی مشرکانہ نظریہ تھا اور جاہلیت میں یہ بھی چلتا تھا۔

ستارے ٹوٹنے پر اسلامی نظریہ

سرور کائنات ﷺ ایک دفعہ تشریف فرما تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے تو ایک ستارہ ٹوٹا' روشنی پھیلی (یوں ٹوٹا اور یوں گیا آپ نے ستارہ ٹوٹتا دیکھا ہوگا) تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو متوجہ کیا اور کہا کہ اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ تو وہ کہنے لگے یا رسول اللہ! ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی بڑا آدمی مرے تو ایسا ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بالکل غلط۔ ستاروں کے اندر یہ بات نہیں۔ کسی کی موت وحیات سے یہ متاثر نہیں ہوتے۔ کسی کے مرنے سے ستارے نہیں ٹوٹتے کسی کے پیدا ہونے سے ستارے نہیں ٹوٹتے۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو رجوم للشیاطین کا ذریعہ بنایا ہے۔ شیطانوں کو ان کے ذریعے رجم کیا جاتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ نے ان کو راہنمائی کا ذریعہ بنایا ہے۔ (بخاری ١/١٤٢۔ مسلم ١/٢٢٠) جیسے قرآن کریم میں ہے:

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ۔ یا اللہ تعالیٰ نے ان کو عالم بالا کے لیے زیب و زینت بنایا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔ باقی موت وحیات کے ساتھ ان کا کوئی رشتہ نہیں۔ تو آپ ﷺ نے تردید فرمادی۔

حضور ﷺ کے بیٹے کی وفات اور سورج گرہن

اور پھر ایک واقعہ پیش آیا جس سے مشرکانہ خیالات کے لیے بہت بڑی موافقت سامنے آتی تھی۔ کہ سرور کائنات کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن

سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے تھے۔ تقریباً ان کی عمر اٹھارہ مہینے ہوئی تو یہ فوت ہو گئے۔ آپ نے اپنے بیٹے کا نام ابراہیم رکھا تھا اور وہ فوت ہو گئے۔ ابھی ان کی شیر خوارگی کا زمانہ بھی پورا نہیں ہوا تھا۔

اتفاق ایسا ہوا کہ ادھر ابراہیم کی وفات ہوئی اور ادھر سورج کو گہن لگ گیا۔ سورج سیاہ ہو گیا۔ اور اتنا سخت گہن لگا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کو تارے نظر آنے لگ گئے۔ تو حضور ﷺ نے صلوۃ کسوف پڑھی۔ گہن لگنے پر جو نماز پڑھی جاتی ہے جس کا ذکر حدیث شریف میں ہے تو حضور ﷺ نے باقاعدہ نماز پڑھائی۔ نماز پڑھانے کے بعد پھر حضور ﷺ نے خطبہ دیا اور اس خطبے کے اندر خصوصیت کے ساتھ اس بات کو واضح کیا کہ سورج ہو یا چاند ہو۔ آیَتَانِ مِنْ آیَاتِ اللّٰہِ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے نشانیاں ہیں۔ لَا یَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّ لَا لِحَیَاتِہٖ۔ نہ کسی کے مرنے سے یہ منخسف ہوتی ہیں، نہ کسی کے پیدا ہونے سے۔ نہ کسی کے مرنے کا ان کے اوپر اثر ہوتا ہے، نہ کسی کے پیدا ہونے کا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اندر اس قسم کے تغیرات دکھا کر اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے اور اتنے بڑے بڑے نورانی سیارے سیاہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی سیاہی نمایاں ہو جاتی ہے۔ روشنی ختم ہو جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت دکھاتے ہیں۔

جب بھی اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آجائے تو تم نماز کی طرف متوجہ ہوا کرو۔ صدقہ دیا کرو۔ خیرات کیا کرو۔ غلام آزاد کیا کرو۔ نماز پڑھا کرو۔ اللہ کی قدرت کو دیکھ کر اللہ کے سامنے توبہ تائب ہوا کرو باقی کسی کی موت وحیات کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ (مشکوۃ ١/١٣٠۔ بخاری ١/١٤٢)

حالانکہ اگر کوئی محض مدعی ہوتا جھوٹا مدعی۔ وہ اپنے اس دعوے کی کتنی بڑی دلیل اس کو بنا لیتا؟ کہ دیکھو میرا بیٹا فوت ہوا تھا تو سورج بھی سیاہ ہو گیا۔ لیکن سرور کائنات ﷺ اس قسم کے جھوٹوں کا سہارا نہیں لیتے تھے۔ آپ نے ہر معاملے میں حقیقت ظاہر

کی کہ میرے بیٹے کی وفات کا اس سورج کے اوپر کوئی اثر نہیں۔ اس لیے یہ عقیدہ کہ فلاں کے مرنے سے سورج سیاہ ہوگیا۔ فلاں کے مرنے سے تارہ ٹوٹا ہے۔ اس قسم کی باتوں کا نظریہ قائم کرنا یہ مشرکانہ اور جاہلانہ نظریہ ہے اسلام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں

واقعات دنیا کا ستاروں سے جڑنا اتفاقی ہے

اور دنیا کے باقی واقعات کہ فلاں ستارہ نکل آئے گا تو یہ ہو جائے گا۔ فلاں ستارہ نکل آیا تو یہ ہو جائے گا۔ یہ بھی محض لوگوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بولتے جھوٹ ہیں۔ لیکن بہانہ ستاروں کو بنا لیتے ہیں کہ دیکھو فلاں ستارہ نکلا تو یوں ہو گیا۔

اور اگر کسی جگہ کوئی واقعہ کسی کے بیان کرنے سے ویسے ہی ہوگیا جیسے کہا گیا۔ مثلاً کسی نجومی نے کوئی بات کہی تھی ویسے واقعہ پیش آ گیا۔ اس کو قضیہ اتفاقیہ کہیں گے۔ قضیہ لزومیہ نہیں کہیں گے۔ اتفاقاً دو باتیں اکٹھی ہو جاتی ہیں ایک دوسرے سے تعلق نہیں ہوتا آپ پڑھتے ہیں اِنْ كَانَ الْاِنْسَانُ نَاطِقاً فَالْحِمَارُ نَاهِقٌ۔ اگر انسان ناطق ہے تو گدھا ناھق ہے۔ اب یہ دونوں باتیں اپنی جگہ صحیح ہیں۔ لیکن دونوں میں علت اور معلول کا کوئی تعلق نہیں بلکہ اتفاقی طور پر ایسا ہو جاتا ہے۔ جہاں کہیں بھی آپ معلوم کریں گے کہ فلانے نے یہ کہا تھا کہ یہ ستارہ نکل آیا تو یوں ہوگا اور وہ ہو گیا۔ اس کو آپ قضیہ اتفاقیہ سمجھیں یہ لزومیہ نہیں ہے۔ کہ اتفاق ایسا ہوتا ہے...... ایک دفعہ ہوا، دو دفعہ ہوا، تین دفعہ ہوا تو لوگ ضابطہ بنا لیتے ہیں کہ جب کبھی ایسا ہو تو ایسا ضرور ہوگا۔ کبھی وہ صحیح نکلتا ہے کبھی غلط نکلتا ہے۔

نجومیوں کا نامزد وزیر اعظم موت کے منہ میں

شاید آپ حضرات کو یاد نہیں ہوگا۔ آپ کے اساتذہ کو یاد ہوگا۔ یا ممکن ہے آپ میں سے بڑوں کو یاد ہو۔ راجیو گاندھی جو اندرا گاندھی کا بیٹا تھا۔ جو ہندوستان کا وزیر اعظم رہا۔ بعد میں شکست کھا گیا تھا اور دوبارہ پھر الیکشن لڑ رہا تھا۔ یہ راجیو گاندھی جس وقت

الیکشن کی مہم چل رہی تھی۔ ہندو چونکہ بہت تو ہمات والی قوم ہے۔ بہت وہمی قوم ہے۔ یہ کاہنوں اور خواب دیکھنے والوں کو بہت زیادہ مانتے ہیں۔ ان کے متعلق ان کے بڑے عقیدے ہیں اور ہمارے اندر بعض لوگوں میں جو اس قسم کی باتیں ہیں' یہ ہندوانہ اثر ہے۔

تو اس نے نجومیوں سے مستقبل کے متعلق پوچھا تو انڈیا کے جتنے بڑے بڑے نجومی تھے۔ سب نے یہ کہا کہ آنے والے وقت کا وزیراعظم تو ہے۔ لیکن وہی بات ہے کہ الیکشن کے دوران میں ہی ایک جگہ وہ تقریر کرنے کے لیے سٹیج پہ گیا۔ جس الیکشن کے نتیجے میں اس نے وزیراعظم بننا تھا اور نجومیوں نے پیش گوئی دے دی تھی۔ ایسا دھما کہ ہوا کہ اس کے بدن کے پرزے پرزے ہو گئے اور علاقے کے اندر پھیل گئے۔ سر کہیں گیا۔ بازو کہیں گیا۔ ٹانگ کہیں گئی اس طرح وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ جبکہ نجومی اس کو وزیراعظم بنائے بیٹھے تھے۔

یہ واقعہ ساری دنیا کے سامنے شائع ہوا۔ اخباروں میں آیا۔ ہم نے بھی پڑھا کہ ایک عورت تھی جو اپنی کمر کے اوپر بم باندھ کے سٹیج کے اوپر چلی گئی اور جا کے اس کے سامنے وہ بم چلا دیا چلانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے مرنا تو تھا ہی اس کے بدن کے پرزے اڑ گئے۔

اب کہاں رہ گئی وہ نجومیوں کی بات کہ آنے والے وقت کا وزیراعظم تو ہے۔ تو یہ ایسے ہی توہمات ہوا کرتے ہیں اور اگر کبھی کوئی بات صحیح بھی نکل آئے مثلاً آپ کو کوئی کہے کہ جی فلاں نے یوں کہا تھا اور ویسے ہو گیا تو اس کو سمجھو کہ یہ قضیہ اتفاقیہ ہے۔ ان کا علت معلول والا تعلق نہیں ہے۔ مثلاً آپ سنتے ہیں کہ فرعون کو نجومیوں نے بتایا تھا۔ کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیرا تخت الٹے گا۔ اور وہ بات صحیح نکل آئی۔ اسی طرح سے جیسے بخاری باب بدء الوحی کے اندر ہرقل کی روایت میں ہے کہ ہرقل کہتا ہے کہ میں نے ستاروں میں دیکھا ہے تو مجھے معلوم ہوا ہے کہ ختنہ کرانے والی قوم کا بادشاہ غالب آرہا ہے۔ اور وہ بات صحیح نکلی۔ کیونکہ قریشی ختنہ کرواتے تھے اور سرورکائنات

ﷺ آنے والے دور کے اندر غالب آ گئے۔

اس قسم کے واقعات بھی آپ کے سامنے آئیں گے جن کو لوگ بطور دلیل کے پیش کریں گے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں کے اندر بھی اس قسم کا اثر ہے۔ پیدا ہونے کا مرنے کا۔ وغیرہ۔ نہیں نہیں۔ بالکل غلط ہے۔ بلکہ یہ تجربات کے طور پر لوگوں نے قاعدے بنائے ہیں۔ کبھی وہ صحیح نکل آتا ہے کبھی غلط ہوتا ہے۔ اس لیے یہ قضیہ اتفاقیہ ہے۔ قضیہ لزومیہ نہیں ہے۔

علم نجوم اور دست شناسی کی حقیقت

اس لیے اس بات کو یاد رکھیں! نجوم کا قصہ ہو تو یہی بات۔ دست شناسی جو ہے یہ جو ہاتھ دیکھ کے لوگ باتیں بتایا کرتے ہیں یہ بھی اسی طرح سے ہے۔ یہ بھی توہمات میں شامل ہے۔ علامات دیکھ کے لوگ اندازے لگاتے ہیں۔ مثلاً ایک چور کا ہاتھ دیکھا اس کی ایک نشانی دیکھی۔ دوسرے چور کو دیکھا اس میں بھی وہی نشانی تھی تیسرے کی بھی وہی تھی۔ تو ضابطہ بنالیا جس کو استغراق کہتے ہیں کہ یہ نشانی جس کے ہاتھ میں ہوگی وہ چور ہوگا۔ یہ نشانی جس کے ہاتھ میں ہوگی وہ قاتل ہوگا۔ اس طرح سے ضابطے بنا لیتے ہیں۔ جیسے اطباء نبض کی حرکت دیکھ کے اس سے اندازہ لگاتے ہیں کہ اس کے بدن میں بیماری ہے یہ سب تجربات ہیں ان کے اندر کوئی چیز بھی قطعی نہیں نہ یہ فال کا قصہ۔ نہ یہ دست شناسی۔ اور نہ یہ ستاروں کا علم ان میں سے کوئی چیز یقین کے قابل نہیں اور نہ اس کے پیچھے پڑنا جائز ہے۔ یہ وقت ضائع کرنے والی بات ہے کہ انسان ان نجومیوں کے پیچھے یا فال رکھنے والوں کے پیچھے یا دست شناسوں کے پیچھے پھرے۔ کوئی بات ایسی نہیں جس کو یقین کے ساتھ کہا جا سکے۔ کہتے کچھ ہیں۔ نتیجہ کچھ نکل آتا ہے۔ کبھی اتفاقاً صحیح بھی نکل آتے ہیں۔

کاہنوں کے پاس ایک سچ اور ۹۹ جھوٹ

جیسے کہانت کے بارے میں حدیث میں آتا ہے۔ یہ جو لوگوں سے غیب کی

خبریں پوچھتے ہیں تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات جنات فرشتوں سے کوئی بات سن لیتے ہیں اور سن کے وہ اپنے یار جس کے ساتھ ان کا تعلق ہوتا ہے۔ اس تک پہنچا دیتے ہیں اور اس کے اندر سو جھوٹ اور ملا لیتے ہیں وہ آگے لوگوں کو بتاتے ہیں۔ اتنی بات صحیح نکل آتی ہے جتنی جن نے کسی فرشتے سے سن کے بتائی ہو اور لوگوں میں مشہور ہو جاتا ہے کہ دیکھو فلاں نے یوں کہا تھا ایسے ہو گیا۔

حالانکہ وہ بات جنوں نے فرشتوں سے سنی ہوئی ہوتی ہے جبکہ باقی ننانوے باتیں جو غلط نکلتی ہیں۔ ان کو پوچھتا کوئی نہیں بس سو میں سے ایک بات صحیح نکل آئے تو اس کو لے کے اڑا دیتے ہیں کہ دیکھو فلاں نے یوں کہا تھا صحیح نکل آیا۔ فلاں نے یوں کہا تھا بات صحیح نکل آئی باقی ننانوے باتوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ (بخاری ٢/٦٨٢)

دم دار ستارے کی حقیقت

تو یہ ساری کی ساری باتیں ایسی ہیں جن کے اوپر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے ہی دم دار ستارہ، یہ ستاروں میں سے ایک ستارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آسمان پر ایک گردش رکھی ہوئی ہے۔

یہ کچھ مدت کے بعد، کچھ دیر کے بعد نظر آتا ہے اور ہم نے اپنی زندگی میں اس کو بار ہا دیکھا۔ پاکستان بننے کے بعد بھی یہ کتنی دیر تک دیکھا جاتا رہا اور نمایاں رہا۔ اور اب بھی شاید کچھ دنوں سے لوگ اس کو دیکھ رہے ہیں کہ دم دار ستارہ چل رہا ہے۔

ان ستاروں کے ساتھ دنیا کے واقعات کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ سمجھ لیں کہ یہ ستارہ چڑھ آیا تو فلاں مر جائے گا۔ اب یہ ستاہ چڑھ آیا تو فلاں ملک میں انقلاب آجائے گا۔ اب یہ ستارہ چڑھ آیا تو زلزلہ آجائے گا۔ یہ ہو جائے گا وہ ہو جائے گا۔

یہ سب خرافات اور زٹلیات ہیں۔ جو لوگوں نے اپنے توہمات کے طور بنائی ہوئی ہیں ان میں سے کوئی بات بھی یقین کرنے کی نہیں ہے۔ اس بات کو آپ اچھی طرح سے سمجھ لیجئے۔ کیونکہ عام طور پر یہ بحث آج کل چلی ہوئی ہے اس لیے میں نے ضروری

سمجھا کہ دو چار باتیں اس سلسلے میں آپ کے گوش گزار کردوں۔

جو موحد آدمی ہوا کرتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ پر یقین ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام تھے۔ وہ دنیا کے ہر واقعہ کو اللہ کی طرف منسوب کرے گا۔ ہاں اللہ کوئی بات اپنے نبی کے ذریعے سے بتا دے یا اس نے اپنی کتاب کے اندر کوئی بات واضح کر دی تو وہ یقینی ہے۔ اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ باقی تجربے کے طور پر دنیا والوں نے جو ضابطے بنائے ہیں وہ صحیح بھی نکلتے ہیں۔ غلط بھی نکلتے ہیں ان میں سے کسی کے اوپر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں اور یہ جاہلانہ طور پر ان لغویات کی تائید ہے۔ اس قسم کے توہمات میں نہیں پڑنا چاہیے اور نہ اس کا کسی قسم کا خوف اپنے اوپر مسلط کرنا چاہیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارے، چاند، سورج سب کو اپنی قوم کے سامنے بے بس، مقہور، مجبور ثابت کیا۔ کہ ان کے بس میں کچھ نہیں جو کچھ بھی ہے ان کا پیدا ہونا اور ان کے حسی اثرات جو ہمارے سامنے آتے ہیں اور مشاہدے میں آتے ہیں یہ سب اللہ کی مخلوق ہیں۔ اور ان میں سے کسی ستارے کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔

اس لیے دم دار ستارے کی دم سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اللہ کی مخلوق ہے جس طرح سے چاہے کرے۔ اپنے وقت پہ یہ غروب ہو جاتا ہے اور اللہ جب چاہے اس کو دکھا دیتا ہے۔ تو اس سے کسی قسم کے اثرات لینے کی ضرورت نہیں۔

صحیح راہنمائی اس بارے میں یہی ہے۔ دست شناسی ہو یہ بھی ژٹلیات میں شامل ہے کوئی قابل اعتماد بات نہیں۔ اور اسی طرح سے یہ نجوم ہو گیا، کہانت ہو گئی، یہ غیب کی خبریں معلوم کرنے کا لوگوں کو جو شوق ہوا کرتا ہے اس میں کوئی ضابطہ ایسا نہیں جس کے بارے ہم کہیں کہ اس پر یقین کیا جا سکتا ہے۔ اور جس کے نتیجے پر ہم یقین کر لیں ایسا نہیں ہوتا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس بیان سے ستاروں کے بارے میں بھی صحیح راہنمائی حاصل ہو گئی۔

اس لیے گھروں میں جب تذکرہ ہو کہ فلاں مرا تھا تو بہت بڑا ستارہ ٹوٹا تھا۔ تو

کہو کہ یہ بالکل جاہلوں والی باتیں ہیں۔ پھر ہم یہ کیسے یقین کر سکتے ہیں کہ صرف یہی مرا ہے جس کی بناء پر یہ ستارہ ٹوٹا ہے اور بھی تو بیسیوں آدمی مرے ہوں گے۔ تو ان کی طرف نسبت کیوں نہیں۔ یہ کیسے ثابت ہوگا کہ اسی کی وجہ سے ہوا ہے۔

بہر حال یہ تو نجوم کے بارے میں بات تھی۔

ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم اور اس کی حقیقت

اس سے آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر جو بار بار کیا ہے۔ اور ہم بھی ملت ابراہیمی کے مکلف ہیں۔ اور آنے والے ایام کے ساتھ حضرت ابراہیم کی تاریخ کا تعلق ہے۔ تو اس لیے خیال ہوا کہ عنوانات کے تحت ذرا اس بات کو پورا کرلوں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرو۔ اور وہ ملت ابراہیم کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے بارے میں قرآن کریم میں آیا۔

﴿إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

اللہ نے اسے کہا تابع ہو جا۔ مطیع ہو جا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میں رب العالمین کا مطیع ہو گیا۔ میں اپنے آپ کو رب العالمین کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ سپردگی کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردو۔ یہ ہے اسلام کا مفہوم جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان لفظوں سے واضح کیا۔ اور یہی ہے ملت ابراہیمی۔ اس کا مفہوم ہم اپنے الفاظ میں بیان کریں گے سپردگی کے ساتھ۔ تسلیم یعنی اپنے آپ کو دوسرے کے سپرد کر دینا۔

تو حضرت ابراہیم کا طریقہ یہ تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو گئے اور یہ بہت بنیادی بات ہے۔ اسلام لانے کا معنی یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تسلیم و رضا کے شاندار مراحل

اللہ کے سپرد کر کے پھر ہوگا کیا؟ حضرت ابراہیم کی زندگی ہمارے لیے راہنمائی مہیا کرتی ہے۔ جب اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا تو پھر اللہ نے آزمائش میں ڈالا۔ اللہ نے فرمایا اپنی بیوی کو بچوں کو ایسی جگہ چھوڑ آؤ جہاں انسانوں کا نام و نشان نہ ہو۔

چونکہ آپ نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کیا ہوا تھا تو بیوی کو کہاں لے جا کے چھوڑا۔ جہاں آج کل بیت اللہ بنا ہوا ہے۔ وہاں لا کے بٹھا دیا۔ بیوی ہاجرہ کو بھی اور بچوں کو بھی۔ ایک ہی بچہ جو دعائیں مانگ مانگ کے لیا تھا رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصَّالِحِيْنَ۔ اب ایک تو عمر گزری ہوئی ہے اور ایک اولاد نہیں ہے۔ اللہ سے دعائیں کر کے وہ مانگا ہے۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ بچے کو اور بچے کی ماں کو اس سے جدا کروا دیا جائے اور اپنے ہاتھوں سے ایسی جگہ بٹھا دیا جائے جہاں زندگی گزارنے اور بچنے کے کوئی اسباب نہیں ہیں۔ لیکن جب اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا تھا۔

تو اللہ نے بیوی چھڑائی تو بیوی چھوڑ دی۔ بچہ چھڑایا تو بچہ چھوڑ دیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے علاقہ چھوڑنے کا حکم آیا' تو علاقہ چھوڑ دیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم کو چھوڑنے کا حکم آیا تو قوم کو چھوڑ دیا۔

اللہ کی طرف سے حکم آیا کہ یہی بچہ جس کو تو نے مجھ سے رو رو کے مانگا تھا۔ اس کے گلے پہ چھری چلا دو تو چھری چلانے کے لیے تیار ہو گئے۔

یہ علیحدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آزمانا تھا آزما لیا۔ اور وہ چھری نہیں چلنے دی اور اس کی یادگار قائم کر دی کہ اس کی جگہ ایک بہت بڑا دمبہ اللہ نے بھیجا جو اس کی جگہ ذبح ہو گیا۔ جس کی رسم بعد میں چلی جس کو ہم قربانی کے طور پر اداء کرتے ہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قربانی والے نشان کو باقی رکھا ہوا ہے۔ تو یہ سارے کے سارے مراحل جتنے بھی ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسی تسلیم اور اپنے آپ کو سپرد کر دینے کے ہیں۔

ملت ابراہیمی علیہ السلام یہی ہے کہ اسلام لے آؤ اور اسلام لانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دو۔ جب اللہ کے سپرد کر دو گے تو اللہ جو حکم دے اسے دل و جان سے قبول کرو۔ اسی کو کہتے ہیں تسلیم و رضا۔

پریشانیوں کی بنیادی وجہ

واقعاتِ آدم دنیا کے اندر نمایاں ہوتے ہیں آپ کی زندگی میں بھی آئیں گے۔ اب یہاں ہمارا زندگی گزارنے کا جو انداز ہے۔ ایک انداز ایسا ہے جس کے نتیجے میں پریشانیاں ہی پریشانیاں آتی ہیں۔ اور ایک انداز ایسا ہے جس کے نتیجے میں سکون ہی سکون ہے۔ سپردگی والے انداز میں سکون ہی سکون ہے۔ اور سپردگی کے خلاف جو انداز ہے اس میں پریشانی ہی پریشانی ہے۔ یہ لفظ یاد رکھنا! دنیا پریشان کیوں ہے؟

پریشانی کسے کہتے ہیں

پریشانی ہے آپ کی آرزو کا پورا نہ ہونا اور خواہش کا پورا نہ ہونا۔ آپ نے جو چاہا تھا وہ پورا نہیں ہوا۔ اس لیے آپ پریشان ہیں۔ آپ نے چاہا تھا کہ ایسا ہو جائے مگر نہیں ہوا۔ اور آپ نے چاہا تھا کہ ایسا نہ ہو مگر ہو گیا۔ پوری کی پوری پریشانی ان دو لفظوں کے درمیان میں ہے۔ جب آرزو پوری نہیں ہوتی تو ایسے لگتا ہے جیسے دماغ کے اوپر ایک چوٹ لگتی ہے اور انسان انتہائی پریشان ہو جاتا ہے۔

یہ ہے اندازِ فکر عدم سپردگی کا۔ کہ آپ نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد نہیں کیا بلکہ آپ اپنے دماغ کے طور پر یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کے واقعات میری مرضی کے مطابق پیش آنے چاہیں۔ اور یہ کسی کے بس میں نہیں۔ پھر جب خواہش کے مطابق نہیں ہوتا تو ایسے لگتا ہے جیسے رستے میں پہاڑ ہو اور آپ اس کو ٹکریں مار رہے ہوں لیکن آپ کی ان ٹکروں سے پہاڑ کیسے ہٹے۔ تو اتنا سا تمہارا وجود ہے جس طرح سے سمندر میں ایک تنکا تیرتا ہے۔ بلکہ روئے زمین کے مقابلے میں اتنا بھی وجود نہیں۔ اور تم چاہتے ہو کہ دنیا کے واقعات ہماری مرضی کے مطابق ہونے چاہیں۔ یہ اپنی حدود سے نکل کر بندگی کی حدود سے نکل کر خدائی کی حدود میں قدم رکھنے والی بات ہے کہ دنیا کے واقعات ہماری مرضی کے مطابق ہونے چاہئیں اس لیے جب نہیں ہوتے تو پریشان ہوتے ہیں۔ یہ مر کیوں گیا؟ یہ کام ایسے کیوں نہیں ہوا؟ ایسے ہونا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سب

کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہو۔

- جس کو تم چاہو مر جائے۔
- جس کو تم چاہو پیدا ہو جائے۔
- اور جس کو تم چاہو صحت مند ہو جائے۔
- اور جس کو تم چاہو بیمار ہو جائے۔ یہ بندے کی شان نہیں ہے یہ خدا کی شان ہے
- فعال لما یرید وہ ہے۔
- مشیت اس کی چلتی ہے۔
- تصرف اس کا چلتا ہے۔

اور جب تم اس کی مشیت اور اس کی مرضی کے ساتھ ٹکراتے ہو تو پھر تمہارا دماغ کھولتا ہے اور تم پریشان ہوتے ہو۔

سکون حاصل کرنے کا شاندار طریقہ:

اس کی بجائے جب یہ سپردگی والی زندگی ہوگی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق چلنے کے مکلف ہیں۔ باقی ہوگا وہی جو اللہ کو منظور ہوگا۔ واقعہ اسی طرح سے ہوگا جیسے اللہ چاہے گا۔ ہماری خواہش کے خلاف ہو تو واقعہ ہوگا موافق ہو تو ہوگا۔ جس وقت واقعہ پیش آجائے (دل میں خواہش کا آنا کوئی بری بات نہیں ہے۔ دل میں تمنا پیدا ہونا کوئی بری بات نہیں ہے۔) لیکن جس وقت اللہ کی طرف سے کوئی واقعہ پیش آجائے تو پھر مسلم ہونے کا تقاضا یہ ہے۔ سپردگی کا تقاضا یہ ہے کہ تم اپنا سر خم کرلو اور کہو کہ جو اللہ کی طرف سے آیا ہے ہم سب اس پہ راضی ہیں۔ اور ہم اس کو قبول کرتے ہیں۔ جب آپ اس کو قبول کریں گے اور راضی ہو جائیں گے۔ تو اگرچہ طبعی طور پر تھوڑا سا صدمہ رہے گا۔ ورنہ بہت جلدی وہ صدمہ دور ہو کے سکون پیدا ہو جائے گا اس کو کہتے ہیں سپردگی کی زندگی۔

اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اخلاص پیش کیا اس سپردگی میں اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

میری نماز اور میری قربانی۔ نماز کا لفظ بدنی عبادات کے متعلق آ گیا اور قربانی کا لفظ مالی عبادات کے متعلق آ گیا۔ یہ دونوں اختیاری کیفیتیں ہیں۔ اس کا معنی ہوگا عبادت بھی اللہ کی۔ مالی بھی بدنی بھی۔ آگے ہے میری زندگی اور میری موت یہ دونوں غیر اختیاری کیفیتیں ہیں۔ نہ زندگی انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ نہ موت اپنے اختیار میں ہے۔

میرا زندہ رہنا میرا مرنا اس رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سپردگی کہ عبادت بھی اللہ کے لیے۔ زندگی موت بھی اسی کے لیے جو اس کی طرف سے آ جائے سرِ تسلیم خم ہے۔

- آگ میں ڈال دیا.......... خوشی سے پڑ گئے۔
- وطن سے نکال دیا.......... خوشی سے نکل گئے۔
- بیوی جدا کروائی.......... خوشی سے کر دی۔
- بیٹا ذبح کرنے کا کہا.......... خوشی سے تیار ہو گئے۔

جو آرڈر بھی اللہ کی طرف سے آتا چلا گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو پوری رضا و رغبت کے ساتھ کرتے چلے گئے۔ اسوۂ ابراہیمی علیہ السلام یہ ہے اور سکون و اطمینان کے حاصل کرنے کا طریقہ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لو۔ کہ دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کا طریقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس ملت میں نمایاں ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دو۔ اور اللہ کے تصرف پہ راضی رہو۔ جو حکم آ جائے اس کو اپناؤ۔

جو واقعہ اللہ کی طرف سے پیش آ جائے اس کو قبول کر لو۔ یہ ہے اصل کے اعتبار سے ملت ابراہیمی۔ جتنا اس کو اپناتے چلے جاؤ گے اتنا دنیا و آخرت کی کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ اور جتنا اس کے خلاف کرتے چلے جاؤ گے سوائے پریشانی کے اور دنیا و

آخرت کے خراب کرنے کے کچھ حاصل نہیں۔

حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ کا دلچسپ واقعہ:

ایک لطیفہ ہے کہ حضرت بہلول ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ تیرا حال کیا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ''اس کا حال کیا پوچھتے ہو کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے اسی کے مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔'' تو سننے والا گھبرایا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ہم تو سمجھتے ہیں کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے۔ اللہ کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ تو بہت غلط بات ہے کہ کوئی کہے میری مرضی کے مطابق ہوتا ہے وہ کہنے لگے کہ اتنا تو تم مانتے ہو؟ کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ کہنے لگا۔ ہاں۔ فرمانے لگے کہ میں نے اپنی مرضی اللہ کی مرضی میں فنا کر دی۔ جو اللہ کی مرضی وہی میری مرضی۔ تو جو کچھ ہوتا ہے میری مرضی کے مطابق ہوتا ہے اس کا بھی وہی معنی ہے۔ کہ اللہ کے تصرفات کو یوں قبول کرلو گویا کہ آپ کی مرضی کے مطابق ہی پیش آئے ہیں۔ اگر انسان کے اندر اتنی بندگی اور سپردگی آجائے تو اس کے نتیجے میں سکون اور اطمینان ہوتا ہے۔ ورنہ اپنے طور پر تجویز کر کے کہ فلاں کام یوں ہو جانا چاہیے۔ فلاں کام یوں ہو جانا چاہیے۔ جب اس کا پورا کرنا بس میں نہیں ہوتا تو پھر انسان پریشان ہوتا ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس نمونے کو خصوصیت سے سامنے رکھو۔ کہ اللہ کی طرف سے جیسی آزمائش آئی حضرت ابراہیم نے اس کو کس طرح خوشی سے قبول کیا۔ اور اپنی زندگی کا یہ نمونہ ہمارے سامنے رکھ دیا۔ تو یہ قربانی حضرت ابراہیم کا اسوہ ہے۔ اور بیت اللہ کی تعمیر حضرت ابراہیم کا کارنامہ ہے جو اللہ نے ان سے کروایا۔ اور یہ حج اور عمرہ جو کچھ ہے سب اسی کی یادگار ہے جو ملت ابراہیمی کے اندر واقعات پیش آئے تھے۔

تو یہ موٹے موٹے عنوان کے تحت میں نے ذکر کر دیا۔ اب اگلا منگل تو آپ کی چھٹی کا آجائے گا۔ اس لیے دوبارہ پھر اس سلسلے کو شروع کریں گے اللہ نے توفیق دی تو۔

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

نیک لوگوں کی موت پر زمین و آسمان کا رونا

سوال: نیک لوگوں کی موت پر زمین و آسمان روتے ہیں۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟
جواب: کسی کی موت پر زمین و آسمان کا رونا یہ قرآن کریم میں ہے۔ (ذرا توجہ فرمائیں کہ) قرآن میں کیسے ہے؟ یہ استدلال خود حدیث میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ دخان میں فرعونیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ فرعون اور اس کی پوری کی پوری قوم اور اس کی فوج غرق ہوگئی اور بنے ہوئے محلات، باغات، خوشحالی سب کچھ چھوڑ گئے۔ یہ قرآن کریم کے الفاظ کا ترجمہ ہے جو آپ کے سامنے ذکر کر رہا ہوں۔ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ۔ نہ آسمان رویا، نہ زمین روئی۔ پوری کی پوری بادشاہت غرق ہوگئی۔ یہ لفظ قرآن کریم میں ہیں اور حدیث میں ہے کہ جس وقت نیک آدمی مرتا ہے تو زمین کا وہ حصہ بھی روتا ہے جس پر وہ نیک اعمال کیا کرتا تھا۔ اور آسمان بھی روتا ہے جہاں سے اس کی آواز اوپر جاتی تھی جہاں سے اس کے لیے اللہ کی رحمت نازل ہوتی تھی اور غالباً مجھے یاد پڑتا ہے کہ حضور ﷺ نے یہی آیت پڑھی فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ۔ (ترمذی ۱۶۱/۲) جس کا معنی تھی کہ اگر نیک بندے پر بھی زمین آسمان نہیں روتے تو پھر فرعونیوں کے لیے یہ کون سی عیب کی بات تھی؟ کہ اللہ کہتا ہے کہ نہ آسمان رویا۔ نہ زمین ۔تو فرعونیوں کے لیے عیب تو تبھی بنے گا جب ہم کہیں کہ اس قسم کے لچے بدمعاشوں پر زمین و آسمان نہیں روتے۔ بلکہ ان کے جانے سے زمین و آسمان راحت محسوس کرتے ہیں۔ کہ اللہ کا فضل ہوگیا جس کے کردار کی بناء پر لعنت برستی تھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں نجات دیدی۔ تو نیک آدمی مرتا ہے تو زمین و آسمان روتے ہیں یہ بات صحیح ہے۔ باقی اس رونے کا اثر بارش کی صورت میں نمایاں ہوجائے یہ ایک حسن ظن ہے اس کو قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ بارش اسی کی وجہ سے ہوئی۔ یہ

ایک شاعرانہ تعبیر ہے کہ یہ آسمان کے آنسو ٹپک رہے ہیں اس کو شاعرانہ تعبیر کہہ سکتے ہیں اس کو حقیقت ہم نہیں بنا سکتے۔ حقیقت اللہ کے علم میں ہے کہ بارش اس وجہ سے ہوئی یا کسی اور وجہ سے ہوئی۔ رحمت کے آثار نازل ہوئے۔ حسن ظن کے طور پر یہ نسبت کی جا سکتی ہے۔ باقی رونے کا مسئلہ صحیح ہے نیک آدمی کے مرنے پر زمین آسمان روتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاطر سورج واپس کر دیا گیا

سوال: یہ مشہور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر قضاء ہوئی تھی تو سورج واپس کر دیا گیا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز ادا کی پھر سورج غروب ہوگیا۔ کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟

جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے سورج کا رک جانا یا لوٹ آنا یہ صحیح روایت میں موجود ہے جیسے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے سورج کے رکنے کا ذکر صحیح روایت میں موجود ہے۔ باقی ایک جگہ جہاں مولانا ظفر قاسم نے نیا مدرسہ بنایا ہے تو وہاں ان کی شوریٰ کا اجلاس تھا۔ بیٹھے تھے۔ بہت سارے علماء اور بھی تھے۔ حضرت سید نفیس شاہ صاحب زید مجدھم بھی تشریف فرما تھے۔ تو دستر خوان پہ بیٹھے ہوئے ایک مولوی صاحب نے یہ مسئلہ چھیڑ دیا اور میں ان کو جانتا تھا۔ ان کے بڑوں کو بھی جانتا تھا کہ ان کے خیالات محمود عباسی کے مطابق ہیں۔ جن کے دل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت نہیں اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ اس حدیث کو ضعیف یا موضوع ثابت کریں۔

تو انہوں نے مجھے خطاب کر کے پوچھا کہ مولانا! لوگ جو کہتے ہیں کہ حضرت علی کے لیے سورج لوٹ آیا تھا اور انہوں نے نماز پڑھ لی۔ خود اپنی زبان سے انہوں نے بیان کیا اس کو فلانے محدث نے صحیح قرار دیا ہے فلانے محدث نے صحیح قرار دیا ہے۔ دو

تین محدثین کے باقاعدہ نام لیے کہ فلاں نے بھی اس کو صحیح لکھا ہے۔ فلاں نے بھی صحیح لکھا ہے۔ لیکن اس کو عقل نہیں مانتی کہ اگر یہ سورج لوٹا ہوتا تو یہ تاریخ میں ایک بہت بڑا کارنامہ ہوتا۔ تو اس کا تاریخ میں تواتر کے درجے میں ذکر ہونا چاہیے تھا۔ یہ کوئی معمولی بات تو نہیں۔

(معجم کبیر ۲۴/۱۵۱ اخرج الطحاوی فی مشکل الحدیث ۔ قال الطحاوی وھذان الحدیثان ثابتان ورواتہما ثقات' قرطبی ۱۵/ ۱۹۷)

میں نے کہا کہ جی (دل) تو اس لیے نہیں مانتا کیونکہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے۔

میں نے فوراً یہ چوٹ لگائی۔ کیونکہ میں جانتا تھا۔ پھر میں نے کہا باقی رہ گیا آپ کا اشکال۔ ہمیں تو اس کے بارے میں کوئی اشکال نہیں۔ اس وقت گھڑیوں کا دور نہیں تھا کہ لوگ دیکھتے کہ سات بج کر پانچ منٹ پر سورج نے غروب ہونا تھا ابھی تک پندرہ منٹ ہو گئے غروب کیوں نہیں ہوا۔ (ٹھیک کہہ رہا ہوں؟ یا اس وقت گھڑیاں ہوتی تھیں؟) (نہیں) پھر اگر دس پندرہ منٹ وقت آگے پیچھے ہو جائے تو مجھے آپ بتائیں کہ اس کا اثر کتنے سو میل تک جاتا ہے۔ ہمارا یہاں کا اور لاہور کا دس منٹ کا فرق ہے۔ میں نے کہا کہ اگر یہ سورج دیکھا جا سکتا تھا تو اتنے سے علاقے میں دیکھا جا سکتا تھا اس سے دور دیکھا نہیں جا سکتا۔ اور جتنے علاقے تک دیکھا جا سکتا ہے میں نے کہا آج جا کے اس جگہ کو دیکھ لو وہاں آبادی ہی نہیں ہے۔

تو اس وقت کتنا ویرانہ ہوگا یہ خیبر کے علاقے میں واقعہ ہوا ہے اس وقت آبادی اتنی کم تھی کہ جہاں تک سورج کو دیکھا جا سکے وہاں آبادی نہیں ہے۔ تو اگر فرق پڑ سکتا تھا تو گھڑی دیکھ کے پڑ سکتا تھا اور یہ اس وقت تھی نہیں۔ اب کسی کو کیا پتہ کہ آج دن دس منٹ لمبا ہو گیا۔ کسی کے علم میں کیا بات ہے کہ آج دس منٹ رات چھوٹی ہو گئی۔

تو میں نے اس انداز میں اس بات کو سمجھایا۔ کہ جتنے حضرات وہاں بیٹھے ہوئے تھے سب نے میری تصدیق کی کہ میں نے بات بالکل صحیح کی ہے۔ عقلی اشکالات کا

جواب عقلی انداز میں دیا جا سکتا ہے۔ ورنہ جب روایت صحیح طور پر ثابت ہو تو ہمیں اس کے انکار کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اگر اپنے نبی کے صدقے ان کی ایک کرامت دکھا دی۔ یا پھر نبی کا معجزہ تھا تو اس میں انکار کی کون سی بات ہے؟ جب کہ بعینہ دوسرا واقعہ صحیح روایت میں بخاری شریف' مسلم شریف میں موجود ہے یوشع علیہ السلام جب جہاد کر رہے تھے شہر فتح ہونے کے قریب تھا اور ادھر جمعہ کی شام آ گئی اب اگر سورج غروب ہو جاتا تو جہاد بند کرنا پڑتا۔ لڑنا جائز نہیں تھا اور دشمن کو سنبھلنے کے لیے چوبیس گھنٹے مل جاتے پھر مشکلات پیش آتیں۔ تو انہوں نے سورج کو خطاب کر کے کہا تھا کہ اَنَا مَاْمُوْرٌ وَاَنْتِ مَاْمُوْرٌ۔ تو بھی اللہ کا مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں' اس لیے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس سورج کو روک لے۔ جب تک میں شہر فتح نہ کر لوں تا کہ ہفتہ کی رات شروع ہونے سے پہلے شہر فتح ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو روکا اور سورج کے کھڑے کھڑے شہر فتح ہو گیا۔ تو حدیث شریف کے اندر اسی عنوان کے تحت حضرت یوشع کا واقعہ مذکور ہے صحیحین کا واقعہ ہے اس لیے آپ اس کو کھلے دل سے تسلیم کیجئے۔ (بخاری ۱/۴۴۰۔ مسلم ۲/۸۵) اسی طرح اللہ نے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کرامت دے دی اور ان کے لیے یہ فضیلت ہے۔ تو اس میں منقبض ہونے کی کوئی بات نہیں۔ وہ شخص منقبض ہو جس کے دل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت نہ ہو۔ ہم اس کے قائل ہیں۔

درسِ وفاء

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا

بموقع: تقریب ختم بخاری شریف

تاریخ: ۱۳؍رجب ۱۴۲۸ھ بمطابق ۲۹ جولائی ۲۰۰۷

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ. وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ. وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَبِا السَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنَّا اِلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الْحَدِیْثِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمَاعِیْلَ الْبُخَارِیْ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَالَ

بَابُ قَوْلِ اللّٰہِ وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَاَنَّ اَعْمَالَ بَنِیْ آدَمَ وَقَوْلَھُمْ یُوْزَنُ وَقَالَ مُجَاھِدٌ الْقِسْطَاسُ الْعَدْلُ بِالرُّوْمِیَّۃِ وَیُقَالُ الْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ وَھُوَ الْعَادِلُ وَاَمَّا الْقَاسِطُ فَھُوَ الْجَائِرُ.

بِہٖ قَالَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَشْکَاب قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَیْلٍ عَنْ عُمَارَۃَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِیْ زُرْعَۃَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَعَنْھُمْ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ.

میں نے بچوں کو درس وفا ضرور دیا ہے

صبح و شام رات دن قال الله وقال الرسول پڑھنے والے...... جنہوں نے آٹھ یا دس دس سال مدرسے میں...... گزارے ہیں تو آج ان کی تعلیم کا آخری سبق ہے اور میں نے ان کی شکلیں آپ کو اس لیے دکھا دیں کہ آپ ذرا اندازہ لگالیں کہ ایسی شکلیں دہشت گردوں کی ہوا کرتی ہیں یا ان کی شکلیں فرشتوں جیسی ہیں۔ یہ دہشت گرد نہیں ہیں اور ان کو دہشت گردی کی تعلیم نہیں دی گئی لیکن ایک بات بر ملا کہتا ہوں میرے لوڈ سپیکر پر کہتا ہوں۔ اردو زبان میں کہتا ہوں اور سب حضرات کو سنا کے کہتا ہوں کہ ان حضرات کو وفا کا سبق ضرور پڑھایا ہے۔ ان کو وفا کا درس ضرور دیا ہے۔ وفاء کا کیا معنی؟ کہ جس اللہ نے پیدا کیا' جس اللہ نے زندگی دی جس نے تمہیں اپنے دین کے لیے منتخب کیا اور جس کے نام پر ہم نے برسہا برس کھایا اور پیا۔ جب اس کو تمہاری ضرورت پیش آ جائے تو پیٹھ نہیں دکھانی۔ یہ ہے وفا کا سبق جو میں نے ان کو پڑھایا ہے اور میں نے ان کو بتایا ہے کہ تم لوگ جو اللہ کے نام پر کھاتے ہو۔

کھاتے تو سارے اللہ کے نام پر ہیں۔ لیکن کسی نے دکان کو واسطہ بنایا ہوا ہے۔ کسی نے کاشتکاری کو واسطہ بنایا ہوا ہے کسی نے تجارت کو واسطہ بنایا ہوا ہے۔ کسی نے ملازمت کو واسطہ بنایا ہوا ہے۔ کھاتے سب اللہ کا دیا ہوا ہیں۔ لیکن تم لوگ ایسے ہو کہ جن کو براہ راست اللہ کے نام پر ملتا ہے۔ تمہارا کھانا' پینا' اٹھنا' بیٹھنا' رہنا' سہنا' جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کے نام پر ہے۔ اللہ کا رزق براہ راست تمہیں پہنچتا ہے۔ تمہارے پاس کوئی کمانے کے ذرائع نہیں ہیں۔ تو تم وہ ہو جو براہ راست اللہ کے نام پر روٹی کھاتے ہو۔ اس لیے ذمہ داری بھی تم سب پر عائد ہوتی ہے اور جو قربانی کے لیے تیار کیا جائے...... تو آپ جانتے ہیں کہ جب وقت آ جائے تو پیٹھ پھیر جانا یہ بے وفائی اور

انتہائی درجے کی نمک حرامی ہے۔ یہ سبق یاد رکھنا ہے ہر کسی نے کہ وقت آجائے قربانی کی ضرورت ہو جس کے نام پر کھایا ہے۔ جس کے نام پر عزت پائی ہے۔ پیٹھ نہیں دکھانی...... پھر اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر دینا ہے۔ ایک بات تو حدیث شریف میں آتی ہے اور ایک بات مجھے ہر طرح سے قابل اعتماد ثقہ شخص نے سنائی ...... دو باتیں آپ کو سنادوں۔

اونٹوں میں قربانی کا جذبہ

حدیث شریف میں یہ آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ جب حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تھے...... تو سو اونٹ لے گئے تھے قربان کرنے کے لیے۔ اور دس تاریخ کو جب قربانی کا وقت آیا...... حدیث شریف میں آتا ہے کہ اونٹ قطار میں کھڑے تھے۔ ایک اونٹ کو رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ سے نحر فرماتے اور وہ گر جاتا۔ گرنے کے بعد سارے اونٹ ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے کہ سب سے پہلے میں اپنی جان قربان کروں۔ اونٹ' جانور ہے آپ کے سامنے ...... حدیث شریف میں لفظ یوں ہیں کہ كُلُّهُنَّ يَزْدَلِفْنَ اِلَيْهِ بِاَيِّهِنَّ يَبْدَأُ...... وہ سارے اونٹ آگے کو بڑھتے تھے کہ پہلے رسول اللہ ﷺ ابتداء کس کے ساتھ کرتے ہیں یعنی قربانی کے وقت اونٹوں میں یہ شعور تھا کہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر قربانی کے لیے وہ اپنے آپ کو پیش کرتے تھے۔ كُلُّهُنَّ يَزْدَلِفْنَ. سارے کھسکتے تھے ...... آپ ﷺ کی طرف۔ بھاگتے نہیں تھے اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ ابتداء میرے ساتھ ہو پہلے قربانی میری ہو۔ (ابوداؤد/۱/ ۲۴۵)

یہ تو حدیث شریف میں واقعہ آتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کو بھی اس بات کا شعور ہے کہ ہمیں قربان کرنے کے لیے تیار کرلیا گیا ہے۔ تو ہمیں ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کرنا چاہیے۔

گائیوں میں قربانی کا جذبہ

دوسری بات، ہمارے دوست ہیں مکہ معظمہ میں' قاری سیف الدین صاحب۔ پچھلے دنوں میں بیمار تھے اللہ ان کو شفا دے مدتوں سے وہاں رہتے ہیں۔ یہ مجھے سن تو یاد نہیں کہ کس سَن کی بات ہے۔ لیکن مجھے انہوں نے یہ بات سنائی کہ کل منیٰ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ وہاں گئے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ قربانی کے لیے وہاں جانور ہوتے ہیں ان کے باڑے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ بکریوں کا باڑہ علیحدہ ہے، بھیڑوں کا علیحدہ ہے۔ دنبوں کا ہے۔ گائیوں کا علیحدہ ہے اور اونٹوں کا علیحدہ ہے۔ باڑے بنے ہوئے ہیں بہت بڑے بڑے۔ تو جس نے قربانی کرنی ہوتی ہے وہ جہاں جا کے جانور خریدتا ہے قربانی کر لیتا ہے۔ کہتے ہیں گائیوں کے باڑے میں ایک شخص قربانی کے لیے گیا اور اس نے ایک گائے پسند کر کے خرید لی۔ مکہ معظمہ میں' مذبح میں' منیٰ میں' یہ واقعہ پیش آیا اور مجھے سنانے والے ہیں قاری سیف الدین صاحب۔ (اللہ ان کو صحت و شفا دیں بیمار ہیں) تو قربانی کے لیے گائے خرید لی اور جس وقت اس کو وہاں لائے جہاں ذبح کرنا تھا۔

کہتے ہیں وہ گائے ڈر کر' چھوٹ کر بھاگ گئی۔ جب وہ گائے ڈر کے مارے چھوٹ کر بھاگی تو اس باڑے کے اندر جتنی گائیاں تھیں سب اس گائے کے پیچھے بھاگیں اور جا کر سینگ مار مار کر مار دیا۔ گائیوں نے گائے کو سینگ مار مار کر اس کو مار دیا۔ جو وہاں ذبح ہونے کے ڈر سے بھاگی تھی تو کیا مطلب ہوا اس کا؟ کہ جانوروں کو بھی یہ شعور ہے۔ کہ جب اللہ کے لیے قربان ہونے کے لیے آ گئے ہیں۔ اب بھاگنا بے وفائی ہے اور یہ جانوروں کو بھی گوارا نہیں۔ قربان ہونے سے بھاگی تھی اس کو جانوروں نے مار دیا۔ یہ واقعہ قاری سیف الدین صاحب نے مجھے سنایا۔

دین کی خدمت کے لیے ضعفاء کا انتخاب

اللہ تعالیٰ اپنے بعض لوگوں کو اس دین کے لیے منتخب کرتا ہے اور کچھ اللہ کی

حکمت ایسی ہے کہ دنیا کی راحت...... دنیا کا آرام...... دنیا کی شو بازی۔ ساری کی ساری چیزیں...... اللہ تعالیٰ نے غافل لوگوں کے لیے زیادہ رکھی ہیں اور جن کو اپنے دین کے لیے منتخب کرتا ہے۔ ظاہری طور پر دنیا میں عیش وعشرت کے اسباب سے یہ طبقہ دیکھنے میں محروم نظر آتا ہے۔ اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے دنیا میں سب سے زیادہ پرسکون طبقہ آتا ہے۔ لیکن بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کی خواہشات پوری نہیں۔ ان کے لیے کوٹھیاں نہیں۔ ان کے لیے کاریں نہیں ہیں۔ ان کے لیے ایسے کوئی اسباب نہیں ہیں۔ ظاہری طور پر یہ اسباب معیشت سے محروم نظر آتے ہیں۔

نبوت کے لیے یتیم کا انتخاب

آخر آپ بھی جانتے ہیں کہ مکہ معظمہ ایک بین الاقوامی شہر تھا۔ بڑے بڑے سیٹھ اور بڑے بڑے تاجر وہاں موجود تھے اور اس کے متصل طائف ایک شہر تھا۔ طائف کے اندر بڑے بڑے سردار موجود تھے۔ اللہ نے اپنے دین کی امانت اگر سپرد کی ہے۔ تو یتیم کے سپرد کی ہے۔ ایک یتیم کو اپنے دین کا امین بنایا۔ اب یتیم...... جس کو دودھ پلانے کے لیے کوئی دائی تیار نہیں تھی۔ جو آتی...... دیکھتی...... کہ یہ تو یتیم ہے چھوڑ کے چلی جاتی۔ تو اس یتیم سے جس دین کا اعلان کروایا تو ایمان لانے والوں میں بعضے بڑے لوگ بھی تھے۔

- ابوبکر بڑے لوگوں میں سے تھے۔
- حضرت خدیجہ بڑے لوگوں میں تھیں۔
- حضرت عثمان بڑے لوگوں میں سے تھے۔
- سعد بن ابی وقاص بڑے لوگوں میں سے تھے۔

بڑے لوگ بھی تھے۔ لیکن سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے جو لوگ تھے ...... وہ فقراء تھے غلام تھے۔ یا باندیاں تھیں یا آزاد کردہ غلام تھے یہ گرا پڑا طبقہ جس کو لوگ کہتے ہیں۔ سب سے پہلے ایمان لانے والا یہی طبقہ تھا اور بڑے بڑے سردار

سارے مخالف تھے۔ چنانچہ ہرقل کے دربار میں جب ابوسفیان کی گفتگو ہرقل کے ساتھ ہوئی تھی تو اس نے جو سوالات کیے تھے۔ ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ اس کی اتباع کرنے والے ضعفاء ہیں یا شرفاء ہیں؟

شرفاء سے مراد دنیاوی شرفاء ہیں جن کو عزت و شرافت حاصل ہے۔ تو وہ لوگ اس کو مان رہے ہیں یا گرے پڑے لوگ؟ جن کے پاس کوئی قوت نہیں' کوئی طاقت نہیں' یہاں ضعف سے ضعف بدنی مراد نہیں۔ بلکہ ضعف مالی مراد ہے۔ ضعف جاہی اور اقتداری ضعف مراد ہے۔ نہ کوئی اقتدار ہے' نہ ان کے پاس جاہ ہے' نہ ان کے پاس مال ہے۔ کون سے لوگ اس کے پیچھے لگتے ہیں؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ ضعفاء ھم. مکہ کے رہنے والے کمزور قسم کے لوگ' بے سہارا سے وہ اس کے پیچھے لگتے ہیں تو ضعفاء ہی پہلے پیچھے لگا کرتے ہیں۔ (بخاری۔۱/۴)

مسلمانوں پر بربریت کا تازہ واقعہ

لیکن ان با اقتدار لوگوں نے ...... ان ضعفاء کے اوپر جو مظالم کیے ...... تاریخ اس کے ساتھ بھری پڑی ہے۔ ہم تو روتے ہیں آج اس مصیبت کو جو ہم پر آئی۔ اور آپ نے دیکھا کہ تاریخ میں اس بربریت کی مثال نہیں ہے۔ جو کچھ پاکستان میں اسلامی حدود میں اسلام کے نام پر بنے ہوئے ملک میں ...... اسلامی فوج نے ...... جو کچھ ان کے ساتھ کیا ...... ان کی شخصیات کے ساتھ جو کچھ کیا ...... انتہائی دردناک۔ وہ اپنی جگہ لیکن دوسری بات جو آپ اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ نہ قرآن کا ادب' نہ حدیث کا ادب' نہ کسی دوسری چیز کا۔ قرآن کریم اور حدیث کی کتابیں پھٹی ہوئیں جلی ہوئیں ...... وہ کثرت کے ساتھ جیسی تھیں اٹھا اٹھا کے گندے نالے میں پھینک دی گئیں۔

یہ اس پاکستان میں ہوا ہے جو اسلام کے نام پر ملک بنا ہے۔ اخباروں میں آپ پڑھتے ہیں۔ آپ نے سب کچھ دیکھا ہے۔ کون سی چیز ایسی ہے جو میں خلاف واقع کہہ رہا ہوں؟ قرآن کریم کی جتنی توہین' حدیث کی کتابوں کی جتنی توہین اس واقعے کے

اندر ہوئی ہے...... شاید اس کی کوئی دوسری مثال نہ ملتی ہو۔ یہ دوسرا عذاب ہوا۔ تو جانیں بھی قربان ہوئیں۔ لیکن وہ تو پا گئے جو کچھ پا گئے۔ لیکن ساتھ ساتھ انہوں نے جو اسلامی فوج کہلاتی ہے۔ قرآن و حدیث کا کوئی ادب نہیں کیا۔ بلکہ سب کو اٹھا کے لاشیں بھی گندے نالے میں پھینکیں' گٹروں کے اندر پھینکیں' قرآن کریم کا بھی کوئی ادب نہیں' حدیث کا بھی کوئی ادب نہیں۔ سب کچھ اٹھا کے گندے نالے میں پھینک دیا۔

اللہ کے ہاں دیر تو ہے اندھیر نہیں۔ اس لیے ڈرو اللہ سے...... کہیں ایسا عذاب نہ آ جائے کہ جس کے بعد ملک چیخ و پکار میں مبتلا ہوگا...... لیکن کوئی رسائی نہیں ہوگی۔ توبہ کا دروازہ بھی کھلا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے دے تو بچاؤ ہو سکتا ہے۔ ورنہ ہر وقت یہ ڈر ہے کہ اللہ کی طرف سے کوئی دردناک عذاب نہ آ جائے...... تاریخ کے اندر عاد و ثمود کے واقعات آتے ہیں کہیں ہمارا حال ان جیسا نہ ہو جائے۔ اس لیے اللہ سے ڈرتے رہو۔ باقی یہ سختیاں تو مقدر میں ہیں۔ جو بھی دین کا نام لے گا...... جو بھی اسلام کا نام لے گا...... سختیاں تو ان کے لیے ہیں۔ اس دنیا میں ان کے لیے سختیاں ہی سختیاں ہیں۔ انبیاء کے قتل ہونے کے واقعات قرآن میں ہیں پرانے زمانے کے یہاں مکہ معظمہ میں جب مشرکین مکہ نے تشدد شروع کیا تو حدیث شریف میں آتا ہے۔

پہلی امتوں کے مسلمانوں پر مظالم کی داستان

سرور کائنات ﷺ کعبۃ اللہ کے سائے میں اپنی چادر سرہانے رکھ کے لیٹے ہوئے تھے۔ تو ایک صاحب جو مشرکوں سے پٹے تھے۔ وہ آئے اور آ کے کہنے لگے یارسول اللہ! یہ ہمارا حال دیکھو۔ آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس بارے میں مدد کرے۔ مشرکین کا ظلم انتہاء کو پہنچ گیا (توجہ فرمانا ذرا!) رسول اللہ ﷺ لیٹے ہوئے تھے یہ بات سنی تو اٹھ کے بیٹھ گئے اور کہا ابھی سے گھبرائے پھر رہے ہو؟ ابھی سے گھبرا گئے ہو؟ ابھی ہوا کیا ہے تمہارے ساتھ؟ پہلی امتوں کے اوپر جو واقعات گزرے ہیں۔ وہ تو ابھی تم پہ آئے ہی نہیں۔ تم ابھی سے گھبرا گئے ہو؟ دو باتیں بیان

فرمائیں کہ پہلی امتوں میں جو شخص ایمان لاتا تھا تو با اقتدار طبقہ ان کو پکڑتا تھا یہ حدیث میں مثال ہے بخاری (۱/ ۵۱۰) میں روایت ہے ساری حدیث کی کتابوں میں ہے۔ وہ پکڑتے تھے...... پکڑ کے آدھا زمین کے اندر گاڑ کر...... آری منگا کر سر کے اوپر رکھ کر...... چیر دیتے تھے اور دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔ یہ سختی بھی ہوئی ایمان لانے والوں پر۔ کہ زندہ کو آری سے چیرا گیا۔ لیکن اس سختی نے ان کو دین سے نہیں پھیرا۔

اور کبھی ایسے ہوتا کہ کسی اہل ایمان کو پکڑ لیا جاتا۔ پکڑنے کے بعد زندہ انسان کو...... لوہے کے دندانے جس طرح سے ہوا کرتے ہیں...... لوہے کی کنگھی سے...... زندہ انسان کے چمڑے کو اور اس کے پٹھوں کو اس کے گوشت کو...... نوچ نوچ کر ہڈیوں سے جدا کر دیتے تھے۔ یہ سختی بھی لوگوں کے اوپر ہوئی اور اس سختی نے بھی لوگوں کو ایمان سے نہیں روکا۔ تمہارے ساتھ تو ابھی ہوا ہی کچھ نہیں جو تم گھبرائے پھرتے ہو۔ (بخاری ۱/ ۵۱۰) یہ ان کو کہا جا رہا ہے

❀ جن کو آگ کے انگاروں پہ لٹایا جاتا تھا۔
❀ جن کو گلیوں کے اندر رسیاں باندھ کر گھسیٹا جاتا تھا۔
❀ جن کو پتھروں کے نیچے دبایا جاتا تھا

اور ان کے سینے کے اوپر پتھر رکھے جاتے تھے۔ یہ تو ان کو کہا جا رہا ہے کہ ابھی تو کچھ ہوا ہی نہیں۔ اب اگر اس امت کے ساتھ جس کے نبی نے یہ پیشین گوئی کی ہوئی ہے کہ اس امت کے ساتھ ابھی بہت کچھ ہوگا۔ اس کے لیے بھی تیار رہو۔ تو ہو سکتا ہے کہ یہ لال مسجد کا واقعہ اور جامعہ حفصہ کا واقعہ...... انہی واقعات کی ایک کڑی ہو۔ اس لیے ایسے ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔ لیکن یاد رکھیں اس بات کو...... یہ جو کہا کرتے ہیں...... یہ بات بے حقیقت نہیں ہے کہ

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

ہر جلسے میں اس بات کا ہم اعلان کرتے ہیں۔ طلباء ہوں یا علماء ہوں یا دیندار طبقہ ہو ان سختیوں کو دیکھ کر کبھی مرعوب نہ ہونا۔ بلکہ اپنے ایمان کو مضبوط کرو کہ خدا نہ کرے کہ ہم پر بھی کوئی وقت آجائے۔ لیکن اگر وقت آگیا۔ تو اللہ تعالیٰ بچے بچے کو استقامت نصیب فرمائے۔ ہمارے لیے بڑی خوشی کا دن ہوگا وہ کہ اگر ہم اس دن اللہ کے نام پر قربان ہو جائیں۔

کاش میرے ٹکڑے ہو جاتے

ہمارے استادوں کے استاد...... مرکز حدیث...... حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ...... ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جب جیل سے واپس آئے تو بیمار ہو گئے۔ ایک دن زاروقطار رو رہے تھے...... کسی پوچھنے والے نے پوچھا جی! کیا بات ہے؟ کوئی تکلیف ہے؟ فرمایا تکلیف تو کوئی نہیں۔ پوچھا تو روتے کیوں ہو؟ فرمانے لگے کہ روتا اس لیے ہوں کہ ساری زندگی خواہش رہی کہ کفر کے مقابلے میں کسی جگہ کافروں کے ہاتھوں مارا جاتا اور میرے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے۔ جانور مجھے نوچ نوچ کر کھاتے۔ میری خواہش پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ چارپائی پر مر رہا ہوں۔ یہ ہیں ہمارے استادوں کے استاد۔ مرنے میں افسوس ہو رہا ہے اور دل کے اندر یہ خواہش کروٹ لے رہی ہے کہ مجھے دشمنوں کے ہاتھوں ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی خواہش ہے۔ ہم تو ایسے لوگوں کے ماننے والے ہیں۔ یہ بم دھماکے ہوں۔ یہ گولیاں ہوں۔ یہ آگ لگا دیں۔ پٹرول ڈال دیں جو کچھ کرلیں۔ اس کے ساتھ ہمارا ولولہ شہادت بڑھتا ہے ۔گھٹتا نہیں...... مرنے مارنے کا جذبہ زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ کم نہیں ہوتا۔

حکومت کے پراپیگنڈے کا منفی اثر

جب سے مدارس کے بارے میں حکومت کا رویہ سخت ہوا ہے۔ اور ان کو دہشت گرد مشہور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آپ یقین جانیے! میری آنکھوں سے دیکھی

ہوئی بات ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب حکومت کی طرف سے مزاحمت نہیں تھی۔ مدرسوں کے اندر طلباء تلاش کیے ہوئے نہیں ملتے تھے۔ چالیس چالیس کل طالب علم۔ ہم ربانیہ میں پڑھتے تھے سارے کے سارے طالب علم دورہ حدیث تک ان کی تعداد تیس یا پینتیس ہوتی تھی اور اس کے بعد جب یہ وفاق بن گیا تو ابتداء ابتداء میں تو کراچی کے سارے دورہ حدیث شریف کے طلباء...... سب مدرسوں کے صرف بنوری ٹاؤن کے دارالحدیث میں آ کر امتحان دیا کرتے تھے۔ یعنی اتنی تعداد ہوتی تھی کہ ایک کمرے میں سما جاتے تھے

لیکن جب سے یہ تشدد شروع ہوا اور یہ پراپیگنڈہ شروع ہوا۔ طالب علموں کا ایسا ریلہ آیا کہ مدرسے بھر گئے۔ داخلے نہیں ملتے۔ ایک ایک مدرسے میں سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد ہو گئی اور کوئی دن خالی نہیں جاتا۔ جس میں کسی نہ کسی مدرسے کا افتتاح نہ ہو اور کوئی مہینہ خالی نہیں جاتا جس کے اندر کوئی تقریب نہ ہو۔ یہ مہینہ تو سارے کا سارا ایسا بہار کا مہینہ ہوتا ہے کہ میرے جیسا کمزور اور ضعیف آدمی جو دل کا بھی مریض ہے اور بھی کئی سارے عوارض ہیں۔ میرے دوست احباب مجھے کہتے رہتے ہیں کہ سفر نہ کرو۔ لیکن نہ دن کو فرصت نہ رات کو۔ آج اس مدرسے میں ختم بخاری ہو رہا ہے۔ آج اس مدرسے میں ختم بخاری ہو رہا ہے۔ کل اگر سینکڑوں عالم تیار ہوتے تھے تو آج ہزاروں عالم تیار ہوتے ہیں۔ یہ ان کے تشدد اور مخالفت کا نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ مدرسوں کی تعداد بڑھ گئی' طلباء کی تعداد بڑھ گئی اور طلباء کے اندر ولولے زیادہ ہو گئے۔ ہمارا تو اندازہ یہی ہے کہ یہ اس قسم کے واقعات جو پیش آتے ہیں۔ ہماری غفلت دور کرنے کے لیے ہیں۔ کہ تم بھی قربانی کے بکرے ہو تیار رہو۔

اگر وقت آ جائے تو تم نے یہی کردار ادا کرنا ہے جو جامعہ حفصہ اور لال مسجد والوں نے ادا کیا ہے۔ جان دے دیں گے خاندان قربان کر دیں گے۔ سب کچھ قربان کر دیں گے۔ لیکن جس اللہ کے نام کا ساری زندگی کھایا ہے۔ انشاء اللہ العزیز اس کے

ساتھ بے وفائی نہیں کریں گے۔ یہی میں کہہ رہا ہوں کہ ان بچوں کو میں نے وفا کا سبق پڑھایا ہے اور باقی ان کو دہشت گردی نہیں سکھائی۔ وفا کا سبق پڑھایا ہے۔ اگر کوئی وقت آجائے تو پھر کسی میدان میں پیٹھ نہیں دکھائی۔ یہی آپ کے لیے عزت ہے اور ہمارے لیے بھی عزت ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو اپنے دین کے لیے منتخب کیا ہے۔ اس کو اپنے لیے قابل فخر سمجھیں یہ بہت بڑی نعمت ہے...... بہت بڑا احسان ہے...... جو اللہ نے آپ کو دیا۔

حضرت حکیم العصر کے جذبات

میرے لیے تو آج یہ بچے حقیقت میں حقیقی اولاد سے بڑھ کر ہیں۔ مجھے اگر اللہ نے اولاد نہیں دی تو ایک دن بھی مجھے اس بات پر افسوس نہیں ہوا۔ کیونکہ جب سے میں مدارس میں آیا ہوں 53 سال میری تدریس کے پورے ہوگئے اس شعبان میں۔ تو ان بچوں کو میں نے اولاد کی طرح سمجھا ہے اور اولاد کی طرح محبت کی ہے۔ آج ان کی کامیابی اور ان کے نورانی چہرے دیکھ کر یہ میری آنکھوں سے آنسو جو ٹپک رہے ہیں۔ یہ خوشی کے آنسو ہیں یہ کوئی افسوس کے آنسو نہیں ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے آج ہمارا باغ پھل آور ہوگیا ہے اور اس کا ثمرہ اور پھل ہمارے سامنے ہے۔ اس میں محنت صرف ہماری نہیں۔

قابل رشک طبقے

بلکہ آپ حضرات کی بھی محنت ہے۔ کہ آپ نے تعاون کیا' معاونت کی۔ اس لیے حدیث شریف میں آتا ہے...... جس کا حوالہ میں اکثر دیا کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو آدمی ایسے ہیں کہ جن کو دیکھنے کے بعد دل میں تمنا ہونی چاہیے کہ کاش ہم بھی ایسے ہوتے۔ ایک علم دین سکھانے والا اور دوسرا اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے والا۔ (بخاری ۱/۱۷) کسی وزیر کو دیکھ کر تمنا نہ کرو کہ کاش میں بھی وزیر ہوتا۔ وزیروں کے گلے میں جو لعنت کے طوق پڑتے ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں۔ کسی

صدر کو دیکھ کر یہ تمنا نہ کرو کہ ہم بھی ملک کے صدر ہوتے۔ صدر کا جو حال ہے وہ آپ لوگوں کے سامنے ہے۔ جب شہنشاہِ ایران کو ایران سے بھگایا گیا۔ تو آپ کو پتہ ہے کہ دربدر دھکے کھاتا پھرتا تھا۔ کہیں اس کو ٹھکانہ نہیں ملتا تھا۔ تو یہ کارٹون جس طرح سے آیا کرتے ہیں اخباروں میں' ایک دن کوہستان اخبار میں تھا۔ اس میں میر صاحب کا ہر روز کوئی لطیفہ آتا تھا۔ ایک گداگر بیٹھا ہوا ہے۔ ایک بچہ اس کو پیسے دے رہا ہے۔ گداگر اسے دعا دے رہا ہے کہ اللہ تجھے بادشاہ بنا دے۔ بچہ کہتا ہے کہ بابا! یہ دعا نہ کر۔ آخر ایران کا بادشاہ بھی تو بادشاہ تھا' یہ دعا نہ کر...... میرے لیے کہ اللہ بادشاہ بنا دے۔ جبکہ بادشاہ کا انجام تو پوری دنیا دیکھ رہی ہے۔ شہنشاہ کہلاتا تھا اپنے آپ کو۔ لیکن وہ جب مرا۔ تو کوئی ملک اس کو دفن کی جگہ دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ یہ انجام ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق کے ساتھ آپ کو اپنے دین کے لیے منتخب کیا ہے۔ عزم یہ رکھو۔ باقی اس کی مرضی ہے جب چاہے قبول کرے۔ نہ قبول کرے ہم تو اپنی جگہ تیار ہیں۔ قبولیت تو اس وقت ہوگئی جب آپ کو اس فوج میں بھرتی کرلیا گیا۔ باقی اللہ آپ سے کیا کام لیتا ہے آپ جہالت کے خلاف جہاد کریں۔ بداعمالی کے خلاف جہاد کریں۔ لوگوں میں پیار و محبت کا ماحول پیدا کریں۔ اچھے اخلاق پھیلائیں۔ لوگوں کی جہالت دور کرنے کے لیے علم کی روشنی پھیلائیں۔ یہ سارے کام اپنے ہیں تدریس میں لگ جاؤ۔ تصنیف میں لگ جاؤ۔ قلم سے کام لو۔ کام آپ نے دین کا کرنا ہے۔ باقی اگر کسی وقت تہہ تیغ بھی آنے کی نوبت آ گئی تو اس کے لیے بھی ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے۔

امام بخاریؒ پر ظلم اور ان کی قبر سے خوشبو

ہماری بات نہیں ہے۔ یہ امام بخاری کتنے بڑے آدمی تھے۔ آپ حضرات نے سنا اور پڑھا اور آپ کے سامنے حالات ہیں۔ بہت بڑے عالم لیکن وقت کی حکومت کے ساتھ جب سازگاری نہیں ہوئی تو ان کو اپنے شہر سے نکالا گیا۔ دوسرے شہر میں گئے وہاں سے نکالا گیا۔ تیسرے شہر میں گئے وہاں سے نکالا گیا۔ آخر جب یہ واپس سمرقند کی

طرف آرہے تھے تو معلوم ہوگیا کہ وہاں بھی داخلہ ممنوع ہے۔ اتنے بڑے آدمی نے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلائے یا اللہ۔ تیری زمین بڑی وسیع ہے۔ لیکن میرے لیے تنگ ہوگئی ہے مجھے اپنے پاس بلالے۔ یعنی موت کو زندگی پر ترجیح دی۔ چنانچہ دعا قبول ہوگئی۔ قبول ہونے کے بعد پھر وہیں وفات ہوگئی۔ وہی بخاری جس کو زندگی میں لوگ دھکے دیتے تھے۔ وفات کے بعد جب اللہ نے ان کی یہ کرامت ظاہر کی کہ ان کی قبر مہک اٹھی اور دشمنوں کو بھی اقرار کرنا پڑا کہ واقعی یہ اللہ کا بندہ تھا۔ تو اتر کے ساتھ یہ خبر موجود ہے کہ امام بخاری ؒ کی قبر سے خوشبو پھیلی (سیر اعلام النبلاء ۱۲/ ۴۶۷) اور اس سے پہلے حضرت مولانا احمد علی لاہوری ؒ کی قبر سے خوشبو کا پھیلنا جس کا میں عینی گواہ ہوں۔

اب یہ غازی عبدالرشید کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز دیا۔ کیونکہ اللہ کے ہاں نیت اور جذبے کی قدر ہوتی ہے کہ دنیا نے جو کچھ کہا لیکن اللہ نے ان کی کرامت سب کے لیے نمایاں کردی۔ آپ میں سے بھی بہت سارے ہوں گے جو قبر پر گئے تھے اور جا کر دیکھ کر آئے ہیں۔ اور ہمارے مدرسین میں سے مولانا محمد شفیق صاحب و مولانا محمد عارف صاحب اور کئی سارے طالب علم بھی گئے تھے۔

جب ابھرا وقت کا ابوجہل

وقت کا ابوجہل ابھرا تھا تو اللہ نے دو بچوں سے اس کو ہلاک کرایا تھا۔ میدان بدر میں حضرت معوذ اور معاذ نے ابوجہل پر وار کر کے اس کو زخمی کردیا اور گرادیا تھا۔ لیکن دماغ اس کا اتنا فرعونی تھا کہ جب اس کی گردن کاٹنے لگے تو کہتا ہے کہ (یہ بات تاریخ کی کتابوں میں

ہے) میری گردن نیچے سے کاٹنا تا کہ پتہ چلے کہ سردار کا سر ہے (سیرت حلبیہ ۲/۴۲۱) چونکہ زخمی ہو کر گرا ہوا تھا۔ بچے دوڑے ہوئے گئے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کے کہا کہ ہم نے ابوجہل کو قتل کر دیا۔ حضور نے دونوں کی تلواریں دیکھیں فرمایا کہ لگتا تو ایسے ہے کہ تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ آپ نے عبد اللہ بن مسعود کو بھیجا کہ جا کر دیکھ کر آؤ۔ عبد اللہ بن مسعود چونکہ مکے کے ابوجہل کو پہچانتے تھے۔ جب دیکھا گرا پڑا ہے۔ ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ لیکن ابھی ہوش اس کے قائم تھے۔ نقل و حرکت ختم ہو گئی تھی۔ انہوں نے جا کر ڈاڑھی پکڑی اور کہا۔ انت ابو جھل؟ کیا تو ابوجہل ہے؟ وہ کہتا ہے کہ کیا ہو گیا ہے اگر تم نے ایک آدمی کو مار دیا۔ (بخاری ۲/۵۶۵) اس کا مطلب یہ تھا کہ میں مرا ہوا ہوں باقی سارے ٹھیک ٹھاک ہیں۔ وہ مسلمانوں سے بدلہ لیں گے۔ اس کو معلوم نہیں تھا کہ باقی بھی مرے پڑے ہیں۔ وہاں اس نے ایک لفظ بولا ہے جو حدیث شریف میں ہے دوسری بات غیر حدیثوں کی ہوگی یا غیر صحاح کی ہوگی کہ اس نے کہا تھا کہ میرا سر نیچے سے کاٹنا۔ اور معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا سر جو کاٹا ہے وہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کاٹا ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اتنا سا قد تھا کہ باقی صحابہ بیٹھے ہوتے تھے یہ کھڑے ہوتے تو ان کا قد برابر ہوتا تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ ۵/۳۳۶، معجم کبیر ۹/۸۵)

یہ البتہ حدیث میں ہے کہ اس نے کہا فَلَوْ غَيْرُ أَكَّارٍ قَتَلَنِي اے کاش! کاشتکاروں کے ہاتھوں نہ مارا جاتا۔ ان کے ہاتھوں جو مارا گیا ہوں یہ سب سے بڑی بے عزتی ہے (بخاری: ۲/۵۷۳) کیونکہ مدینہ والے جو تھے وہ کاشتکار سمجھے جاتے تھے۔ بادبان تھے کاشتکار تھے۔ مکے والوں کا خیال تھا کہ یہ کچھ نہیں جانتے۔ ایسوں کے بچوں کے ہاتھوں ابوجہل مارا گیا۔ اس میں وہ بڑی بے عزتی محسوس کر رہا ہے۔ تو اللہ نے ان خناسوں کو

شیطانوں کو جو فارس کی سلطنت والے تھے اور روم کی سلطنت والے تھے اور پوری دنیا کے اوپر دونوں حکومتیں حاوی تھیں۔ اللہ نے انہیں مسکینوں سے ان کا خاتمہ کروایا۔

روس وامریکہ کا غرور توڑنے والے مسکین

اور بعد میں یہ دنیا دو طاقتوں میں بٹ گئی ایک روس اور ایک امریکہ۔ امریکہ 1945ء کے بعد ابھرا ہے۔ دوسری جنگ عظیم ہونے کے بعد اس نے سر اٹھایا ہے۔ اور روس 1916ء یا 1917ء میں نمایاں ہوا ہے، جب یہ پہلی جنگ عظیم ختم ہوئی تھی۔ تو روس کی عمر 80 یا 82 سال اور 60 سال امریکہ کی اور آپ لوگوں اور ہم لوگ چونکہ اسی دور میں ہوئے اور ہم نے ہوش اس میں سنبھالی۔ تو ہم سمجھتے ہیں کہ شاید یہ اہل باطل ایسے ہی اوپر رہتے ہیں۔ نہیں۔ بلکہ اس سے پہلے دور مسلمانوں کا ہے اور دنیا کے اوپر حاکم مسلمان تھا۔ جیسے وہ دو حکومتیں مسکینوں نے ختم کیں۔ آپ کے سامنے ہے کہ ایک سور کی ٹانگیں بھی مسلمانوں نے توڑیں اور انشاء اللہ العزیز دوسرے کی ابتدا انہی کے ہاتھوں سے ہوئی اور وہ بھی انہیں کے ہاتھوں تباہ ہوگا اور انسان دیکھ لے گا کہ اللہ تعالیٰ کیسے تاریخ کو دہراتے ہیں۔ اور یہ مساکین جو درمیان میں اٹھتے ہیں۔ میں ان کی ایک مثال دیا کرتا ہوں۔ آپ کو بھی شاید یاد رہ جائے۔ میں کہتا ہوں کہ ایک ہوتا ہے دیمک کا کیڑا یہ جو دیمک لگتی ہے۔ شہتیر کو۔ آپ ان کو اکٹھا کریں تو آپ کو ایسے نرم و نازک سے کیڑے لگیں گے کہ انسان اگر پھونک دے دے تو سو کو مار دے، ہزار کو مار دے۔ یہ دیمک کے کیڑے جو ہوتے ہیں اتنے نرم و نازک سمجھے جاتے ہیں کہ جیسے ان میں جان ہی نہیں۔ لیکن آپ کے سامنے ہے کہ بڑے بڑے شہتیروں کو کھا جاتے ہیں۔ آپ اسی طرح سمجھیں کہ مساکین بھی دیمک کے کیڑے ہیں جب یہ کسی چیز کو چاٹنے لگیں تو سرے لگا کر چھوڑتے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز جیسے اس خبیث کی ٹانگیں ٹوٹیں وہ بھی انہیں طلباء کے ذریعے سے ٹوٹیں جو طالبان ہی کہلاتے تھے یا ایک مذہبی طبقہ تھا۔ جہاد کی

برکت سے جو سور مرا اور انشاء اللہ العزیز یہ بندر (امریکہ) بھی تھوڑے دن ناچے گا۔ ناچنے کے بعد آپ دیکھیں گے کہ یہ دم دبا کر ایسے بھاگے گا کہ کہیں سے تلاش کیا ہوا نہیں ملے گا۔

روحانیت کی بادشاہت

جب جنگ ختم ہوگی تو ہمیں حدیث شریف بتاتی ہے۔ حدیث کی ہر کتاب میں یہ بات موجود ہے۔ جنگ کا خاتمہ کہاں ہونا ہے۔ مشرق وسطیٰ میں یہ جنگ جاری رہے گی حتیٰ کہ شام کے علاقے تک جنگ پہنچے گی۔ یہ حدیث کی بات کر رہا ہوں آپ کے سامنے صراحت کے ساتھ۔ دمشق کے علاقے میں مسلمان یہودیوں کے مقابلے میں (چونکہ اسرائیل کی سرحد کے ساتھ ہے) وہاں صف بندی کر رہے ہوں گے۔ جب اللہ کی مدد آئے گی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور یہودیوں کے مقابلے میں یہودیوں کا جو بڑا سردار ہوگا وہ دجال کہلائے گا۔ وہ دجال جب سامنے آئے گا ہر قسم کے مادی اسباب کے ساتھ وہ لیس ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روحانیت کے بادشاہ بن کر آئیں گے۔ تو روحانیت کے مقابلے میں باقی اسباب سارے کے سارے ختم ہو جائیں گے۔ کوئی ان کا اسلحہ کام نہیں دے گا۔

حدیث میں آتا ہے کہ پہلی زندگی عیسیٰ علیہ السلام کی زمین پر تھی ان کے سانس میں یہ اثر تھا کہ مردوں کو زندہ کرتی تھی احی الموتی باذن اللہ۔ قرآن کریم میں آتا ہے کہ اگر کسی مردے کو کہتے تھے قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ تو مردہ اٹھ کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کے سانس میں یہ اثر رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس وقت جب آئیں گے تو ان کے سانس میں یہ اثر ہوگا کہ جس کافر کو وہ سانس پہنچے گا۔ تو وہ کافر مر جائے گا اور ان کے سانس کا اثر کہاں تک جائے گا جہاں تک ان کی بینائی جائے گی۔ یعنی اگر میل کے فاصلے پر کافر بھاگا جا رہا ہے یوں کر کے پھونک ماریں گے وہیں مر جائے گا۔ پھر نہ

درخت ان کو پناہ دیں گے۔ نہ پتھر ان کو پناہ دیں گے۔ حضور فرماتے ہیں کہ پتھر کے پیچھے یہودی چھپا ہوگا تو پتھر کہے گا۔ یا مسلم! هٰذَا يَهُوْدِيٌّ وَرَاءِ یْ فَاقْتُلْهُ۔ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے اس کو قتل کردو۔ درخت کے پیچھے چھپیں گے درخت کہے گا یا مسلم! هٰذَا يَهُوْدِيٌّ وَرَاءِ یْ فَاقْتُلْهُ۔ میرے پیچھے یہودی ہے اس کو قتل کردو۔ (بخاری۔ ۱/۴۱۰) اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ جنگلات کے درخت ان کو پناہ دیں گے۔ نہ پہاڑوں کے پتھر ان کو پناہ دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں دجال بھی مرے گا یہودیت بھی ختم ہوگی اور یہ عیسائی جتنے ہیں یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد یا تو مسلمان ہوجائیں گے یا آج کی طرح یہودیوں سے مل کر یہ بھی قتل ہوجائیں گے۔

یہودیت' نصرانیت کا خاتمہ

قرآن اور حدیث میں اس بات کا صاف اعلان موجود ہے کہ دین واحد رہ جائے گا نہ یہودیت رہے گی نہ نصرانیت رہے گی۔ یہ ہوگا فیصلے کا دن کہ جیتا کون اور ہارا کون۔ اس وقت تک جنگ جاری رہے گی اور جب تک جنگ جاری ہوتی ہے کوئی نہیں دعویٰ کرسکتا کہ میں جیت گیا۔ کوئی نہیں دعویٰ کرسکتا کہ فلاں ہار گیا اور یہ جنگ انشاء اللہ جاری رہے گی اور نتیجتاً انشاء اللہ العزیز جیت اسلام کی ہے اور مسلمانوں کی ہے۔ یہود ونصاریٰ کا نام ونشان دنیا سے مٹ جائے گا۔ اس امید کو ساتھ لیتے ہوئے کچھ پتہ نہیں حالات بہت تیزی کے ساتھ تبدیل ہوتے جارہے ہیں۔ ہوسکتا ہے چند مہینوں کی بات ہو۔ ہوسکتا ہے چند سالوں کی بات ہو۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور اس جنگ کا خاتمہ ہوگا تو فتح انشاء اللہ العزیز اسلام کی ہوگی۔ جب تک جنگ جاری ہے۔ نہ پتہ جیتا کون ہے۔ نہ پتہ ہارا کون ہے۔ کبھی ان کے مرگئے کبھی ان کے مرگئے۔ کبھی یوں ہوگیا کبھی یوں ہوگیا۔ یہ حالات چلتے رہا کرتے ہیں۔ بس آپ یہ سمجھیں کہ جنگ جاری ہے اور اس وقت جاری رہے گی جب تک یہ آخری معرکہ دمشق

کے پاس نہیں ہو جائے گا اور دمشق شام کے علاقے میں ہے۔

بہر حال یہ ہمارا قرآن اور ہماری حدیث ہمارے جذبات کو باقی رکھتے ہیں اور یہ علماء یہ طلباء اس دین کے ترجمان ہیں اور مسلمان قوم کو بیدار کرنے کے لیے ان کی ساری کی ساری باتیں ہوا کرتی ہیں۔ آپ تک میں نے یہ بات ساری پہنچا دی۔ انشاء اللہ العزیز آپ کے خون کے اندر بھی یقیناً یہ گرمی آئی ہوگی اور آنی چاہیے۔ مرنا تو ہے ہی۔ تو کیوں نہ ہو کہ انسان حق و باطل کی لڑائی میں شریک ہو کر اللہ کے لیے جان دے۔ تا کہ وہ مرنا مرنا نہ ہو۔ بلکہ حیات ہو یہ سوچ لو تا کہ دل میں ولولہ پیدا ہو جائے انشاء اللہ العزیز ایسے ہی ہوگا۔ اللہ قبول فرمائے۔

بہر حال یہ تو ایک وقتی دکھ تھا' ایک درد تھا۔ ان واقعات کی وجہ سے جو ہمارے ساتھ ہوئے ہیں تو اس کا میں نے اظہار کیا ہے اور وقت کے تحت اپنی ایک ذمہ داری ادا کی ہے' تا کہ آپ کے ذہن میں یہ ڈال دوں کہ ہماری پوری کی پوری ہمدردی ان قرآن وحدیث کے طلباء کے ساتھ ہے اور ان قرآن وحدیث کے معلمین کے ساتھ ہماری ہمدردیاں ہیں۔ ہم کسی سے ڈر کر' چھپ کر' ظالم کی مدد اور اس کی حمایت کرنے والے نہیں ہیں۔ ہم کہتے ہیں ان ظالموں نے جو کچھ کیا تاریخ میں اس کی مثال نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ان کی قسمت میں ہدایت ہے تو اللہ ان کو ہدایت دے اور اگر ان کی قسمت میں ہدایت نہیں تو ان کو عاد و ثمود کی طرح دردناک انجام سے دوچار کر دے۔

بخاری شریف کی آخری حدیث

باقی رہی حدیث کی عبارت جو یہاں پڑھی گئی۔ ختم بخاری کا مطلب یہ ہوا کرتا۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ روایات کو جب پڑھ لیا تو بخاری ختم ہوگئی۔ پرانے زمانے میں دعا کے لیے جو ختم بخاری ہوا کرتی تھی ایسے ہوتی تھی۔ جیسے ہم ختم قرآن کرتے ہیں۔ علماء بخاری کی تلاوت کرتے تھے اور بعد میں دعا کیا کرتے تھے۔ جس کا تعلق الفاظ پڑھنے کے ساتھ ہے اور جب بعد میں آخری روایت پڑھ لی اور سن لی تو

یوں سمجھو کہ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کے ساتھ بخاری کا اختتام ہو گیا۔ اور اس کے اندر کہنا سننا جو ہوتا ہے۔ وہ ہماری بات ہے جو ہم تشریح کے طور پر کہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی کلام ان الفاظ کے تلفظ کرنے کے ساتھ ختم ہو گئی۔ تو آخری آخری ترجمۃ الباب وزن اعمال کے متعلق ہے۔ جس سے امام بخاری نے فکر آخرت پیدا کی۔ اور یہ احساس دلایا کہ اپنے قول اور فعل کو ایسے نہ سمجھو کہ ضائع ہو جاتا ہے۔ بلکہ اللہ کے ہاں سب محفوظ ہے۔ قیامت کے دن ان کو لایا جائے گا اور ترازو کے اوپر رکھا جائے گا اور اس کا وزن نمایاں ہوگا اور باقی اس میں بہت ساری بحثیں اہل علم کرتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے نہ گنجائش رہی۔ نہ ہمت رہی۔ وہ باتیں طالب علموں کی ہیں۔ عام لوگوں کے سمجھنے کی بھی نہیں کہ معتزلہ کو کیا اعتراض تھا؟ امام بخاری نے کیا جواب دیا؟ کون اس کے قائل تھے؟ کون اس کے قائل نہیں تھے؟ ان کے کیا دلائل ہیں؟ یہ بہت لمبا چوڑا دلائل کا میدان ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی آخری روایت ذکر کر دی گئی ہے اس میں وزن اعمال کا ذکر صراحتاً آ گیا۔ دو کلمیں ہیں جو رحمان کو بہت محبوب ہیں اور زبان کے اوپر اداء کرنے کے لیے بہت ہلکے پھلکے ہیں لیکن جب ترازو میں رکھیں جائیں گے تو بڑے وزن دار ہوں گے۔ ثقیلتان فی المیزان سے ثابت ہو گیا کہ اعمال جب تولے جائیں گے بڑے وزن دار ہوں گے۔ ہم بھی اپنے زبان میں یہ کہا کرتے ہیں کہ عبارت بڑی وزنی ہے۔ یہ بات بڑی ہلکی ہے۔ یہ اسی محاورے کا عکس ہے جو شریعت نے ہمیں بتایا کہ بظاہر ایک بات وزنی لگے گی لیکن وہاں جا کر بے وزن ہو جائے گی۔ اور بظاہر ایک بات ہلکی پھلکی ہو گی وہاں جا کر بڑی وزن دار ہو جائے گی۔ اس سے فکرِ آخرت پیدا کرنا مقصود ہے۔ اور روایت جو ہے وہ ذکر اللہ پر مشتمل ہے اس پر اس کا اختتام ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ مجلس کے آخر میں اللہ کی تسبیح پڑھتے تھے اور امام بخاری نے بھی آخر میں اللہ کی تسبیح اور تحمید کی۔ اس کی برکت سے اگرچہ امام بخاری نے اپنی وسعت

کے مطابق کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی اس کتاب میں پوری محنت کی ہے جتنی انسان کی وسعت میں ہے۔ لیکن پھر بھی آخر انسان۔ انسان ہی ہوتا ہے کوئی بھول چوک بھی ہو سکتی ہے۔ وہم بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ شارحین نے بعض باتوں کی نشاندہی کی ہے تو۔ اس تسبیح کی برکت سے جو آخر آخر میں امام بخاری نے کی ہے تو اللہ تعالی اس کمی کوتاہی کو معاف فرمائے۔ ہم بھی اپنی مجلس کا اختتام اللہ تعالی کی کی تسبیح سے کرتے ہیں۔ تو پڑھ لیجئے سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

عورت کا منصب

بمقام: جامع مصباح العلوم محمودیہ منظور کالونی۔ کراچی

بموقع: تقریب ختم بخاری شریف

تاریخ: رجب ۱۴۲۷ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ. وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَبِا السَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنَّا اِلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ الْحَدِیْثِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمَاعِیْلَ الْبُخَارِیْ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَالَ

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیَامَةِ وَاَنَّ اَعْمَالَ بَنِی اٰدَمَ وَقَوْلَهُمْ یُوْزَنُ وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْقِسْطَاسُ الْعَدْلُ بِالرُّوْمِیَّةِ وَیُقَالُ الْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ وَهُوَ الْعَادِلُ وَاَمَّا الْقَاسِطُ فَهُوَ الْجَائِرُ.

بِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَشْکَابٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَیْلٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِیْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَنْهُمْ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ.

عربی مدارس کی اہمیت

عربی مدارس میں تعلیمی سال کا اختتام رجب کے مہینے میں ہوتا ہے اور افتتاح شوال میں ہوتا ہے۔ اب رجب کا مہینہ شروع ہو رہا ہے تو اکثر و بیشتر مدارس میں اجلاس کرنے کا رواج ہے۔ اور اس جلسے کے منعقد کرنے کا مقصد یہ ہوا کرتا ہے۔ کہ پڑھانے والے اساتذہ اور مدرسے کے منتظمین کے سامنے ایک تو مدرسے کی کارکردگی ہوتی ہے کہ ہم نے سال بھر میں کیا کیا ہے۔ لیکن عوام اور مدرسے کے معاونین جو مدرسے سے باہر رہتے ہیں ان کو معلوم نہیں ہوتا تو اس اجتماع میں مدرسے کی کارکردگی ان کے سامنے بھی آ جاتی ہے۔

تو جہاں اساتذہ کے لیے خوشی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سارا سال علم دین کی خدمت کی توفیق دی۔ اور سال کا اختتام امن و امان کے ساتھ ہوگیا۔ اسی طرح سے معاونین کو بھی خوشی ہوتی ہے کہ ہم نے جو کچھ اس مدرسے میں اپنا مال صرف کیا ہے۔ آج اس کا ثمرہ ہمارے سامنے آ رہا ہے کہ ہمارا مال ضائع نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ کے فضل و کرم کے ساتھ اس مال سے حافظ تیار ہو گئے' علماء تیار ہو گئے' دین کی اشاعت ہوگئی اور یہ اس مال کا بہت بہترین مصرف ہے اور آخرت کے لیے ذخیرے کا باعث ہے۔ تو ان کے لیے بھی یہ بات خوشی کا باعث ہوتی ہے۔ اس لیے کارکردگی کو نمایاں کرنا یہ کوئی ریاء اور دکھلاوا نہیں بلکہ اس میں صحیح مقصد ہے۔ کیونکہ یہ کام دونوں طبقوں کے تعاون سے چلتا ہے۔

دو شخص قابل رشک

سرور کائنات ﷺ نے ایک روایت میں دونوں طبقوں کا ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ دو شخص ایسے ہیں جن کو دیکھ کر انسان کے دل میں حسرت آنی چاہیے' رشک آنا چاہیے۔ کہ کاش میں بھی ایسا ہوتا اور ان دو کے علاوہ اور کوئی شخص اس قابل

نہیں ہے کہ اس کو دیکھ کر آپ غبطہ کریں، رشک کریں، اور آپ کے دل میں حسرت آئے کہ کاش میں بھی ایسا ہوتا۔ (یہ دو شخصوں کے متعلق فرمایا۔) فرمایا ایک تو وہ شخص جس کو اللہ نے علم دیا اور پھر وہ اس کی نشر و اشاعت کر رہا ہے۔ ایک تو یہ شخص ہے جس کو دیکھنے کے بعد انسان کے دل میں یہ رشک پیدا ہو۔ اس کا جذبہ پیدا ہو۔ حسرت پیدا ہو۔ کہ کاش میں بھی ایسا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی علم دین دیتا اور میں بھی اسی طرح سے نشر و اشاعت کرتا۔ اور فرمایا کہ دوسرا وہ مال دار جس کو اللہ نے مال دیا ہے اور وہ حق کی اشاعت میں اس مال کو خرچ کرتا ہے۔ یہ شخص بھی اس قابل ہے کہ اس کو دیکھ کے رشک کیا جائے۔ کہ کاش کہ ہم بھی ایسے ہوتے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مال دیتا اور ہم بھی اللہ کے رستے میں خرچ کرتے۔ (بخاری ۱/ ۱۷)

دین کی نشر و اشاعت میں دو طبقوں کا کردار

تو یہ دو طبقے جو حضور ﷺ نے ذکر فرمائے اس میں اور بھی بہت حکمتیں ہوں گی لیکن ظاہر حکمت جو معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے۔ کہ دین کی نشر و اشاعت ان دونوں کے ملنے سے ہوتی ہے۔ ایک آدمی کے پاس علم ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میں اس کو پھیلاؤں۔ لیکن اس کے پاس کتاب کے لیے پیسے نہیں۔ طلباء کو ٹھہرانے کے لیے اخراجات نہیں۔ مدرسہ بنانے کی ہمت نہیں۔ اب وہ اکیلا علم کو لے کر نشر و اشاعت کس طرح سے کرے گا؟ جبکہ اس کے پاس نشر و اشاعت کے اسباب نہیں ہیں۔ اور ایک آدمی ہے اس کے پاس مال ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میں اس کو دین میں لگاؤں اور علم دین کی اشاعت پر اس کو خرچ کر دوں۔ لیکن علم اس کے پاس نہیں ہے اب وہ دین کی اشاعت کے لیے اس مال کو کیسے خرچ کرے گا؟۔ جب یہ دونوں شخص آپس میں مل جائیں کہ مال دار مال کے ساتھ تعاون کرے اور علم والا اپنے علم کے طور پر محنت کرے۔

تو ان دونوں طبقوں کے مل جانے کے ساتھ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مدارس بھی

چلتے ہیں، مساجد کا نظم بھی ہوتا ہے اور علماء بھی تیار ہوتے ہیں، مفتی بھی تیار ہوتے ہیں۔ شیخ الحدیث بھی تیار ہوتے ہیں تو یہ جتنے افراد تیار ہو رہے ہیں اس پڑھنے پڑھانے کے نتیجے میں۔ ان میں جس طرح سے معلمین کا دخل ہے اسی طرح سے معاونین کا دخل بھی ہے اور معاونین کو بھی برابر برابر ثواب ملتا ہے۔ جو معلمین کو ملتا ہے وہی معاونین کو بھی ملتا ہے۔ اور یہ جو آپ کے سامنے کارکردگی آئی ہے اس میں مال خرچ کرنے والے بھی برابر کے شریک ہیں ان کی حوصلہ افزائی بھی ہو جاتی ہے۔ اور ان کو یہ اطمینان بھی ہو جاتا ہے کہ ہم نے اگر مال خرچ کیا ہے تو وہ ضائع نہیں گیا بلکہ اس مال کے نتیجے میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے دین کی کتنی بڑی فوج تیار کر دی ہے۔ تو ان کے سامنے کارکردگی آ جاتی ہے۔

جامعہ مصباح العلوم کی کارکردگی

اب آپ کے سامنے جن طلبہ میں یہ رومال تقسیم کیے گئے ہیں۔ تو میرے آنے سے پہلے اگر (مہتمم) مولانا حافظ عبدالقیوم نعمانی صاحب نے آپ کے سامنے حالات بیان کئے ہیں کہ کتنے حافظ تیار ہو گئے (اور اتنے اخفاء کی ضرورت نہیں جتنا کہ حافظ صاحب نے اخفاء کیا ہے۔) ابھی میں نے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ۵۳ حافظ ہیں جن کو رومال دیے گئے۔ اور کچھ ناظرہ خوان بچے تھے جن کو آخر میں دوسرے رنگ کے رومال دیے گئے ہیں۔ اور اصل کے اعتبار سے زیادہ اہتمام کے ساتھ یہاں جو کام ہو رہا ہے وہ زنانے مدرسے میں ہو رہا ہے اور وہاں دورہ حدیث شریف تک تعلیم ہے۔ اور اس سال جو بچیاں فاضلات ہو رہی ہیں وفاق المدارس کا امتحان دے کر وہ آخری درجے کی سندلیں گی۔ ان کی تعداد انہوں نے مجھے ۵۷ بتائی ہے۔ تو ۵۷ بچیاں عالم بن کے یہاں سے نکلیں گی۔ اور ۳۵ لڑکیاں ہیں جنہوں نے اس سال دورے سے پہلی کتاب مشکوۃ پڑھی جو ہمارے حضرت مولانا نے ختم کروائی۔ تو ۳۵ مشکوۃ اور ۵۷ دورہ حدیث میں ہیں جن کے لیے جلسہ منعقد کیا جا رہا ہے۔

جلسہ میں اصل مخاطب

اصل مقصود اس جلسے میں جیسا کہ دونوں کتابوں کے تحت تذکرہ ہوا کہ مشکوۃ طلبہ کو نہیں پڑھائی گئی۔ لڑکیوں کو پڑھائی گئی اور حدیث شریف کی یہ کتابیں جن کی آخری کتاب یہ صحیح بخاری ہے۔ یہ بھی طلباء کو نہیں طالبات کو پڑھائی گئی ہے۔ تو اس سے آپ اندازہ کرلیں کہ یہ جلسہ اصل کے اعتبار سے طالبات کے لیے ہے۔ اور وہی اس کتاب کی مخاطب ہیں اور انہی کو یہ سبق پڑھایا جارہا ہے۔

ویسے تو کہتے ہیں کہ مرد متبوع ہوتے ہیں عورتیں تابع ہوتی ہیں۔ لیکن اس جلسے میں عورتیں اصل ہیں اور مرد تابع ہیں۔ کیونکہ یہ جلسہ ان کے لیے منعقد کیا گیا ہے آپ ضمناً آگئے ہیں۔ اس لیے اصل خطاب انہیں کو ہوگا۔ اور حق بھی انہیں کا ہے کیونکہ جلسہ انہی کے لیے منعقد کیا گیا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ کوئی باتیں اس قسم کی آجائیں گی جن میں مردوں کا بھی فائدہ ہوگا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لیے کوشش کروں گا کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی بات کہنے کی توفیق دے دے جو سب کے لیے مفید ہو۔

لفظ مستورات کی وضاحت

اس سے ایک نکتہ اور بھی آپ کی سمجھ میں آجانا چاہیے کہ جن کے لیے جلسہ منعقد کیا گیا ہے وہ نظر نہیں آتیں۔ کیونکہ وہ مستورات ہیں۔ یہی بات ہے نا؟ (جی) اور مستورات کسے کہتے ہیں؟ جن کو چھپا کے رکھا ہوا ہو۔ عام تعلیم یافتہ آدمی بھی جانتا ہے کہ مستور چھپائی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔ اور ستر چھپانے کو کہتے ہیں۔ یہ ستر کا لفظی معنی ہے۔

تو عین موقع کے مطابق آپ دیکھ رہے ہیں کہ اگرچہ جلسہ ان کے لیے منعقد کیا گیا ہے۔ لیکن وہ نظر نہیں آتیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو صحیح

ٹھکانے لگایا ہے کہ وہ چیز دکھانے کی نہیں چھپا کے رکھنے کی ہے۔ موقع محل سے یہ نکتہ سمجھ میں آتا ہے۔ اس لیے مستورات کا صحیح مقام یہ ہے کہ وہ چھپ کے رہیں۔ اور یہ لفظ صادق بھی ان پر تبھی آئے گا۔ ورنہ جو کھلے منہ باہر پھرتی ہیں۔ اور اپنے آپ کو نمایاں کرتی پھرتی ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے آپ کو مستورات کہیں لیکن ان کا اپنے آپ کو مستورات کہنا بھی خلاف واقعہ اور جھوٹ ہے۔ اور اگر ہم بھی ان کو مستورات کہتے ہیں تو ہم بھی خلاف واقعہ ایک بات اپنی زبان سے کہتے ہیں۔ ان کو مستورات کہنا جھوٹ بولنا ہے۔ اصل کے اعتبار سے وہ مکشوفات ہیں۔ مستورات نہیں ہیں۔

لفظ عورت کی وضاحت

اس نوع کے لیے جس کو ہم مستورات کہتے ہیں دوسرا لفظ ہماری زبان میں عورت کا بولا جاتا ہے۔ کہ یہ عورتوں کا جلسہ ہے۔ یہ عورت ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو ہم عورت کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ عورت بھی عربی کا لفظ ہے۔ ان بیوتنا عورة وما هی بعورة۔ قرآن کریم میں بھی عورت کا لفظ آیا ہے۔ اور فقہ کی کتابوں میں بھی آتا ہے۔

عورة الرجل ما بين السرة الى الركبة۔ عورت کا معنی عربی میں ہے ایسی چیز جس کا نمایاں کرنا باعثِ شرم ہو۔ جس کو چھپانے کا جذبہ ہو۔ عورت اس کو کہتے ہیں۔ یہ فقہ کی عبارت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے بچیاں بھی سن رہی ہیں اور آپ بھی سن رہے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ مرد کے بدن میں۔ ناف سے لے کر گھٹنے تک جو حصہ ہے۔ یہ عورت ہے۔ یعنی یہ حصہ ایسا ہے جس کو چھپا کے رکھنے کا جذبہ ہے۔ اور اس کا کھل جانا اور اس کا نمایاں ہو جانا انسان کے لیے باعثِ ندامت اور باعث شرم ہوتا ہے۔ تو ہماری زبان میں مستورات کے لیے دوسرا لفظ اگر استعمال ہوتا ہے تو عورت کا ہوتا ہے۔ اب اس لفظ کا مصداق بھی یہی ہے کہ یہ چھپا کے رکھنے کی چیز ہے یہ نمایاں کرنے کی چیز نہیں ہے۔ تو پردہ یعنی عورت کا چھپ کے رہنا یہ اس نوع کی

فطرت کا تقاضا ہے۔ اور یہ بات فطرت کے خلاف ہے کہ ان کو نمایاں کیا جائے اور اس کو لوگوں کے سامنے نمائش کے طور پر پیش کیا جائے تو اس کا نام ہی یہی بتاتا ہے کہ عورت ایسی چیز نہیں ہے۔

پردہ عورت کی فطرت کا تقاضا ہے:

باقی یہ ہے کہ اس کو چھپا کے رکھنا یہ عورت کے اوپر نہ ظلم ہے۔ (جس طرح سے آج کل لوگ کہتے ہیں) اور نہ یہ زیادتی ہے۔ بلکہ یہ اس کے منصب اور مقام کا تقاضا ہے۔ اگر آپ غور فرمائیں گے تو چھپا کے رکھنے کی چیزیں دنیا میں دو ہی ہیں۔ ایک دولت اور ایک عورت۔ دولت بھی نمایاں کرنے کی چیز نہیں اور اگر آپ اپنی دولت کو نمایاں کرتے پھریں گے تو کوئی نہ کوئی چور' اچکا اچک لے گا۔ دولت کسی ڈاکو کی نظر میں آ جائے گی وہ لوٹ لے گا۔ اس لیے ہر آدمی اپنی دولت کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ تو اس کو چھپانے کی کوشش کرنا یہ اس کی توہین نہیں بلکہ اس کی عظمت کی علامت ہے۔ اسی طرح سے عورت بھی چھپانے کی چیز ہے۔ اس کو نمایاں کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کو نمایاں کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ عیاش قسم کے لوگ' بدمعاش قسم کے لوگ اس کو للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور دیکھنے کے بعد آج دنیا میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایک دن کی اخبارات میں بھی اگر آپ واقعات پڑھیں۔ تو معلوم ہوگا کہ کتنی ان عورتوں کی عصمت لوٹی جاتی ہے۔ ان کی عفت لوٹی جاتی ہے ان کو بے عزت کیا جاتا ہے۔ انسان اس کو اپنی شہوت کا کھلونا بناتا ہے۔ تو آپ ایک دن کے واقعات سے سمجھ لیں گے کہ واقعی اس کا نمایاں کرنا یہ عورت کو کھلونا بنانے کا مصداق ہے یہ عورت کی عظمت کا تقاضا نہیں ہے۔ بلکہ اس کو چھپا کے رکھنا اس کی عظمت کا تقاضا ہے۔ اس لیے پردے کا جذبہ فطری ہے اور عورت کی فطرت کا تقاضا ہے۔

اس لیے جو عورتیں یہ واویلا کرتی ہیں کہ پردہ عورت کی آزادی کو سلب کرنے والی بات ہے۔ ان سے ایک بات پوچھی جا سکتی ہے۔ ان بیگمات سے جو خود نمایاں

ہوتی ہیں اور دوسروں کو بھی نمایاں کرنے کی کوشش کرتی ہیں کہ آپ لوگوں کا جنت میں جانے کا ارادہ ہے یا نہیں؟ (اس سوال کو آپ یاد کر لیں) اگر تو ارادہ ہے ہی نہیں تو ٹھیک ہے جس طرح سے چاہو کرو۔ لیکن اگر جنت میں جانے کا ارادہ ہے تو میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہاں بھی ان کو پردے میں رکھوں گا۔ کھلے بندوں وہاں بھی نہیں پھریں گی۔ مقصورات فی الخیام۔ یعنی خیموں کے اندر ان کو بند کر کے رکھا جائے گا۔ تو جہاں ان کی باقی صفات ذکر کی گئی ہیں وہاں مقصورات فی الخیام بھی ہے۔ تو اگر اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہیں خیموں میں بند کر کے رکھے گا اور جنت میں بھی تمہارے لئے پردے کا انتظام ہوگا تو آج یہاں تمہیں کیا اشکال ہے اس بارے میں کہ اگر عورت کو پردے میں رکھا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے اس کو پیدا ہی ایسے طور پر کیا ہے۔ کہ یہ نوع چھپا کے رکھنے کی ہے نمایاں کرنے کی نہیں ہے۔

تو مقصورات فی الخیام ان حوروں کی صفت ہے جو جنت میں ہوں گی۔ جس کا لفظی معنی یہی ہے کہ ان کو خیموں میں بند کیا ہوا ہوگا۔ حدیث شریف میں جو واقعات آتے ہیں وہ یہی ہیں کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے تو ان کی ازواج جو جنت میں ان کو ملیں گی خیمے کے اندر دروازوں پہ کھڑی ہوئی ان کا انتظار کریں گی (مشکوۃ ۱/۴۹۹) قطعاً یہ نہیں آتا کہ جنتی اپنی بیوی کو لے کے جنت میں سیر کرتا پھرے گا بازار میں گھومتا رہے گا۔ اس کا کہیں بھی ذکر نہیں آتا۔ ان کی صفت اگر ذکر کی گئی ہے تو مقصورات کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔ کہ ان کو وہاں بھی خیموں کے اندر بند کر کے رکھا جائے گا۔ اس لیے اس موقع محل پر جن کے لیے جلسہ منعقد کیا گیا۔ ان کو بند کر کے کیوں رکھا جاتا ہے آپ یہ بھی دیکھ لیجئے۔

پردہ انسانی شرافت کے تحفظ کا ذریعہ ہے

انسان کی اپنی آنکھوں کی حفاظت اسی میں ہے کہ عورتوں کو بند کر کے رکھا جائے کیونکہ انسان کو حیوانات سے ممتاز کرنے والی چیز اس کا شرف نسب ہے۔ نسب کا محفوظ

ہونا اور نسب کا صحیح ہونا یہ انسان کی شرافت ہے۔ اور یہ شرافت باقی تبھی رہ سکتی ہے کہ عورت عام مردوں کی نگاہوں کا نشانہ نہ بنے۔ اور اگر عورتیں عام مردوں کے لیے کھلونا بن جائیں تو انسان کا جو شرف حفاظت نسب والا ہے وہ خطرے میں پڑ جائے گا۔

عورت اگر آوارہ ہو ہم کس طرح سے کہ سکیں گے کہ اس سے پیدا ہونے والی اولاد کا نسب ثابت ہے۔ یہ میں نے اشارہ کر دیا کہ انسان کو حیوانات سے ممتاز کرنے والی سب سے بڑی چیز انسان کا شرفِ نسب ہے۔ اور اس کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ عورت کو کھلونا نہ بننے دیا جائے ورنہ یہ شرف انسان سے ضائع ہو جاتا ہے۔ بہر حال یہ بات تو ضمنی طور پر میں نے عرض کر دی۔

معرفتِ رب اور معرفتِ نفس

جلسے میں سال کا جو اختتام ہو رہا ہے۔ اور اصل مقصود (جیسا کہ میں نے عرض کیا) یہ مستورات ہیں تو ان کی خدمت میں ایک بات عرض کرتا ہوں۔ جو بہت توجہ کی طالب ہے۔ دین کی تعلیم قرآن وحدیث کی شکل میں۔ اس کا سب سے نمایاں مقصد یہ ہے کہ بندہ اپنے خالق اور مالک کو پہچانے۔ یعنی معرفت رب (رب کو پہچان لینا)۔ تو قرآن وحدیث کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک پہلو جو ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس وقت وہ بہت قابل توجہ ہے۔ کہ اللہ کو پہچاننے کے ساتھ ساتھ اس قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنے آپ کو بھی پہچانا جائے۔ بلکہ صوفیاء کے ہاں تو یہ قول مشہور ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ جو اپنے آپ کو پہچان لے وہی رب کو پہچانتا ہے۔ اور جو اپنے آپ کو نہیں پہچانتا یوں سمجھو کہ وہ رب کو بھی نہیں پہچانتا۔ اس لیے معرفت رب کے ساتھ ساتھ معرفت نفس بھی بہت ضروری ہے۔ تو قرآن وحدیث کو پڑھتے وقت آج کے اس دور میں اس عنوان کی اہمیت زیادہ ہے کہ اس کی روشنی میں اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش کرو۔ اگر اپنے آپ کو پہچان لو گے تو انشاء اللہ العزیز دین کا راستہ بھی آسان ہو جائے

گا اور رب کو پہچاننا بھی آسان ہو جائے گا۔

اور اپنے آپ کو نہ پہچاننا یہ اللہ کی طرف سے ایک سزا ملتی ہے نافرمانوں کو۔ دیکھو! قرآن کریم میں کتنے صاف لفظوں میں آیا ہے۔ لا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانسا ھم انفسھم۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا لیکن اللہ کو بھلانے کا نتیجہ کیا نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا آپ بھلا دیا۔ ان کو اپنا آپ بھی یاد نہیں رہا۔ تو اپنے آپ کو بھلا دینا یہ اللہ کی طرف سے اللہ سے غفلت کی سزا ہے۔ کہ اپنا آپ بھی ان کو بھلا دیا ان کو کچھ پتہ نہیں کہ ہم اپنا نفع کر رہے ہیں یا نقصان کر رہے ہیں ہماری زندگی ہمارے لیے نفع میں جا رہی ہے یا نقصان میں جا رہی ہے۔ ہم کچھ کما رہے ہیں یا لٹا رہے ہیں۔ اور ہماری زندگی کا حاصل کیا ہے ان کو کبھی سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اور وہ اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ اپنا منصب بھول گئے اور ان کو کچھ پتہ نہیں کہ ہم برباد ہو رہے ہیں یا بن رہے ہیں۔ بلکہ اس بھولنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہلاکت کے گڑھے کی طرف سرپٹ دوڑے جا رہے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ترقی کرتے جا رہے ہیں تو یہ اللہ کی طرف سے سزا ہے جو اس انسان کو ملتی ہے جو اللہ کو بھلا دیتا ہے۔

آج حقیقتیں بدل کر رہ گئیں

تو معرفت رب کے ساتھ معرفت نفس بھی ضروری ہے۔ لیکن آج کا دور انسان کو صحیح سوچنے نہیں دیتا یہ بہت پراپیگنڈے کا دور ہے اور پراپیگنڈے کے ساتھ حقیقتیں منقلب ہو گئیں۔

- آج جو لوگ شرفاء ہیں امن پسند ہیں۔
- امن کا درس دیتے ہیں امن پھیلاتے ہیں
- برائی سے روکتے ہیں اچھائی کی تلقین کرتے ہیں

آج پراپیگنڈہ نے ان کو دہشت گرد۔ بنیاد پرست اور دنیا کے اندر ایک ایسے طبقے کے طور پر تعارف کرایا ہے۔ گویا کہ یہ طبقہ انسانوں میں سے سب سے زیادہ فساد برپا کرنے والا۔ اور سب سے زیادہ ہشت گرد اور دہشت پھیلانے والا طبقہ ہے۔

❀ اور ایسا شخص جو دنیا میں دہشت گردی کرتا پھرتا ہے۔ بچوں کو مارتا ہے

❀ عورتوں کو مارتا ہے' بوڑھوں کو مارتا ہے'

❀ بیماروں کو مارتا ہے' تندرستوں کو مارتا ہے۔

❀ عمارتیں برباد کرتا ہے۔ ملکوں کو اجاڑتا ہے۔

وہ امن کا پیغمبر ہے وہ دنیا میں امن تقسیم کرتا پھرتا ہے۔ پراپیگنڈے نے اتنی حقیقت بدل کے رکھ دی۔ میں نے آپ کے سامنے یہ ایک مثال دی ہے کہ پراپیگنڈہ اچھی چیز کو برا ثابت کر دیتا ہے اور بری چیز کو اچھا ثابت کر دیتا ہے۔

اس لیے میں اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو یہ بات کہتا ہوں کہ آپ نے جو یہ تعلیم حاصل کی ہے۔ اگر آپ اس کی روشنی میں اپنے آپ کو سوچیں گی تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عورت کا تعارف آج کے ماحول میں جو کروایا جا رہا ہے وہ بالکل خلاف واقع ہے۔ قرآن اور حدیث آپ کو کسی اور شکل میں دکھاتے ہیں اور آج کا دور اور آج کا پراپیگنڈہ تمہیں کسی اور شکل میں نمایاں کرتا ہے۔

تقسیم کار انسانی زندگی کا جزو لازم ہے

قرآن کریم نے آپ کے متعلق کیا بتایا؟ اگر اس بات کو بنیادی طور پر سمجھ لیا جائے۔ بہت سارے مسائل حل ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سارے فتنوں سے بھی بچ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تعارف یوں کرایا کہ آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے پیدا کیا۔ اور اس کی تخلیق کس انداز میں ہوئی ساری قرآن میں مذکور ہے اور پھر فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لیے تمہارے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کے ساتھ سکون حاصل کرو۔ اب ایک کی بجائے دو ہو گئے۔ تو دنیا میں جس طرح سے اصول ہے کہ مشترکہ کام کے اندر

ہمیشہ تقسیم کار ہوتی ہے۔ مزدور اور مستری مل کر عمارت بناتے ہیں۔ یہ مشترکہ کام ہے۔ مزدور کا کام ہے اینٹ اٹھا کے لائے۔ مزدور کا کام ہے کہ گارا سیمنٹ بنا کے لائے۔ مستری کا کام ہے کہ اینٹیں لگائے اور ترتیب قائم کرے مشترکہ کام کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ سارے جاؤ اور جا کے ایک اینٹ اٹھا کے لاؤ۔ پھر سارے اکٹھے اینٹ اٹھا کے دیوار پہ رکھو۔ یہ کوئی اصول ہے؟ اگر ہماری زندگی گزرتی ہے تو تقسیم کار سے گزرتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے زوجین کو پیدا کرنے کے بعد تقسیم کار بھی بتا دی۔ آپ نے پڑھا کہ اللہ تعالیٰ آدم کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ دیکھنا کہیں شیطان تمہیں جنت سے نکال نہ دے فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا۔ یہاں دونوں کو خطاب ہے۔ آگے کہا فَتَشْقٰی۔ یہ واحد کا صیغہ ہے یہ تثنیہ کا صیغہ نہیں ہے۔

صرف بہنو اور بیٹیو کا لفظ بولنے کی وجہ:

بات کچھ ایسے ہی علمی انداز میں چلی گئی۔ اور میں اپنی بیٹیوں سے بھی کہتا ہوں بہنوں سے بھی کہتا ہوں (حضرت مولانا سرفراز صاحب دامت برکاتہم فیصل آباد میں ایک عورتوں کے جلسے میں تقریر فرما رہے تھے۔ اور کہنے لگے میری بیٹیو! میری بہنو! کہنے لگے کہ میں ماں کا لفظ استعمال نہیں کرتا۔ اس لیے کہ میری ماں تو وہ ہوگی جو کم از کم سوا سو سال کی ہو۔ اور وہ شاید اس مجمع میں کوئی نہ ہو۔ اسی لیے بیٹی اور بہن تو ہو سکتی ہے ماں مشکل ہے۔) اس لیے میں بھی یہی کہتا ہوں بہنو اور بیٹیو! اور ماؤ! نہیں کہتا۔ اس لیے کہ میری ماں وہ ہوگی جو کم از کم سو سال کی تو ہو اور شاید کوئی ایسی نہ ہو۔ اس لیے بہن اور بیٹی کے لفظ کے ساتھ تعبیر کرتا ہوں۔ آپ اس بات پہ ذرا غور کریں۔

مرد اور عورت کی تقسیم کار

اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ کہیں تم دونوں کو شیطان جنت سے نکال نہ دے۔ پھر آدم علیہ السلام سے کہا جا رہا ہے کہ مشقت میں تو پڑ جائے گا۔ عورت کا تذکرہ ساتھ

نہیں کیا۔ جنت سے دونوں نکلے ہیں مشقت آدم پہ آجائے گی۔ وہ کیا مشقت آجائے گی۔ کہ انك لا تعریٰ فیھا۔

کہ تجھے جنت میں کپڑے کی فکر نہیں تھی۔ اب تو اپنے کپڑے کی فکر بھی کرے گا بیوی کے کپڑے کی فکر بھی کرے گا۔

اور تجھے بھوک لگے گی تو اپنی روٹی کی فکر بھی کرے گا۔ بیوی کی روٹی کی فکر بھی کرے گا۔

اور تجھے دھوپ لگے گی تو اپنے لیے بھی مکان بنائے گا اور بیوی کی رہائش کا انتظام بھی کرے گا۔

مشقت تو ساری تیرے پہ آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے تیری روٹی کپڑے وغیرہ سب کا سامان جنت میں کیا ہوا ہے۔ جنت سے نکلنے کی صورت میں مشقت تیرے پہ آجائے گی۔ بیوی کی روٹی تیرے ذمے۔ بیوی کا کپڑا تیرے ذمے۔ بیوی کی رہائش تیرے ذمے۔ اس لیے تو صرف اپنا فکر نہیں کرے گا۔ بیوی کا بھی ساتھ کرے گا۔ تو پہلا سبق کیا پڑھا دیا؟ کہ عورت کے اخراجات خود اس کے ذمے نہیں۔ عورت کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہیں۔ جب عورت کے ذمے اخراجات ہی نہیں ہیں تو اس کو کمانے کی فکر کیوں؟ یہ کیوں ملازمت کی سوچ رہی ہے؟ یہ کیوں کاروبار کی سوچ رہی ہے؟ اور اپنے آپ کو مرد کے ساتھ برابر کی مشقت میں ڈالنے کی کیوں سوچ رہی ہے؟ مشقت تو مرد کے حصے میں ہے اس کے حصے میں تو ہے ہی نہیں۔ اس کا کام ہے گھر میں بیٹھ کے گھر سنبھالے۔ بچے جنے۔ بچوں کی تربیت کرے۔ خاوند باہر سے مشقت کر کے آئے تو اس کو گھر میں سکون کے اسباب مہیا ہوں اور خاوند گھر آئے تو اس کا وقت سکون سے گزرے بیوی کا فرض یہ ہے۔

باقی کھانے کا باہر سے انتظام کرنا بیوی کا فرض نہیں ہے۔ عورت کا فرض نہیں ہے۔ یہ مشقت اللہ نے عورت پر نہیں ڈالی بلکہ مرد پہ ڈالی ہے۔ تو عورتیں اپنے آپ کو

کیوں اس مشقت میں ڈالنے کی کوشش کرتی ہیں کہ ملازمتیں کریں مزدوریاں کریں۔ اور باہر نکل کے سارے کمائی کے اسباب اختیار کریں۔ قرآن کریم میں عورت کے خالق نے عورت کا مقام یہ بتایا ہے کہ یہ مرد کے لیے سکون کے اسباب مہیا کرے۔ کھانے پینے اور مکان کی جو مشقت ہے مرد کے ذمے ہے۔ عورت کے ذمے نہیں ہے۔ تو ابتداء سے ہی تقسیم کار کردی۔ ساری ذمہ داری مرد پہ ڈال دی عورت کو فارغ کردیا۔ عورت گھر بیٹھے گھر سنبھالے۔

اور پھر آگے ایک جگہ ذکر کیا الرجال قوامون علی النساء۔ مردوں کو عورتوں پر حکومت ہے۔ برتری حاصل ہے۔ خالق کہتا ہے کہ برتری کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اللہ نے صلاحیتیں، قوتیں مرد کو عورت کے مقابلے میں زیادہ دی ہیں۔ یہ محنت مشقت زیادہ کرسکتا ہے عورت اتنی محنت مشقت نہیں کرسکتی۔ بما فضل اللہ بعضھم علی بعضھم۔ اور آگے ذکر کیا وبما انفقوا۔ یعنی اس وجہ سے بھی مردوں کو عورتوں پر حکومت حاصل ہے۔ کہ مرد کمائی کرتے ہیں اور عورتوں پہ خرچ کرتے ہیں۔ یہ بڑائی کی وجہ بیان کی ہے۔ تو خرچ کی ذمہ داری مرد پہ ہوگی اس بناء پر اس کو برتری حاصل ہے۔

فطری قانون کی مخالفت کا انجام

اور جس وقت عورت مرد سے اخراجات میں آزاد ہوجائے۔ وہ سمجھے کہ میں مرد کی محتاج نہیں ہوں۔ میں اپنی کمائی خود کروں گی اور خود کھاؤں گی۔ تو یوں سمجھو کہ اس نے اپنا منصب چھوڑ دیا اور جو اللہ تعالیٰ نے رستہ بیان کیا تھا یہ اس رستے سے ہٹ گئی۔ اس کے ہٹنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خاندان برباد ہوجائیں گے۔ خاندانوں کا یہ نظم قائم نہیں رہے گا۔

اسی لیے پھر وہ بات ہوجائے گی یَمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْھِہٖ۔ جب یہ معاملہ برعکس ہوجائے کہ مرد تو ہوجائیں کھانے والے اور عورتیں ہوجائیں کمانے والی۔ تو

آپ جانتے ہیں کہ معاملہ بالکل ہی برعکس ہو جائے گا کہ مرد محکوم ہو گیا عورت حاکم ہو گئی تو تخلیق کائنات میں جو اللہ تعالیٰ نے درجہ بندی کی حکمت رکھی تھی۔ وہ ختم ہونے کے بعد نظام سارا خراب ہو جائے گا۔ ایسے ہوگا جیسے کوئی قدموں کے بل چلنے کی بجائے سینے کے بل چلنے کی کوشش کرے۔ معاشرے کی پھر یہ کیفیت ہو جائے گی۔

عورت کی حکومت قیامت کی علامت

اور اسی بات کو سرور کائنات ﷺ نے ایک حدیث میں بیان کیا۔ جو آپ نے پڑھی ہوئی ہے (یہ خطاب میں بچیوں کو کر رہا ہوں) حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس وقت تمہارے حکام تم میں سے اچھے لوگ ہوں۔ اور مال دار سخی ہوں اور تمہارا کام (مردوں کا) آپس میں مشورے سے چلے۔ تو پھر زمین کی سطح زمین کے اندر سے بہتر ہے اور زندگی موت کے مقابلے میں اچھی ہے۔

اور فرمایا جس وقت تمہارے حکام تم میں سے بدتر انسان ہو جائیں۔ اور مال دار طبقہ بخیل ہو جائے (بخیل ہونے کا معنی ہوتا ہے جو حقوق اللہ نے متعین کیے وہ ادا نہیں کرتا۔ اگرچہ وہ باقی چیزوں میں مال پانی کی طرح بہاتا ہو۔ جو حقوق ادا نہیں کرتا اور عیاشی میں، بدمعاشی میں خرچ کرتا ہے وہ بخیل ہی ہوتا ہے۔) تو جب وہ بخیل ہو جائیں۔ وَاُمُوْرُکُمْ اِلٰی نِسَائِکُمْ۔ اور تمہارے معاملات کے اوپر عورتوں کا قبضہ ہو جائے۔ تو فرمایا بَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ مِّنْ ظَھْرِھَا۔ پھر اس وقت زندگی کے مقابلے میں موت اچھی ہے۔ (ترمذی ۲/۵۲) تو گویا کہ عورتوں کا باہر نکل کے زندگی کے نظام کو سنبھالنے کی کوشش کرنا یہ اس دنیا کو ایک جہنم بنانے والی بات ہے کہ مردوں کے لیے پھر اس دور میں موت بہتر ہے زندگی کے مقابلے ہیں۔

اس لیے دنیا کے پراپیگنڈے سے متأثر نہ ہوؤ۔ تمہارا منصب گھر میں بیٹھ کے گھر کو سنوارنا ہے۔ اور اپنے شوہروں کے لیے سکون کے اسباب مہیا کرنا ہے۔ اور اُخراجات سارے کے سارے خاوند کے ذمے ہیں۔ اس کے ساتھ خاندان آباد ہوتے

ہیں۔ اولاد کی تربیت صحیح ہوتی ہے اور معاشرے کے اندر ایک سکون پیدا ہوتا ہے اور مرد وعورت دونوں ہی سکون کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں یہ وہ ابتدائی معرفت نفس ہے جو قرآن کریم اور حدیث کی رو سے مرد وعورت دونوں کے لیے ثابت ہوتی ہے۔

دور نبوی میں زنانہ جلسہ

ایک بات اور کہہ دوں۔ (اسی شعبے میں) کہ سرور کائنات ﷺ کے زمانے میں۔ آپ کی وعظ ونصیحت اکثر وبیشتر مردوں میں ہوتی تھی اور مردوں کی وساطت سے دین عورتوں میں پہنچتا تھا۔ تو ایک دفعہ عورتوں نے مطالبہ کیا کہ یا رسول اللہ! ہمیشہ مرد ہی آپ کے وعظ سے فائدہ اٹھاتے ہیں ہمیں بھی کوئی وعظ فرمائیں ہمارے لیے بھی کوئی دن متعین کر دیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے فلاں دن فلاں جگہ جمع ہو جانا وہاں وعظ کروں گا۔ یہ بنیاد ہے زنانے جلسوں کی۔ کہ عورتیں کسی جگہ جمع ہو جائیں اور مرد ان میں وعظ کرے۔ اس کی بنیاد میں یہ حدیث موجود ہے۔ کہ آپ نے بھی دن مقرر کیا اور ان کو جا کے وعظ فرمایا۔ اس لیے یہ صورت درست ہے کہ عورتیں جمع ہوں اور مرد وعظ کرے اور عورتیں سنیں حدیث میں اس کا نمونہ موجود ہے۔

جہنم میں عورتوں کی کثرت اور اس کی وجہ

ایک موقع پر جو عام طور پر مرد عورتوں کو حدیث سناتے رہتے ہیں اور عورتیں سمجھتی ہیں کہ شاید اس میں ہماری مذمت بیان کی گئی ہے۔ مذمت کا پہلو بھی اس میں نکلتا ہے جس میں آپ نے فرمایا یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ! تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْ اُرِیْتُکُنَّ اَکْثَرَاَھْلِ النَّارِ۔ اے عورتو! اللہ کے رستے میں خیرات کیا کرو صدقہ کیا کرو۔ مجھے دکھایا گیا ہے کہ تم کثرت کے ساتھ جہنم میں جانے والی ہو۔ (بخاری ۴۴/۱) اس لیے صدقہ خیرات کیا کرو تا کہ جہنم میں جانے سے بچ جاؤ۔ جب یہ بات آپ نے کہی تو عورتوں کی طرف

سے سوال ہوا۔ یا رسول اللہ۔ عورتیں جہنم میں زیادہ کیوں جائیں گی؟ سوال ٹھیک تھا۔ موقع محل کے مطابق تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ۔ دو خصلتیں تمہارے اندر ایسی ہیں جن کی بناء پر تم کثرت سے جہنم میں جاؤ گی۔ ایک تو تم لعنت پھٹکار بہت کرتی ہو۔ ذرا ذرا سی بات پر لکھ لعنت۔ لکھ لعنت' لکھ لعنت۔ عورتوں کی زبان پہ لعنت کا لفظ بہت آتا ہے۔

اور لعنت کی یہ تاثیر ہے کہ جب کسی کے متعلق کی جائے اگر وہ لعنت کا مستحق نہ ہو تو لوٹ کے لعنت کرنے والے پر ہی آتی ہے۔ یہ لعنت کی تاثیر حدیث میں آتی ہے۔ اور لعنت کا معنی ہوتا ہے اللہ کی رحمت سے محرومی۔

عورت کی ناشکری

اور دوسری بات یہ ہے کہ تم خاوند کی ناشکری بہت کرتی ہو۔ یہ ناشکری تمہیں جہنم میں لے جائے گی۔ لیکن ناشکری کی تفصیل اس روایت میں نہیں ہے۔ جو کتاب الایمان میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے۔

بلکہ اس کا ذکر کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الکسوف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف کی نماز پڑھائی جب سورج کو گہن لگ گیا تھا۔ اور اس کے بعد آپ نے جو تقریر کی تھی اس میں اس کا تذکرہ فرمایا عورتوں کے زیادہ جہنم میں جانے کا اور ان کی خاوند کی نافرمانی کا تو خاوند کی نافرمانی کی تفصیل اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ لَوْ اَحْسَنَ اِلَيْكُنَّ الدَّهْرَ۔ اگر خاوند تمہارے ساتھ سارا زمانہ احسان کرتا رہے۔ ثُمَّ رَأَتْ مِنْهُ شَيْئًا۔ پھر عورت مرد کی طرف سے کوئی طبیعت کے خلاف بات دیکھ لے یعنی ساری زندگی اچھا برتاؤ کیا۔ کوئی ایک آدھی بات طبیعت کے خلاف پیش آگئی تو وہ عورت کہتی ہے مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ۔ میں نے تیری طرف سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی۔ (بخاری ۱/۱۴۳) جب سے تیرے گھر آئی ہوں یہی حال ہے۔ ایک ہی فقرے میں ساری زندگی کے احسانات پہ پانی پھر جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

ہیں کہ تمہارا یہ جو جذبہ ہے یہ تمہیں جہنم میں لے جانے والا ہے۔ ساتھ ایک بات کہہ کے پھر اگلی بات عرض کرتا ہوں۔ ہماری مجالس میں وفاق المدارس کے جلسے جو ہوتے ہیں اور ہماری میٹنگیں جو ہوتی ہیں۔ ان میں کئی دفعہ یہ بات زیر بحث آئی۔ کہ لوگ کہتے ہیں کہ مدرسے میں پڑھی ہوئی بچیوں کی جب شادی ہو جاتی ہے یہ خاوند کے ساتھ ٹھیک نہیں رہتیں۔ اکثر و بیشتر ان کے فساد ہوتے ہیں۔ جس کو دلیل بنا کر رسالوں میں مضمون آ رہا ہے۔ کہ یہ مدارس میں جو بچیوں کو پڑھایا جا رہا ہے۔ یہ کامیاب سلسلہ نہیں ہے۔ یہ بچیاں پڑھنے کے بعد گھروں میں جا کے گزارہ نہیں کرتیں۔ اور ان کے ساتھ لڑتی ہیں۔ اکثر و بیشتر طلاق کی نوبت آ جاتی ہے۔ مخالفت کرنے والے اس بات کو دلیل بناتے ہیں۔ اس لیے ہم اب ہر جلسے میں اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ بچیاں پڑھنے کے بعد اپنے کردار، کو اخلاق کو ہر طرح سے اونچا رکھیں۔ اور جب یہ گھروں میں جائیں تو خاوند کے مقام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے ساتھ ادب اور احترام کا معاملہ کریں۔ تا کہ یہ تعلیم کی توہین نہ ہو اور لوگوں کو مدارس کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے کا موقع نہ ملے۔ خاوند کو خدمت کر کے خوش رکھو۔ اور مزاج کے خلاف اگر کوئی بات آ بھی جائے تو اس کو برداشت کرو۔ ایک دفعہ اگر مزاج کے خلاف ہو گیا تو کوئی بات نہیں دوسرے وقت میں اس کی تلافی ہو جائے گی۔ تا کہ یہ لفظ صادق نہ آئیں جو حدیث میں آتے ہیں۔ کہ کوئی خلاف مزاج بات آ جائے تو فوراً زبان پہ یہ آتا ہے کہ تیرے گھر جب سے آئی ہوں میں نے کبھی خیر نہیں دیکھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جہنم میں لے جانے والی باتوں میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے۔ اس بات کو بچیاں یاد رکھیں۔ کہ خاوند کے ساتھ شکر گزاری کا معاملہ اور خاوند کی فرمانبرداری کا معاملہ یہ گھر میں سکون پیدا کرتا ہے اور آپس میں عدم موافقت یہ سمجھ کر کہ خاوند جاہل ہے۔ میں پڑھی ہوئی ہوں اور اس زعم میں آ کے اگر خاوند کے ساتھ ناموافقت ہوتی ہے۔ تو یہ علم دین کی صحیح قدر نہیں اور اس کے متعلق یہ اچھا تاثر نہیں۔ اس سے بچنا چاہیے۔

عورت کی عجیب خصلت

یہ درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر میں نے بات کہہ دی ہے اب اگلی بات اسی روایت میں حضور ﷺ فرماتے ہیں عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے۔ مَا رَاَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَ دِیْنٍ اَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْكُنَّ۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ جو بذات خود تو ناقص العقل والدین ہو۔ دین بھی ناقص عقل بھی ناقص۔ اور عقل مند اور ہوشیار آدمی کی عقل کو لے جائے۔ اور بے وقوف بنانے میں سوائے تمہارے ایسا کوئی نہیں۔ کہ تم ناقصات العقل والدین ہو لیکن ہوشیار آدمی کی عقل مار لیتی ہو۔ یہ اس حدیث کا لفظی ترجمہ ہے۔ جو میں نے پڑھی۔ (بخاری ۱/۴۴)

اب یہ کتنی بڑی بات ہے اور رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے مجمع میں کہدی۔ اب اس مجمع میں عورتوں کی طرف سے فوراً یہ سوال اٹھا (بخاری کی روایت میں ہے) کہ یارسول اللہ مَا نُقْصَانُ عَقْلِنَا وَدِیْنِنَا۔ کہ آپ نے ہمیں جو کہہ دیا کہ یہ ناقصات العقل والدین ہیں...... تو ہمارا نقصان عقل اور نقصان دین کیا ہے؟ یہ سوال تو ہے۔ لیکن یہ کسی روایت میں نہیں کہ عورتوں نے کہا ہو یارسول اللہ! آپ نے کیا کہدیا کہ ہم مردوں کی عقل مار لیتی ہیں یہ کسی نے نہیں پوچھا۔ میرے علم کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو پتہ ہے کہ مردوں کو بے وقوف بنا لینا ہمارا صبح شام کا کام ہے۔ (میں بتاتا ہوں کہ کیسے بناتی ہیں) تو سرور کائنات نے جواب دیا کہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے (یہ حاصل ہے) اگر گواہی کی ضرورت پیش آجائے تو تم میں سے دو کو ایک مرد کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ یہ تمہارے نقصانِ عقل کی وجہ سے ہے۔ کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ اور فرمایا دیکھو! کتنے دن مہینے میں آتے ہیں جن میں تم نہ نماز پڑھتی ہو نہ روزہ رکھتی ہو۔ تو مرد کے مقابلے میں تمہارا دین بھی ناقص۔

عورت مرد کو بے وقوف کیسے بناتی ہے

یہ حضور ﷺ کا جواب ہے ان کے نقصان عقل اور نقصان دین کے بارے

میں۔ لیکن میں پہلے جملے کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں (یہ خطاب بچیوں کو ہے آپ سنتے رہیں تا کہ آپ کو بھی اس بارے میں ذرا روشنی حاصل ہو جائے ورنہ یہ بات میں اپنی بہنوں بیٹیوں سے کر رہا ہوں) کہ مردوں کو تم بے عقل کیسے کر لیتی ہو۔ اس میں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شاید تمہارا کوئی نقص بیان کیا ہے۔ اور نقص بھی ہے۔ (وہ بھی بتاتا ہوں) گھروں میں جو ہمارے ہاں رسم و رواج کی پابندی کی بناء پر مالیات کی بربادی ہوتی ہے۔ منگنی کے موقع پہ شادی کے موقع پہ اور اس قسم کی دوسری رسموں میں۔ اگر آپ اپنی عقل کو ٹھکانے رکھ کے سوچیں گے تو معلوم ہوگا کہ ہم ایسے موقع پر بہت ہی احمقانہ حرکتیں کرتے ہیں۔ اب دس دس ہزار روپے کی آتش بازیاں چھوڑنا۔ اور یہ کرنا' وہ کرنا یہ کونسی عقل کی بات ہے۔ لیکن آپ دیکھیں گے کہ اکثر و بیشتر ان رسوم کی پابندی۔ یہ عورتوں کے اصرار کی بناء پر ہوتی ہے کہ ہم نے ایسا نہ کیا تو برادری کیا کہے گی؟ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو فلاں کیا کہے گا؟ فلاں گھر میں ایسا ہوا ہے ہم نے ایسا ہی کرنا ہے۔ ورنہ ہماری بے عزتی ہو جائے گی۔ اگر آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مرد کہتا ہے میرے پاس گنجائش نہیں وہ کہتی ہے نہیں میں نے ایسا زیور بنوانا ہے۔ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ تو مرد چیخ مارے کیا کرے۔ وہ رشوت لے کچھ کرے؟ لا کے دیتا ہے۔ تو عقل کے ساتھ مرد سوچے تو کتنی ساری غلط رسمیں گھر میں ہوتی ہیں لیکن ان کے اوپر عورتوں کا اصرار ہونے کی بناء پر مرد کرنے پہ مجبور ہوتے ہیں۔ ایسے ایسے اخراجات کرواتی ہیں کپڑں پر' زیورات پر' گھر کے سامان پر' صرف دوسرے کی ریس کرتے ہوئے کہ فلانے گھر میں یہ ہے فلاں گھر میں یہ ہے ہمیں بھی کرنا چاہیے اور ان رسموں کے موقع پر' بیاہ کے موقع پر' منگنی کے موقع پر' اکثر و بیشتر ضد جو ہوتی ہے' عورتوں کی ہوتی ہے۔ کہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو برادری کیا کہے گی۔ تو آدمی جھگڑے سے بچنے کے لیے ان کی بات کو مان لیتا ہے۔ چاہے عقل کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ یہ پہلو بہت نمایاں ہے اگر آپ غور سے دیکھیں گے تو گھر کے اخراجات میں بہت زیادہ اخراجات

ایسے ہیں جو محض عورت ضد کر کے کروا لیتی ہے۔ جبکہ عقل سے سوچا جائے تو اس کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

عورت بہت جلد انقلاب لا سکتی ہے:

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ایک خوبی کا استنباط بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ ہے اصل میں بچیوں کے یاد رکھنے والی بات۔ کہ اللہ نے تمہارے اندر قوت تاثیر اتنی رکھی ہے کہ تم خلاف عقل بات بھی مردوں سے منوا لیتی ہو۔ یہ تمہاری قوتِ تاثیر ہے۔ تو تم اس قوت سے وہ کام جو لیتی ہو گھروں میں اخراجات بڑھانے اور ریس کرنے کا۔ تم اس قوت سے یہ کام کیوں نہیں لیتیں کہ خاوند سے کہو اگر تو نماز نہیں پڑھے گا تو ہم روٹھ جائیں گی۔ ہم روٹی نہیں پکا کے دیں گی۔ تو داڑھی نہیں رکھے گا تو ہم یوں کریں گی۔ رشوت کا مال ہم اپنے گھر میں نہیں آنے دیں گی۔ ہم جاندار کی تصویر گھر میں نہیں لگنے دیں گی۔ ہم ٹی وی گھر میں نہیں رکھنے دیں گی۔ اگر اپنی تعلیم کو سامنے رکھ کر اپنی قوت تاثیر کے ساتھ تم گھروں میں انقلاب لانا چاہو۔ تو میں سمجھتا ہوں جتنی جلدی انقلاب تم لا سکتی ہو مرد نہیں لا سکتے۔

اگر خلافِ عقل بات تم منوا لیتی ہو تو جو مذہب عقل کے مطابق کام ہیں وہ ضد کر کے تم کیوں نہیں کروا سکتیں؟ لازماً کروا سکتی ہو۔ اگر خلاف عقل کام کے لیے مرد کو مجبور کر دیتی ہو تو کیا اچھے کام پر مجبور نہیں کر سکتیں؟ تو آپ اپنی اس قوت تاثیر سے یہ کام لیں۔ کہ ہم یہ غلط کام آپ کو نہیں کرنے دیں گی۔ میں اپنے بچوں کو حرام کھلا کے جہنم میں نہیں جھونکنا چاہتی۔ اس لیے ہم خشک روٹی کھا لیں گی لیکن رشوت کا مال گھر نہ آئے۔

دیکھو بھلا خاوند کس طرح رشوت کا مال گھر میں لاتا ہے۔ ہم ہزار سال وعظ کہتے ہیں کوئی رشوت لینا نہیں چھوڑیگا۔ بیوی ضد کر کے بیٹھ جائے تو اسی دن رشوت کا مال گھر آنا بند ہو جائے گا۔ تو تم اپنی اس قوت تاثیر سے یہ کام لے لو۔

یورپی تہذیب نے عورت کو کتنا ذلیل کیا

اس لیے میں کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو پہچانو۔ اپنے آپ کو پہچانو گی تو تم اتنے کام کی چیز ہو کہ دنیا کو آباد کرتے کرتے ساتھ ساتھ اپنی آخرت کو بھی آباد کرو گی اور مرد کی آخرت کو بھی آباد کرو گی۔ اور آج کے یورپ کے پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں۔ یورپ عورت کو صرف مرد کی شہوت کا نشانہ اور کھلونے کے طور پر جانتا ہے۔ اس کے ہاں نہ کوئی ماں ہے، نہ بیوی ہے، نہ بیٹی ہے، نہ بہن ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عورت محض مرد کے دل بہلانے کی چیز ہے اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں۔ اس لیے بیٹی، بہن، سب کا امتیاز انہوں نے اٹھا دیا۔ کیا ہوتی ہے بہن؟ کیا ہوتی ہے بیٹی؟ لیکن یہ اسلام کی خوبی ہے کہ اس نے کہا نہیں

یہ ماں ہے تو اس کی اتنی عظمت ہے۔ بہن ہے تو اس کی اتنی عظمت ہے۔ بیٹی ہے تو اس کی اتنی عظمت ہے۔ بیوی ہے تو اس کے اتنے حقوق ہیں۔ چار حصوں میں عورتوں کو تقسیم کر کے چار ذمہ داریاں مرد کے اوپر ڈال دیں۔ اس کو ماں سمجھو۔ اس کو بہن سمجھو۔ اس کو بیٹی سمجھو۔ اس کو بیوی سمجھو۔ اور ہر ایک کے حقوق کا خیال رکھو۔

- ایک عورت کسی کی ماں ہوگی وہ ماں ہونے کی حیثیت سے عزت کرے گا۔
- وہی عورت کسی کی بہن ہوگی تو بہن ہونے کی وجہ سے وہ عزت کرے گا۔
- وہی عورت کسی کی بیٹی ہوگی تو بیٹی ہونے کا احترام کرے گا۔
- اور وہی عورت کسی کی بیوی ہوگی تو وہ بیوی ہونے کے اعتبار سے اس کے حقوق ادا کرے گا۔

گویا چار طرف سے اس کو انعامات عطاء کیے ہیں۔ تو عورت کو اسلام نے یہ مقام دیا ہے۔ یورپ نے تو عورت کو مٹی میں ملا کے رکھ دیا۔ اور اس کو اتنا مشقت میں ڈال دیا کہ صبح شام، رات دن۔ (میں کئی دفعہ ایسے سوچا کرتا ہوں آج کل کے دور میں تو سمجھا جاتا ہے کہ یہ دقیانوسی سوچ ہے) گھر میں ایک خاوند کو چائے کی پیالی بنا کے دینا

عورت گراں سمجھتی ہے اور اپنے دو بیٹوں کی خدمت کرنا گھر میں مشکل سمجھتی ہے کہتی ہے نوکر رکھ کے دو۔ لیکن آپ دیکھیں ایئر ہوسٹر جو جہازوں میں کام کرتی ہیں۔ پانچ پانچ سو آدمیوں کو چائے بھی پلاتی ہیں، روٹی بھی کھلاتی ہیں، پانی بھی پلاتی ہیں اور بھاگی پھرتی ہیں۔

اور گھر میں بیٹھ کے خاوند کی خدمت نہیں کر سکتی۔ وہ سمجھتی ہے یہ بے عزتی ہے اور پرائیوں کے آگے اس طرح بھاگی پھرتی ہے، بٹن دبایا، آواز آئی تو بھاگ کھڑی ہوتی ہے۔ پانی لے کے آؤ، چائے لے کے آؤ۔ فلاں چیز لے کے آؤ یہ آرڈر ملتے ہیں اور وہ کس طرح سے فرمانبرداری کرتی ہے۔ یہ مغالطہ اس کو ایسا دیا گیا ہے کہ اس میں سمجھتی ہے کہ عزت ہے۔ افسروں کے دھکے کھانا اور ان کے آگے پیچھے پھرنا اس کو عزت سمجھتی ہے اور گھر میں بیٹھ کے اپنے خاوند اور بیوی بچوں کی خدمت کر کے ان کے ساتھ وقت گزارنے کو غلامی کی زندگی سمجھتی ہے۔ اس طرح آج کے پراپیگنڈے نے تمہیں مغالطے میں ڈال دیا۔ ورنہ تمہارا مقام یہ نہیں ہے۔ بلکہ تمہارا مقام یہ ہے کہ گھر میں ماں بن کے بیٹھو اور اپنا احترام اپنی اولاد سے کراؤ۔ یہ ہے اصل کے اعتبار سے تمہارا منصب۔ تو یہ دینی تعلیم انسان کو اس طرح سے اپنی معرفت نفس دلاتی ہے کہ مرد بھی اپنے آپ کو اس روشنی میں پہچانے اور عورت بھی اپنے آپ کو اس روشنی میں پہچانے۔ اور اپنے آپ کو پہچاننے کے بعد وہ سارے کے سارے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے تو سکون کی زندگی گزرے گی۔

بات کچھ لمبی ہوگئی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد رب العالمین۔

تاثیر لا الہ الا اللہ

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا
بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام
تاریخ: ۹ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
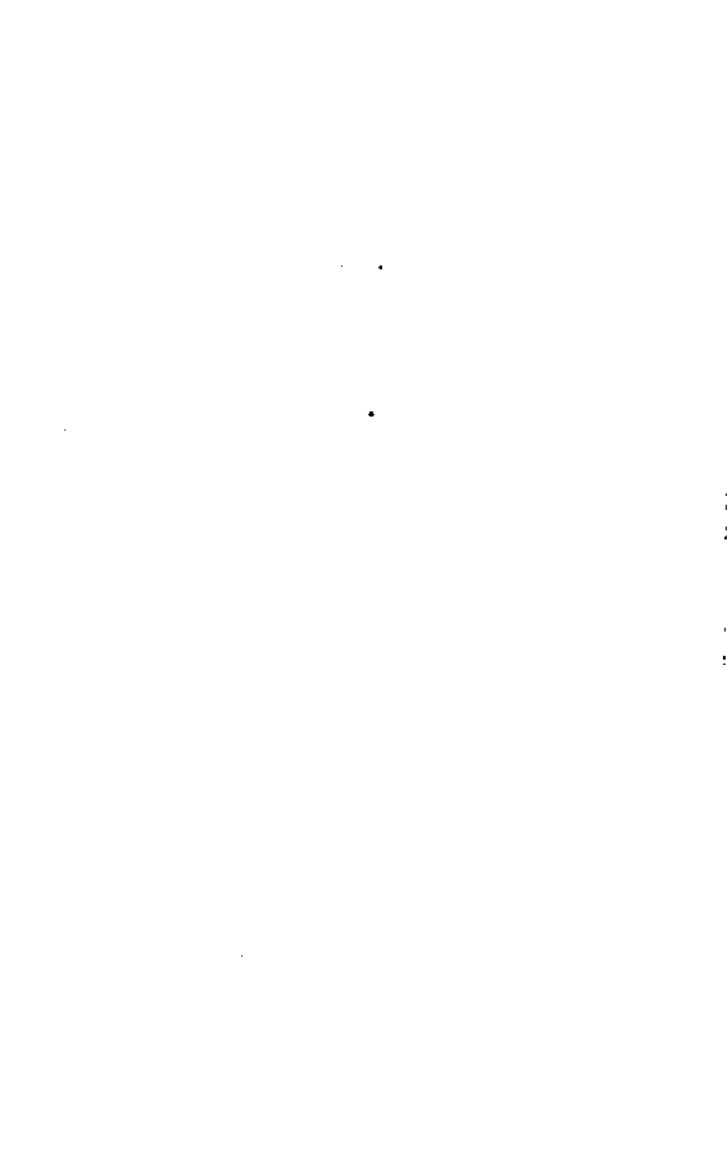
خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ. وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ. وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ. وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ وَعَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

انبیاء کا اجماعی کلمہ

گذشتہ بیان میں آپ کے سامنے سرور کائنات ﷺ کے محمد رسول اللہ ہو جانے کے بعد...... پھر آپ کی ذات سے جو سب سے پہلے سبق پڑھایا گیا وہ لا الہ الا اللہ تھا۔ جس کی وضاحت گذشتہ بیان میں کی تھی۔ لا الہ الا اللہ۔ ایک ایسا کلمہ ہے قرآن کریم کی یہ آیت جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے اس میں اللہ فرماتے ہیں وما ارسلنا من قبلك من رسول۔ یہ طالب علم اس بات کو جانتے ہیں من رسول یہ نکرہ تحت النفی ہے۔ جو استغراق پر دلالت کیا کرتا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا۔ الا نوحی الیہ۔ مگر ہم اس کی طرف یہی وحی کرتے ہیں۔ لا الہ الا انا فاعبدنی میرے بغیر کوئی الہ نہیں صرف میری ہی عبادت کرو۔ کوئی رسول ہم نے نہیں بھیجا جس کی طرف ہم نے یہ وحی نہ کی ہو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ رسالت کے سلسلے میں اول سے لے کر آخر تک ہر رسول کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج کر یہی حکم دیا ہے۔ لا الہ الا انا فاعبدنی ۔ میرے بغیر کوئی معبود نہیں اور میری ہی عبادت کرو کسی دوسرے کی عبادت نہیں۔

ایک مسئلہ آپ کو آپ کے شہر کا ایک مفتی بتائے۔ اس کی کیا اہمیت ہے اور اگر ایک مسئلہ کے صحیح ہونے پر شہر کے سارے مفتی دستخط کر دیں تو اس کی اور زیادہ اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ اگر سارے ملک کے مفتی اس پر دستخط کر دیں کہ مسئلہ ایسے ہی ہے تو آپ جانتے ہیں کہ پھر وہ اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ کوئی شخص بھی مخالفت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ یوں کہے گا کہ بھائی اس مسئلے پر تو سب مفتیوں نے اتفاق کر لیا۔ اب اس سے اختلاف کیسے کیا جائے۔

تو مفتی اکٹھے ہو جائیں تو مسئلہ پکا ہو جاتا ہے تو یہ مسئلہ لا الہ الا اللہ...... یا اللہ کی طرف سے یہ بات کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا...... میرے سوا کوئی معبود نہیں یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اللہ

کی طرف سے دنیا میں جتنے رسول آئے، جتنے نبی آئے...... ایک لاکھ چوبیس ہزار آئے یا اس سے کم و بیش آئے...... (جیسے کہ ہمارا عقیدہ ہے) اس مسئلے کے اوپر ہر نبی کے دستخط ہیں۔ اور اس مسئلے پر ہر رسول کی مہر ہے کہ لا الہ الا اللہ۔ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں۔ اور اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت درست نہیں۔ یہ مسئلہ اتنا مؤکد، اتنا پکا، اتنا ٹھوس ہے کہ یہ ایک شہر کی مفتیوں کی بات نہیں...... ملک کے مفتیوں کی بات نہیں...... سلسلہ نبوت و رسالت میں اول سے لے کر آخر تک ہر نبی نے اس پر دستخط کیے، ہر رسول نے اس پر مہر لگائی کہ مسئلہ ایسے ہی ہے کہ لا الہ الا اللہ۔

یہ سبق مخلوق کو پڑھانے کے لیے اپنے اپنے وقت میں نبیوں نے جو محنت کی وہ تو کتابوں میں مذکور ہے آپ کو سننے پڑھنے کی نوبت کم آتی ہوگی۔

کلمہ کی خاطر حضور پر تکالیف

لیکن سرور کائنات ﷺ نے اس کلمے کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے اور یہ سبق لوگوں کو یاد کرانے کے لیے کتنی محنت کی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا محمد رسول اللہ بننے کے بعد سخت ترین کام ہے۔ جس وقت آپ محمد بن عبد اللہ تھے سب کے محبوب تھے لوگ رستے میں آنکھیں بچھاتے تھے، صادق الامین کہتے تھے، عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مشورہ آپ سے لیتے تھے۔ امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے، ہر کسی کے دل میں عزت تھی، ہر کسی کی زبان پر تعریف تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے یہ امانت سپرد کی اور یہ کہا کہ اس کو آگے پہنچاؤ تو یہ دور آپ ﷺ کی زندگی کا سخت ترین دور ہے اور آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ کے رستے میں اس کلمہ کی وجہ سے اتنی تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ اتنی تکلیف کسی رسول کو...... کسی نبی کو نہیں پہنچائی گئیں...... جتنی تکلیف مجھے پہنچائی گئی۔ (ترمذی ۲/۷۳) یہ کلمہ اتنا قیمتی ہے کہ رسول اللہ نے بہت بڑی محنت کے ساتھ آپ کی طرف منتقل کیا ہے۔

عورت کا شرف

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ عورتوں میں سے اس کلمے کو قبول کرنے والی سب سے پہلی وہ خاتون جس نے اس کلمے کو قبول کیا وہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ یہ عورتوں کو شرف حاصل ہے کہ اس صداقت کو نبی کی زبان سے سن کر سب سے پہلے ایک عورت نے قبول کیا ہے۔ اس صداقت کو سب سے پہلے قبول کرنے والی ایک عورت ہے۔ حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا سب سے پہلے ایمان لانے والی ہیں۔

کلمہ کی خاطر سمیہ رضی اللہ عنہا کے دو ٹکڑے

اور مکہ معظمہ کی ایک باندی...... جس کا نام سمیہ رضی اللہ عنہا تھا...... جس کے شوہر کا نام یاسر رضی اللہ عنہ تھا...... جس کے بیٹے کا نام عمار رضی اللہ عنہ ہے...... یہ باندی بھی ابتداء ابتداءً دس کلمہ پڑھنے والوں میں سے ہے۔ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لا الہ الا اللہ کو قبول کیا۔ خدیجۃ الکبری تو بڑی عورت تھیں۔ بڑے خاندان سے تھیں۔ صاحب حیثیت تھیں۔ دولت مند تھیں۔ اس پر تو کسی کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس لیے تاریخ میں یہ کوئی واقعہ نہیں آیا کہ اس کلمہ پڑھنے کی بناء پر حضرت خدیجہؓ پر کسی نے سختی کی ہو تو وہ خاندانی عورت تھی، صاحب حیثیت تھیں، دولت مند تھیں نہ اس پر کسی کی زبان کھلی، نہ اس پر کسی کا ہاتھ اٹھا۔ اس کلمے کو پڑھنے کی وجہ سے

لیکن سمیہ رضی اللہ عنہا ایک غریب عورت تھی۔ باندی تھی۔ کوئی اس کا خاندان نہیں تھا۔ صاحب ثروت نہیں تھی۔ لیکن اس نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر اس کلمے کو قبول کیا اور اس کے شوہر نے بھی قبول کیا۔ تو آپ کو معلوم ہے کہ اس کلمہ پڑھنے کی حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو کیا قیمت ادا کرنی پڑی۔ زبان سے کہہ دینا آسان ہے۔ اگر آپ صحیح طور پر اس کا تصور کریں تو حقیقت ہے کہ پتہ پانی ہو جاتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے

ہیں۔ اس پر بہت سختی ہوئی کوئی اس کی مدد کرنے والا نہیں تھا۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل ملعون نے پکڑا اور اسے کہا کہ اس کلمے کو چھوڑ دے۔ یہ کلمہ نہ پڑھ۔ حضرت سمیہ نہیں مانیں تو ابوجہل دو اونٹ لایا۔ سمیہ رضی اللہ عنہا کا ایک پاؤں ایک اونٹ کے ساتھ باندھا اور دوسرا پاؤں دوسرے اونٹ کے ساتھ باندھا اور دونوں اونٹ مختلف سمت کو چلا دیے۔ ایک ادھر کو چلا دیا۔ ایک ادھر کو چلا دیا۔ جس سے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ (روح المعانی ۱۴/ ۲۳۷)

یہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے اس کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کی قیمت ادا کی۔ اور یہ آپ حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کلمے کی خاطر سب سے پہلے خون بہانے والی عورت ہے۔ پہلی شہیدۂ اسلام عورت ہے۔ وہ یہی حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ایسے ہی ان کے شوہر یاسر رضی اللہ عنہ ان سختیوں کی وجہ سے دنیا سے رخصت ہو گئے تو ابتداء یہاں سے ہوئی اور جو کچھ بلال رضی اللہ عنہ نے اس کی قیمت اداء کی وہ آپ سنتے رہتے ہیں۔ جو کچھ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اس کی قیمت اداء کی وہ آپ سنتے رہتے ہیں۔ جس نے بھی کلمہ پڑھا اس کے اوپر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے لیکن یہ کلمہ کچھ ایسا پیارا تھا کہ جب ایک دفعہ زبان سے اداء کرنے کے بعد دل میں اتر گیا تو پھر لوگوں نے

- انگاروں کے اوپر لیٹنا تو برداشت کر لیا
- پتھروں کے نیچے دبنا تو برداشت کر لیا
- اپنے بدن کے ٹکڑے کروانے تو برداشت کر لیے

لیکن اس کلمے کو نہیں چھوڑا۔ یہ کلمہ اتنا قیمتی کہ اس کی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا قیمت اداء کی۔ آپ مکہ معظمہ میں سب سے زیادہ لوگوں میں سمجھ دار سمجھے جاتے تھے۔

مشرکین کو محمد کہنا ہی گوارہ نہ تھا

لیکن جب آپ نے اس کلمے کا گیت گایا اور گلی کوچوں میں لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگائیں۔ تو قرآن کہتا ہے

❀ کہ آپ کو مجنون قرار دیا گیا کہ تو تو پاگل ہو گیا' دیوانہ ہو گیا۔

❀ آپ کو ساحر کہا گیا' جادوگر کہا گیا۔

❀ جنوں سے باتیں پوچھ پوچھ کے بتانے والا کاہن کہا گیا

❀ اور اسی طرح آپ کے لیے شاعر کا لفظ استعمال ہوا۔

جو کسی کے منہ میں آتا تھا وہ بولتا تھا...... بکتا تھا اور سرور کائنات ﷺ کے متعلق اس قسم کی باتیں ہوتی تھیں۔ حتیٰ کہ اتنا پیارا نام محمد...... کہ جب انسان یہ نام لیتا ہے تو دونوں ہونٹ آپس میں معانقہ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو چومتے ہیں۔ اتنا پیارا نام (ذرا زبان سے اداء کر کے دیکھ لو) تو مشرکین کو نام لینا تک گوارہ نہیں تھا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب وہ آپ کا تذکرہ کرتے تو محمد نہیں کہتے تھے۔ کیونکہ محمد کا معنی ہے بہت تعریف کیا ہوا۔ بار بار حمد کیا ہوا۔ جس کی بہت تعریف کی جائے اس کو محمد کہتے ہیں۔ تو وہ محمد کی بجائے آپ کو مُذمّم کہتے تھے۔ مُذمّم کا لفظ مذمت سے لیا گیا ہے یعنی برائی بیان کیا ہوا۔ جس کی بار بار برائی کی جائے۔ تو محمد کی بجائے ان کی زبان پر مذمم کا لفظ آتا تھا۔ مشکوٰۃ باب اسماء النبی کے اندر روایت موجود ہے۔ (اللہ اکبر) تو جب سرور کائنات ﷺ کو پتہ چلا کہ یہ مشرک مجھے مذمم کہتے ہیں۔ (یہ بہت بڑی دکھ اور صدمے کی بات تھی) لیکن آپ نے اپنے آپ کو اور اپنے صحابہ کو کتنے اچھے انداز میں تسلی دی۔ فرمایا کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے قریش کے شتم اور لعن کو یعنی قریش مجھے گالی دیتے ہیں اور قریش مجھ پہ لعنت کرتے ہیں تو ان کی لعنت اور ان کی گالی کو اللہ نے کیسے مجھ سے پرے ہٹا دیا كَيْفَ صَرَفَ اللّٰهُ عَنِّيْ شَتْمَهُمْ وَلَعْنَهُمْ. اللہ نے قریش کی گالی اور لعنت کو کیسے پرے ہٹا دیا...... يَشْتِمُوْنَ مُذَمَّمًا وَاَنَا مُحَمَّدٌ...... وہ گالی مذمم کو دیتے ہیں...... لعنت مذمم پہ کرتے ہیں۔ جو مذمم ہوگا اس کو گالی لگے گی...... اس کو لعنت لگے گی۔ میں تو محمد ہوں تو اللہ نے میرے سے ان کی گالی اور لعنت کیسے دور ہٹا دی۔ (بخاری ۱/۵۰۱)

تو یہ ایک قیمت ہے جو سرور کائنات ﷺ نے اداء کی۔ آگے آپ چلتے تھے...... پیچھے پیچھے ابولہب اور آپ ہی کے خاندان کے لوگ پتھر اٹھا اٹھا کے مارتے تھے۔ لوگوں کو کہتے تھے یہ پاگل ہے اس کی بات نہ سنو۔ پنڈلیاں لہولہان ہو جاتی تھیں۔ بدن زخمی ہو جاتا تھا۔ لیکن آپ تھے کہ یہ آواز لگاتے چلے جاتے تھے...... قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا...... لا الہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے۔ میرے عزیزو! اس کلمے کو معمولی نہ سمجھو۔ اللہ کے نبی نے اس کلمے پر بہت محنت کی ہے۔ بہت اذیت اٹھائی ہے۔ تب یہ کلمہ ہم تک پہنچا اور اس کے لیے معلوم نہیں کتنے مقدس لوگوں کے خون بہے اور کتنی مقدس ہستیاں قربان ہوئیں۔ تب جا کر یہ کلمہ ہماری طرف آیا تو یہ معمولی بات نہیں ہے۔ یہ قدر کرنے کی چیز ہے...... اس کی قدر پہچاننی چاہیے۔

لا الہ الا اللہ کا نظریاتی انقلاب

اب یہ کلمہ لا الہ الا اللہ اس کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت اس کی یہ ہے کہ یہ عقیدہ ہے۔ پہلا انقلاب سارا اس کی حقیقت میں آجاتا ہے۔ اس عقیدے نے آ کے دل اور دماغ میں انقلاب برپا کر دیا۔ اس زمانے میں لوگ پتھر کے خداؤں کے سامنے جھکتے تھے۔ لکڑی کے بنے ہوئے خداؤں کے سامنے جھکتے تھے۔ درخت ان کا مسجود تھا۔ جانور ان کے مسجود تھے پانی' آگ' سورج' چاند' ستارے کون سی چیز ایسی ہے کہ جس کی انسان پوجا نہیں کرتا تھا اور اس کے سامنے اپنی پیشانی نہیں رگڑتا تھا تو جن بھوت وغیرہ ان سب کے سامنے انسان جھکا ہوا تھا۔ یہ توہمات جیسے قرآن میں آتا ہے کہ جب یہ لوگ سفر کرتے اور کسی وادی میں جا کے ٹھہرتے تو یہ کہا کرتے تھے جو اس وادی میں جنوں کا سردار ہے ہم اس کی پناہ میں آتے ہیں تاکہ اس کے ماتحت دوسرے قسم کے جن ہمیں تکلیف نہ پہنچا سکیں۔ اس طرح سے جنوں کو بھی اپنے اوپر مسلط کیا ہوا تھا تو ہر چیز سے ڈرتے تھے۔

لا الہ الا اللہ نے آ کے ایسا انقلاب برپا کیا کہ لا الہ الا اللہ کا مفہوم (یہ دیکھو توحید

کا مسئلہ توجہ کریں' لوگ کہتے ہیں توحید کا مسئلہ بہت مشکل ہے۔ مشکل بھی ہے۔ لیکن آسان بھی انتہائی ہے۔ عرب کے بدو جو نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا جانتے تھے حضور ﷺ نے ان بدوں کو یہ مسئلہ سمجھا دیا اور وہ بدو انتہائی اعلیٰ درجے کے موحد ہو گئے تو یہ آسان ہے۔ ایک دفعہ انسان اس کو حلق سے اتار لے اس کے بعد یہ انتہائی آسان ہے۔) لا الہ الا اللہ نے آ کے "لا" کی تلوار ایسی چلائی کہ سارے بت ختم کر دیے۔ جن چیزوں کا رعب انسان کے اوپر تھا سب جھاڑ کے رکھ دیے۔ کوئی نہیں سوائے اللہ کے۔ کوئی نہیں' میرا معبود کوئی نہیں...... میرا مسجود کوئی نہیں۔

- میری بنانے والا کوئی نہیں...... بگاڑنے والا کوئی نہیں۔
- دینے والا کوئی نہیں...... لینے والا کوئی نہیں۔
- پالنے والا کوئی نہیں...... زندگی دینے والا کوئی نہیں۔
- عزت دینے والا کوئی نہیں...... ذلت سے بچانے والا کوئی نہیں سوائے خدا کے۔

یہ سبق پڑھا دیا اور اس سبق نے آ کے دلوں میں اتنی قوت پیدا کی کہ جو پتھروں کی تصویروں سے ڈرتے تھے...... وہ تلواریں لے کے قیصر و کسریٰ کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے...... اور جو وادیوں میں اترتے ہوئے وہمی قسم کے جنوں اور بتوں سے ڈرتے تھے اور ہر چیز سے ڈر کے ان کا پیشاب نکلتا تھا...... وہی لوگ جب لا الہ الا اللہ کو انہوں نے سمجھا کہ کوئی کچھ نہیں سوائے اللہ کے۔ جو کچھ ہے سب اللہ ہے۔ کوئی معبود نہیں۔ کسی کے سامنے ہمیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

تو وہی بتوں سے ڈرنے والے' جانوروں سے ڈرنے والے' بے جان چیزوں سے ڈرنے والے' وہمی چیزوں سے ڈرنے والے' اتنے بہادر اور اتنے شیر ہو گئے کہ اس وقت کی دونوں حکومتیں کسریٰ اور قیصر پوری دنیا کے اوپر حاوی تھیں۔ کسریٰ یہ ایران کی حکومت۔ قیصر یہ روم کی حکومت۔ روم کا بادشاہ قیصر کہلاتا تھا۔ فارس اور ایران کا بادشاہ

کسریٰ کہلاتا تھا۔ تو یہ دونوں حکومتیں پوری دنیا پر حاوی تھیں۔ اور ان کے مقابلے میں کوئی تیسری قوت نہیں تھی تو یہی وہمی۔ جنوں سے ڈرنے والے قیصر وکسریٰ کے مقابلے میں تلوار لے کے کھڑے ہو گئے اور پھر آپ نے دیکھا کہ اسی لا الہ الا اللہ کی قوت کے ساتھ۔ انہی لوگوں نے انہی بدوں نے جن کو ابتر سمجھا جاتا تھا کہ کسی کام کے نہیں تھے انہی کی تلوار نے کسریٰ کے ٹکڑے کردیئے' قیصر کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے اور یہ دونوں حکومتیں اس لا الہ الا اللہ کی برکت سے انہی بدوں کے قدموں میں آ گئیں۔ کیا یہ تاریخ کا سبق آپ کو معلوم نہیں ہے؟ اس سے آپ اندازہ کیجیے کہ لا الہ الا اللہ کے اندر کتنی قوت ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ بعضی باتیں جو کتابوں میں پڑھ کر ہم عقیدت کے ساتھ ان کو مانتے تھے اب چونکہ لوگوں کے ایمان کمزور ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کو سمجھانے کے لیے بہت مثالیں ہمارے سامنے رکھ دیں کہ اگر کوئی آدمی سمجھنا چاہے تو ان کے ذریعے سمجھ سکتا ہے۔ بہت بڑے غیبی حقائق کو سمجھانے کے لیے اب اتنی مثالیں موجود ہیں کہ ان غیبی حقائق کا سمجھانا اب بہت آسان ہو گیا اور موقع بموقع آپ کے سامنے باتیں آتی رہتی ہیں۔

دور حاضر کی زندہ مثال

اس دور میں لا الہ الا اللہ کی قوت جس کا مظاہرہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوا وہ افغانستان کی حکومت ہے۔ جس نے لا الہ الا اللہ کی قوت کا مظاہرہ کیا۔ ایک سور کی ٹانگیں توڑ دیں اور اس طرح روس کی حکومت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دکھا دیا کہ یہ اتنی بڑی قوت جس سے یورپ کانپتا تھا...... امریکہ کانپتا تھا۔ لیکن اسی لا الہ الا اللہ کی قوت پر یقین کرنے والوں نے اس کا کیا حشر کر دیا۔ آپ کے سامنے ہے۔

اب پھر دوسرا طاغوت سر اٹھا رہا ہے اور ان شاء اللہ العزیز یہی پہاڑی لوگ...... جو لا الہ الا اللہ پر یقین کیے بیٹھے ہیں کہ خدا کے علاوہ کوئی نہیں...... کسی کے ہاتھ میں نہ عزت ہے نہ ذلت ہے۔ کسی کے ہاتھ میں نہ فتح ہے نہ شکست ہے...... سوائے خدا

کے۔ یہ دوسرا طاغوت بھی ان شاء اللہ العزیز ٹانگیں انہی سے تڑوائے گا۔ امریکہ جتنا ذلیل اب ان کے ہاتھ سے ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے کبھی اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہ پہاڑی لوگ جن کے پاس کچھ کھانے کو نہیں...... کچھ پینے کو نہیں...... پھٹے ہوئے کپڑے۔ چٹائیوں پہ سونے والے آج امریکہ کو آنکھیں دکھا رہے ہیں۔ یہ قوت اگر ان کے اندر ہے تو لا الہ الا اللہ کی قوت ہے۔ اللہ پر ایمان کی قوت ہے کہ کوئی کچھ نہیں کر سکتا...... نہ روس کچھ کر سکتا ہے...... نہ امریکہ کچھ کر سکتا ہے۔ اگر کچھ ہے تو اللہ ہے تو آج امریکہ بھی لرزہ براندام ہے اور روس تو اپنے زخم چاٹ رہا ہے۔

اسی لیے ہمارے بزرگ کہتے ہیں اور اپنی حکومت کو بار بار جھنجھوڑ کر کے کہتے ہیں کہ تمہارے اوپر امریکہ ایسے مسلط ہے جیسے مشرکین کے اوپر پتھر کے بت مسلط تھے۔ اس بت کو اگر توڑنا ہے تو لا الہ الا اللہ کے ساتھ توڑو۔ اپنے دل میں یقین پیدا کر لو کہ امریکہ کچھ نہیں کر سکتا۔ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اسی طرح سے امریکہ کو آنکھیں دکھا دو جس طرح افغانستان نے دکھائی ہیں۔ ٹھیک ہے اللہ کی طرف سے ابتلاء بھی آتا ہے۔

ان بے چاروں پہ تھوڑا ابتلاء آیا ہے۔ انہوں نے تھوڑا خون بہایا ہے۔ لیکن آخر انہوں نے اپنی قوت منوالی اور اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو عزت دے دی۔ آج ہمیں بھی اگر عزت ملے گی...... تو اسی لا الہ الا اللہ کی بناء پر ملے گی۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہمیں عزت نہیں دلا سکتی۔ ہم اس طرح سے ان کے سامنے ذلیل ہو کے ناک رگڑیں گے جس طرح سے جاہلیت کے زمانے میں لوگ ناک رگڑتے تھے۔ تو آؤ لا الہ الا اللہ کا سبق پڑھو اور یہ کہو کہ اللہ کے علاوہ کسی کی قوت و طاقت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

اگر آج اسامہ دنیا کے اوپر زندہ ہے...... یہ علامت ہے اس بات کی کہ اللہ کی قوت کے مقابلے میں کسی کی قوت نہیں۔ چاہے وہ روس ہو...... چاہے امریکہ ہو۔ ایک اسامہ کا زندہ رہنا ساری قوتوں کی نفی ہے سوائے اللہ کی ذات کے۔ ورنہ اس شخص کو ان لوگوں نے مارنے کے لیے کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ ساری دنیا گھٹنے ٹیک کے بیٹھ گئی۔

مرے گا اس دن جب اس کی موت لکھی ہوئی ہوگی۔تو یہ لا الہ الا اللہ کی قوت اس کے پڑھنے کے بعد ان نہتے لوگوں میں آگئی تھی اور انہوں نے قیصر و کسریٰ کو آنکھیں دکھائیں اور ان مملکتوں کے نشان دنیا سے مٹادیے اور اب ان شاء اللہ العزیز یہی لہر جو اٹھ رہی ہے۔جیسے جیسے آہستہ آہستہ امت محمدیہ...... دوبارہ اس کلمے کی طرف لوٹ کے آرہی ہے تو ان شاء اللہ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے۔جس کی پیشین گوئی حدیث میں ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ سوائے دین اسلام کے دنیا میں کچھ باقی نہیں رہے گا۔ اب یہ ٹکراؤ اپنی انتہا کو پہنچ رہا ہے۔آپ لوگ اپنے دل کے اندر یہ قوت پیدا کریں کہ اللہ کے علاوہ کوئی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔تو ان شاء اللہ یہی قوت ان باطل قوتوں کو...... باطل طاقتوں کو...... گھٹنے ٹیکنے پہ مجبور کرے گی اور دنیا دیکھے گی کہ لا الہ الا اللہ کی قوت تھی۔جس سے پوری دنیائے کفر گھبرا گئی ہے اور ان شاء اللہ ہو کے رہے گا۔

یہ تو اس کا عقیدے والا پہلو ہے کہ اپنے دل کے اندر ہر قوت کی نفی کر دو...... سوائے اللہ کے۔باقی یہ کہ ہم زبان سے پڑھیں اور دل میں اس کے کوئی اثرات نہ جائیں۔اس میں قصور ہمارا ہے...... اس کلمے کا قصور نہیں ہے۔بہت بڑی طاقت کی گولی ہو اگر آپ اس کو صحیح طریقے سے نہ کھائیں پھر اس کی قوت کا اظہار نہ ہو...... تو گولی پہ عیب نہ لگاؤ۔اصل کے اعتبار سے آپ کا استعمال کرنے کا طریقہ غلط ہے۔صحیح طریقے سے استعمال کرو تو ان شاء اللہ اس کے یہی اثرات نمایاں ہوں گے۔

کلمے کا انقلاب جادوگروں میں

فرعون کے مقابلے میں موسیٰ علیہ السلام آئے تھے۔ان کے پاس کیا تھا؟ یہی لا الہ الا اللہ کی قوت تھی کہ فرعون کو بھی آنکھیں دکھائیں۔مقابلے میں جادوگر آئے...... وہ فرعون کے وظیفہ خور تھے...... یہ طمع لے کر آئے تھے کہ موسیٰ کے مقابلے میں فتح پائیں گے تو ہمیں انعام دے گا۔قرآن نے آپ کو واقعہ نہیں سنایا؟ لیکن جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صحبت میں آکر متاثر ہوگئے اور انہوں نے کلمہ پڑھ لیا۔ایمان لے آئے۔

ایمان لانے کا مطلب وہی ہے کہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا۔ چونکہ ہر نبی کی تعلیم یہی ہے تو پھر قرآن کہتا ہے کہ فرعون نے ان کلمہ گو مسلمانوں کو دھمکایا اور اتنی بڑی شدید دھمکی دی۔ لَاُ قَطِّعَنَّ اَیْدِیَکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ. تم میرے کہنے کے بغیر...... میری اجازت کے بغیر ایمان لائے ہو۔ میں تمہارے ہاتھ کاٹوں گا...... میں تمہارے پاؤں کاٹوں گا۔ وَلَاُصَلِّبَنَّکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ کھجور کے تنوں کے اوپر لٹکا کے تمہیں پھانسی دوں گا۔ یہ فرعون نے جادوگروں سے کہا...... جنہوں نے ابھی ابھی کلمہ پڑھا تھا۔ نبی کی صحبت سے متاثر ہوکر ابھی ابھی میدان میں کلمہ پڑھا...... تو فرعون نے دھمکایا کہ تمہیں پتہ چل جائے گا اَیُّنَا اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی...... کہ سزا کس کی سخت ہے...... موسیٰ کی یا میری۔ یہ تمہیں پتہ چل جائے گا۔ تو جنہوں نے نبی کی صحبت میں کلمہ پڑھا تھا تو جیسے حضور کے صحابہ نے پختگی دکھائی...... موسیٰ کے صحابہ کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ ان جادوگروں نے فرعون کو کہا لَنْ نُّؤْثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ...... یہ الفاظ قرآن نے نقل کیے ہیں۔ ہم تجھے ترجیح نہیں دے سکتے ان واضح دلائل کے مقابلے میں جو ہمارے سامنے آ گئے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ جو تجھ سے ہوتا ہے کر لے۔

ہاتھ کٹوانے منظور کر لیے...... کھجوروں پہ لٹکنا منظور کر لیا...... پھانسی پانی منظور کر لی...... لیکن جب ایک دفعہ سمجھ کے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا تو اس کے مقابلے میں کسی مصیبت کی پرواہ نہیں کی۔

لا الہ الا اللہ بحیثیت ذکر

یہ تھا اس کے عقیدے کا پہلو اور عقیدے کے ساتھ ایک پہلو لا الہ الا اللہ کا ذکر والا بھی ہے۔ کہ یہ کلمہ صرف عقیدہ حاصل کرنے کے لیے نہیں پڑھا جاتا۔ بلکہ برکت کے لیے اس کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں ہے اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (ترمذی ۲/۱۷۵) (محمد رسول اللہ ساتھ نہیں ہے یہ بات یاد رکھنا۔ یہ کسی جگہ

مسجد کے اوپر لکھا ہوتا ہے افضل الذکر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ. یہ غلط ہے ذکر لا الہ الا اللہ ہے محمد رسول اللہ ذکر نہیں ہے بلکہ عقیدہ ہے۔ سارا دن آپ بیٹھے پڑھتے رہیں محمد رسول اللہ، محمد رسول اللہ یہ ذکر نہیں صوفیاء کے ہاں کسی سلسلے کے اندر یہ ذکر نہیں ہے۔ یہ ایک عقیدے کا اقرار ہے جیسے ہم کہیں قیامت آنے والی ہے، قیامت آنے والی ہے۔ قرآن اللہ کی کتاب ہے قرآن اللہ کی کتاب ہے تو یہ ذکر نہیں ہے۔ یہ ایک عقیدہ ہے۔ ہاں البتہ لا الہ الا اللہ ذکر ہے اور اس کو بطور ذکر کے پڑھا جاتا ہے۔ اس کی کثرت کی تاکید ہے) حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے ایمان کو تازہ کرو لا الہ الا اللہ کی کثرت کے ساتھ۔ (مسند احمد رقم ۸۳۵۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا یا اللہ مجھے کوئی ایسا کلمہ بتا کہ جس کے ساتھ میں تجھے یاد کیا کروں۔ مجھے کوئی ایسی بات بتا دو۔ تو اللہ نے کہا لا الہ الا اللہ پڑھا کرو۔ تو موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے۔ یہ تو ساری مخلوق ہی پڑھتی ہے۔ مجھے کوئی خاص وظیفہ بتاؤ جو کسی اور کو معلوم نہ ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے موسیٰ! ساتوں آسمان...... ساتوں زمینیں...... پوری کائنات...... ایک پلڑے میں رکھ دو اور لا الہ الا اللہ کو دوسرے پلڑے میں رکھ دو تو لا الہ الا اللہ سب کے مقابلے میں وزنی ہے (صحیح ابن حبان ۱۴/۱۰۲۔ مشکوۃ ۱/۲۰۱) تو سب سے بہتر اور سب سے اچھا وظیفہ لا الہ الا اللہ ہے۔ اور یہی سرور کائنات ﷺ نے تلقین فرمایا۔

غریب لوگوں کے لیے نادر تحفہ

ویسے عام طور پر جو ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ سبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ اس میں لا الہ الا اللہ کے ساتھ سبحان اللہ و بحمد اللہ واللہ اکبر کے کلمات بھی ہیں۔ بلکہ بعض بعض جگہوں میں سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر کے کلمات کو زیادہ تاکید سے ذکر کیا ہوا ہے چونکہ ان کا حاصل بھی لا الہ الا اللہ ہی ہے اور جب صحابہ کرام مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے تشریف لے گئے (یہ تھوڑی سی صوفیوں والی بات بھی

کردوں) تو انصار مدینے نے مہاجرین کی جس طرح سے خدمت کی وہ واقعات آپ سنتے رہتے ہیں کسی چیز کی پرواہ نہیں کی۔ اپنی جائیدادیں قربان کردیں گھر خالی کردیے۔ مکان دے دیے۔ بہت زیادہ مروت کے ساتھ مہاجرین کے ساتھ وہ پیش آئے۔ تو جو مہاجرین تھے ان کی بھی چونکہ تربیت سرور کائنات ﷺ سے ہوئی ہوئی تھی۔ ان کو انصار کے احسانات کا بڑا احساس تھا کہ ہم پر یہ بہت احسانات کررہے ہیں تو ایک دن مہاجرین میں سے بعض لوگ سرور کائنات ﷺ کے پاس گئے۔ جا کے کہنے لگے یا رسول اللہ! ہم ایسے لوگوں کے درمیان آگئے ہیں جو اتنے خیر خواہ ہیں کہ شاید کوئی قوم اس سے زیادہ خیر خواہی کسی کے ساتھ نہیں کرسکتی۔ اب ہم ہیں آپس میں نیکی میں مقابلہ کرنے والے قرآن کہتا ہے کہ نیکی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اب ہم نیکی میں آگے کیسے بڑھیں۔

وہ صدقہ کرتے ہیں ان کے پاس پیسے ہیں۔ ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں ہم صدقہ کیسے کریں۔

وہ قربانی کرتے ہیں ان کے پاس گنجائش ہے۔ ہمارے پاس گنجائش نہیں ہم قربانی کیسے کریں۔

وہ غلام آزاد کرتے ہیں ان کے پاس گنجائش ہے۔ ہمارے پاس غلام نہیں ہم غلام کیسے آزاد کریں۔

غرضیکہ جتنی مالی عبادتیں ہیں وہ ساری کی ساری انصار کرتے ہیں ہم نہیں کرسکتے کیونکہ ہمارے پاس تو پیسے نہیں ہیں تو پھر ہم ان کا مقابلہ کیسے کرسکتے ہیں؟ وہ تو نیکی میں بہت آگے نکل جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک وظیفہ بتا دیتا ہوں۔ یہ وظیفہ پڑھا کرو تو تم ان سے بھی آگے نکل جاؤ گے کہ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ ۳۳ بار۔ الحمد للہ ۳۳ بار۔ اللہ اکبر ۳۴ بار یا ۳۳ بار اور ایک بار لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ الخ یہ پڑھ لیا کرو۔ (بخاری ۱/۱۱۶) ان کے پڑھنے کے ساتھ تمہیں اتنا ثواب ملے گا کہ تم

صدقہ خیرات کرنے والوں کے مقابلے میں ان سے آگے نکل جاؤ گے۔ یہ سرور کائنات ﷺ نے مہاجرین کو وظیفہ بتایا (اس روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس کے پاس صدقہ خیرات کرنے کے لیے کچھ نہ ہو...... اگر کوئی ان کلمات کو پڑھتا رہے تو صدقہ خیرات سے بھی زیادہ اس کو ثواب مل جائے گا...... تو غریب لوگوں کو فائدہ اٹھانا چاہیے) تو مہاجر بے چارے خوش ہو گئے کہ حضور ﷺ نے ہمیں وظیفہ بتا دیا اور ہم یہ وظیفہ پڑھیں گے تو ہمیں صدقہ خیرات کرنے والوں کے برابر ثواب مل جائے گا۔ یا ان سے بھی زیادہ مل جائے گا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ انصار بھی اپنے سرمایہ پر ناز کر کے غافل بیٹھے ہوئے نہیں تھے۔ جس طرح سے آج کل دولت مند طبقہ اپنی دولت کے نشے میں مست ہے۔ اس کو کوئی پتہ نہیں کہ کون نیکی کر رہا ہے اور ہمیں بھی اس کے مقابلے میں کرنی چاہیے۔ تو انصار ایسے نہیں تھے۔ وہ بھی ہر وقت نیکی کے مواقع تلاش کرتے تھے۔ ان کو پتہ چلا کہ حضور ﷺ نے مہاجرین کو نماز کے بعد پڑھنے کے لیے یہ وظیفہ بتایا ہے۔ تو انہوں نے بھی وہ وظیفہ شروع کر دیا تو جیسے مہاجر پڑھتے تھے وہ بھی پڑھنے لگ گئے۔ تو اس میں بھی برابری ہو گئی۔ جب اس میں برابری ہو گئی تو پھر مہاجرین رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہیں یا رسول اللہ! وہ وظیفہ تو ہمارے انصار بھائیوں نے بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ جو آپ نے ہمیں بتایا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ذالك فضل الله يوتيه من يشاء کہ بھائی! یہ تو اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے دے دے۔ اگر کوئی دولت مند طبقہ ذکر بھی کرتا ہے صدقہ خیرات بھی کرتا ہے تو ٹھیک ہے ان کے اوپر اللہ کا فضل ہے۔ اللہ جسے چاہے اپنا فضل دے دے۔ (مسلم ۱/۲۱۹)

یہ روایت بتاتی ہے کہ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ۔ الحمد للہ۔ اللہ اکبر کا پڑھنا کتنا اعلیٰ وظیفہ ہے۔ اگر آپ اس کی عادت ڈال لیں تو یہ صدقہ خیرات قربانی کی جن میں صلاحیت نہیں ہے، کوئی غریب آدمی ہے، پیسے خرچ نہیں کر سکتا تو کتنا ہلکا پھلکا وظیفہ ہے۔ کہ اس کے پڑھنے کے ساتھ اس کی تلافی ہو جائے گی۔ انصار اسی سے آگے بڑھ گئے

ان کو اللہ نے توفیق دی کہ وہ صدقہ خیرات بھی کرتے تھے۔ وظیفہ بھی کرتے تھے اور سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔ کہ یہ وظیفہ قبولیت نماز کا ذریعہ ہے کہ اگر آپ نماز پڑھنے کے بعد یہ وظیفہ پڑھ لیا کریں تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس نماز کو قبول کر لیتے ہیں اور انہوں نے استدلال اس آیت سے کیا ہے الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ کہ عمل صالح کو یہ کلمات اوپر اٹھاتے ہیں نماز پڑھ کر اگر آپ یہ کلمات پڑھیں گے تو ان کی برکت سے عمل صالح اوپر اٹھے گا اور اللہ کے ہاں قبول ہو جائے گا۔

لخت جگر کو ذکر کی تلقین

اور آپ کو معلوم ہوگا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی تو بیٹی تھی تین بیٹیاں تو آپ کی زندگی میں فوت ہو گئیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔ باقی ایک رہ گئی تھی جب ساری اولاد فوت ہو جائے، لڑکیاں بھی، لڑکے بھی، ایک بیٹی باقی رہ جائے تو آپ جانتے ہیں وہ والدین کو کتنی محبوب ہوتی ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی والدہ حقیقی تو فوت ہو گئی تھیں لیکن باقی ازواج مطہرات تو تھیں۔ سب سے عزیز ترین بیٹی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دی۔ مال و متاع کوئی نہیں دیا۔ جہیز میں کوئی زیادہ چیزیں نہیں دیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کا کام خود کرتی تھیں، چکی خود پیستی تھیں، جھاڑو خود دیتی تھیں، سارے کام خود کرتی تھیں اور اس میں ان کو بہت مشقت اٹھانی پڑتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آ کے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غلام آئے ہیں۔ جا کے کہو کہ مجھے کوئی غلام دے دو تاکہ وہ تعاون کرے اور مجھے کچھ راحت ملے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف فرما نہیں تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ کے واپس آ گئیں کہ میں اس مقصد کے لیے آئی تھی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئیں تو ان کو بتا دینا۔

سرور کائنات ﷺ گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے سامنے اس کا ذکر کیا۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور ﷺ عشاء کے بعد جبکہ ہم اپنے بستر میں لیٹ گئے تھے۔ سردی کا زمانہ ہوگا تو آپ تشریف لے آئے آ کے بیٹھ گئے۔ ایک طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ...... ایک طرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ...... درمیان میں حضور ﷺ تھے۔ تو آپ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھتے ہیں۔ کہ بیٹی! آپ کیا کہنے گئی تھیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ میرے ہاتھوں میں کام کرتے کرتے گٹے پڑ گئے۔ سارا کام خود کرتی ہوں۔ میں نے سنا تھا کہ کچھ غلام آئے ہیں تو ایک آدھ مجھے بھی دے دو۔ تا کہ میرا کچھ کام کر لے تو مجھے کچھ سہولت ہو جائے گی۔ تو آپ نے فرمایا بیٹی! میں تجھے غلام سے ایک اچھی چیز نہ بتا دوں؟ کہا وہ کیا؟ فرمایا کہ سوتے وقت پڑھ لیا کرو ۳۳ دفعہ سبحان اللہ۔ ۳۳ دفعہ الحمد للہ۔ ۳۴ دفعہ اللہ اکبر۔ یہ خادم سے بہتر ہے۔ تجھے خادم سے اتنی راحت نہیں پہنچے گی جتنی ان کلمات سے پہنچے گی۔ (بخاری ۱/۴۳۹۔ ۱/۵۳۵)

اس لیے اس کو تسبیح فاطمہ کہتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے بیٹی کو خادم نہیں دیا بلکہ اس کی بجائے یہ تسبیح پڑھنے کی تلقین کی۔ اس سے آپ اندازہ کریں کہ یہ کلمات کتنے پاکیزہ اور کتنے بابرکت ہیں۔ چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی اخلاص اور صدق دل کے ساتھ سوتے وقت یہ تسبیح پڑھ لے تو دن بھر کی مزدوری کرنے والے، محنت کرنے والے، تھکے ماندہ اللہ تعالیٰ ان کلمات کی برکت سے یہ تھکاوٹ اتار دیتا ہے اور ان کی طبیعت میں تازگی آ جاتی ہے۔ ان کی تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے اب کتنی ہلکی پھلکی سی بات ہے سوتے ہوئے پڑھ لو (تسبیح فاطمہ اصل کے اعتبار سے وہ ہے جو سوتے ہوئے پڑھی جاتی ہے۔ اور نماز کے بعد صحابہ کو علیحدہ تلقین کی تھی تو یہ کلمات سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر جب یہ تین کلمے آ جائیں تو ان سے لا الہ الا اللہ خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تینوں کلموں کا مفہوم یہی ہے لا الہ الا اللہ۔ ان سے اللہ کی توحید ثابت

ہو جاتی ہے اور شرک کی نفی ہو جاتی ہے۔ تو عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کچھ نہ کچھ اس کلمے کو بطور ذکر کے بھی پڑھتے رہنا چاہیے۔ جس کے ساتھ یہ سبحان اللہ والحمد اللہ واللہ اکبر یہ کلمات بھی ہوں۔ یہ عادت ڈالو۔ چھوٹے چھوٹے طالب علم بھی۔ بڑے بڑے طالب علم بھی۔ نماز سے سلام پھیرتے ہی پڑھ لیا کرو۔ تا کہ بچپن سے ہی عادت پڑ جائے اور اس کی برکات زندگی کے آخر تک ان شاء اللہ محسوس ہوتی رہیں گی۔

شرک کا مفہوم

گذشتہ بیان میں میں نے کچھ شرک کا مفہوم ذکر کیا تھا تو ایک پرچی آئی تھی۔ میں نے کہا تھا کہ اس کا جواب پھر کسی وقت دیں گے۔ اس میں تھا کہ بعض لوگ کہتے کہ اگر یہ کہا جائے کہ مردے سنتے ہیں تو یہ شرک ہے۔ میں نے اجمالی سا جواب اس وقت دے دیا تھا۔ اب خیال ہے کہ دو لفظوں میں اس کی وضاحت کر دی جائے۔

شرک کا مفہوم ہے اللہ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنا۔ ذات میں شریک کرنے کا مطلب ہے کہ جیسے اللہ ہے ایسے کوئی اور بھی ہے یا اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی صفات کسی اور کے اندر مان لی جائیں تو اس کو شرک کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی ہے۔ اللہ کی صفت سننا بھی ہے۔ دیکھنا بھی ہے تو آپ بھی سنتے ہیں یا نہیں سنتے؟ یہ سارے بہرے بیٹھے ہو یا سن رہے ہو؟ اور آپ لوگ بھی دیکھتے ہو یا نہیں دیکھتے؟ اور قرآن نے تمہیں بھی سمیع و بصیر کہا ہے۔ وجعلناہ سمیعا بصیرا۔ ہم نے انسان کو مختلف پانیوں کو اٹھا کر کے پیدا کیا اور اس کو سمیع بھی بنایا...... بصیر بھی بنایا۔ تو کیا تم اللہ کے شریک ہو گئے؟ اللہ بھی سمیع و بصیر...... تم بھی سمیع و بصیر۔ تو کیا تم اللہ کے شریک ہو گئے؟ (نہیں) تو پھر تمہارے سننے اور اللہ کے سننے میں کیا فرق ہے؟ وہ فرق آپ ذہن میں لائیں تو خود پتہ چل جائے گا کہ یہ عقیدہ شرک ہے یا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کیسے سنتا ہے۔ اللہ کے سننے کے متعلق یہ عقیدہ ہے اللہ ہر وقت سنتا ہے' ہر کسی کی سنتا ہے' ہر بات سنتا ہے' ہر جگہ سے سنتا ہے۔ آپ اپنی اصطلاح میں اس کو موجبہ کلیہ

کہہ لیجیے۔ سماع کے بارے میں یہ ایجاب کلی ہے یہ ہے اللہ کی صفت سماعت اور اللہ بصیر ہے۔ دیکھتا ہے' ہر وقت دیکھتا ہے' ہر چیز دیکھتا ہے۔ اس کی نظر سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ زمین کے اندر ہو آسمانوں کے اوپر ہو۔ سمندر کی تہہ میں ہو' پہاڑوں کے اندر ہو۔ ہر چیز ہر وقت دیکھتا ہے بغیر کسی ذریعے کے۔

اور اگر آپ سمیع وبصیر ہیں تو کیا آپ بھی ہر وقت سنتے ہیں؟ اور ہر بات سنتے ہیں؟ ہر کسی کی سنتے ہیں؟ ہر جگہ سے سنتے ہیں؟ بالکل نہیں تو پھر آپ اللہ کے شریک کیسے ہوئے؟ یہ عقیدہ کسی کے متعلق رکھنا...... اس میں مردہ بھی ضروری نہیں...... اگر کسی زندہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھو گے۔ مثلاً کوئی شخص اپنے زندہ پیر کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ چاہے میرا پیر لاہور ہے' چاہے کراچی ہے لیکن وہ ہر وقت میرا حال جانتا ہے۔ ہر وقت میری بات سنتا ہے۔ ہر وقت جب مشکل کے وقت پکاروں...... دن کو پکاروں یا رات کو پکاروں...... وہ سنتا ہے۔ جہاں سے پکاروں' جو کہوں' وہ سنتا ہے۔ چاہے وہ شخص زندہ ہے...... مردہ نہیں...... تو بھی آپ نے اس کو اللہ کا شریک بنالیا اور آپ مشرک ہو گئے۔

سماع موتی کا عقیدہ شرک نہیں

کوئی بات سنے...... کوئی نہ سنے قریب سے سنے...... دور سے نہ سنے یہ اللہ کی صفت نہیں ہے۔ اس لیے جو لوگ قبر والوں کے سماع کے قائل ہیں وہ قریب سے قائل ہیں...... دور سے قائل نہیں ہیں۔ اور وہ ہر بات سننے کے قائل نہیں کہ جہاں سے پکارو وہ سنیں گے یہ ان کا عقیدہ نہیں۔ جو ایسا عقیدہ رکھے وہ مشرک۔

ورنہ قبر کے پاس جا کے سلام وغیرہ اگر کہیں حدیث میں آتا ہے السلام علیکم کہو صحیح روایات میں موجود ہے کہ مردے سنتے بھی ہیں۔ جواب بھی دیتے ہیں بلکہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جو سید عنایت اللہ شاہ کے استاذ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مردہ زندگی میں سلام کرنے والے کو پہچانتا تھا تو قبر میں اس کو پہچان بھی لیتا ہے۔ اس کے سامنے بات

آجاتی ہے کہ میری قبر پہ کون آیا تو قریب سے سنتا ہے...... دور سے نہیں سنتا۔

اور یہ ہم کوئی ضمانت نہیں دیتے کہ ہر بات سن لیتا ہے اللہ جو بات سنانا چاہے سنتا ہے جو نہ سنانا چاہے نہیں سنتا۔

لیکن جن باتوں کا ذکر حدیث میں آ گیا ان کے متعلق ہم کہیں گے کہ سنتا ہے۔ سلام سنتا ہے...... قبر میں دفن کر کے جب لوگ واپس آتے ہیں تو ان کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہے...... اس کا ذکر حدیث میں آتا ہے۔ باقی اس کے علاوہ ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے بس اللہ جو بات سنانا چاہے سنتا ہے...... جو نہ سنانا چاہے نہیں سنتا۔ یہ مردے کی خصوصیت نہیں یہ زندوں میں بھی ایسے ہے۔

یوں تو زندہ بھی نہیں سنتے

میں تو صبح سے لے کر شام تک اس کا تجربہ کرتا ہوں...... آپ لوگوں کے ساتھ ہی یہ تجربہ ہے۔ درس میں آپ یہاں بیٹھے ہوتے ہیں۔ سامنے بیٹھے ہوتے ہیں...... میں سبق کی تقریر کر رہا ہوں...... لیکن پاس بیٹھے ہوئے آپ نہیں سنتے...... بلکہ آپ گھر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور گھر کے حالات آپ کے ذہن میں گھوم رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر آپ کو جھنجھوڑ کے کوئی پوچھے کہ میں نے کیا کہا؟ آپ کو کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ آپ زندہ ہوتے ہیں...... سامنے بیٹھے ہیں تو بھی نہیں سنتے۔ کیا یہ روز ہوتا نہیں؟ (ہوتا ہے) آپ کا ذہن گھر کی طرف چلا جائے تو استاذ کی تقریر آپ نہیں سنتے۔ تو پھر یہ کون سا ضابطہ ہوا کہ زندہ سنتا ہے مردہ نہیں سنتا۔ ہم کہتے ہیں کہ بسا اوقات زندہ بھی نہیں سنتا۔

اللہ تعالیٰ متوجہ کر دیں تو سنتا ہے۔ اب امام یہاں کھڑا ہوتا ہے جہاں میں بیٹھا ہوں اور ہم اگلی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ چار فٹ کے فاصلے پہ اور کبھی کبھی دھیان کسی اور طرف چلا جاتا ہے تو کوئی بعد میں پوچھے کہ امام نے فاتحہ کے علاوہ اور کون سی سورۃ پڑھی ہے۔ ہمیں ایک لفظ بھی سنا ہوا یاد نہیں ہوتا۔ حالانکہ زندہ کھڑے ہوتے ہیں اس لیے یہ ضابطہ کہ زندہ سنتا ہے...... مردہ نہیں سنتا یہ کوئی ضابطہ نہیں۔ زندہ بھی اس

وقت سنتا ہے جب اللہ متوجہ کردے...... مردہ بھی اس وقت سنتا ہے جب اللہ متوجہ کردے۔ اس لیے یہ کوئی شرک نہیں۔ یہ عقیدہ اپنی جگہ درست ہے یوں عقیدہ رکھنا کہ ہر جگہ سے سنتے ہیں جہاں سے بھی پکارو۔ یہ عقیدہ چاہے زندہ کے متعلق...... چاہے مردہ کے متعلق ہو شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شرک سے بچائے اور اپنا کام صحیح طریقے سے کرنے کی توفیق دے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سوال: مسجد کی چھت مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟

جواب: مسجد کی چھت مسجد کے حکم میں ہے۔ جس کیفیت اور حالت کے ساتھ مسجد کے اندر آنا جائز نہیں اس حالت اور کیفیت کے ساتھ مسجد کے اوپر چڑھنا بھی جائز نہیں۔ اس لیے کوئی طالب علم جوتوں کے ساتھ اوپر نہ چڑھے اور ایسی حالت میں مسجد کی چھت کے اوپر نہ چڑھے۔ جو غسل کی حالت ہوئی ہے۔

سوال: یہ تو خیر مسئلہ کسی نے پوچھا کہ گذارش ہے کہ بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے۔

جواب: ہم تو یہ کلمہ پڑھیں گے تم کسی کے ہو ہی نہیں اس لیے اگر تمہیں یہ سمجھ میں نہیں آتی تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ پڑھو یہ تمہارے لیے نہیں ہے۔ اگر وہ پڑھے تو فوراً کہہ دیا کرو کہ اس بدعت کا ارتکاب نہ کر۔ یہ کلمہ آپ لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ اچھا ہے نہ پڑھیں۔ لوگوں کو دھوکا نہیں رہے گا لوگ سمجھیں گے کہ کلمہ گو نہیں ہے۔

کوئی شک نہیں کہ یہ کلمہ امت کے اندر متواتر چلا آرہا ہے۔ اس میں شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ تو یہ لوگ آج کل چونکہ نئی نئی باتیں نکالتے رہتے ہیں۔ اس لیے بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہ لوگ یہ کلمہ پڑھنا چھوڑ جائیں۔ تاکہ لوگوں کو دھوکا نہ رہے اور وہ سمجھ جائیں کہ یہ کلمہ گو نہیں ہیں تو ضرور چھوڑ جائیں۔
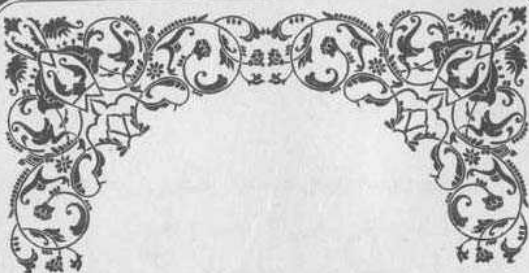
بدکرداری عذابِ الٰہی کا سبب

بمقام: جامعہ عبیدیہ۔ فیصل آباد

بموقع: تقریب ختم بخاری شریف

تاریخ: ۱۲ جولائی ۲۰۰۷ء بروز جمعرات

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ. وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ. وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَبِا السَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنَّا اِلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ الْحَدِیْثِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمَاعِیْلَ الْبُخَارِیْ رَحِمَهُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَالَ

بَابُ قَوْلِ اللّٰہِ وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیَامَةِ وَاَنَّ اَعْمَالَ بَنِیْ اٰدَمَ وَقَوْلَهُمْ یُوْزَنُ وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْقِسْطَاسُ الْعَدْلُ بِالرُّوْمِیَّةِ وَیُقَالُ الْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ وَهُوَ الْعَادِلُ وَاَمَّا الْقَاسِطُ فَهُوَ الْجَائِرُ.

بِہٖ قَالَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَشْكَابٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَیْلٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِیْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ وَعَنْهُمْ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِیْ الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ.

عالم ظاہر کا اثر انسانی مزاج پر

اس عالم ظاہر کے موسمی حالات انسان کے مزاج پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ دھوپ کا اثر بھی انسان پر پڑتا ہے۔ سائے کا اثر بھی پڑتا ہے۔ موسم بہار کا اثر بھی انسان کے مزاج پر پڑتا ہے۔ اور موسم خزاں کا اثر بھی انسان پر پڑتا ہے۔ بارش ہوتی ہے تو بھی ہم متاثر ہوتے ہیں۔ ہوا چلتی ہے تو بھی ہم متاثر ہوتے ہیں۔ تو جو کچھ اس ظاہر میں آتا ہے اس کے اثرات ہم پر واقع ہوتے ہیں۔ اس کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ آپ کا' میرا' سب انسانوں کا' اس بارے میں تجربہ ہے اور یہ بات جس کو ہم اپنے علمی اصطلاحات میں کہا کرتے ہیں...... بدیہات میں سے ہے جس کو دلیل سے سمجھانے کی ضرورت نہیں۔

لیکن ایک دوسری بات بھی ہے جو کسی درجے میں نظری ہے بدیہی نہیں لیکن اہل علم کے نزدیک تقریباً یہ بھی بدیہی ہے۔ بلکہ شاید اجلی بدیہات میں سے ہے۔ وہ یہ ہے کہ بیرونی حالات سے انسان تو متاثر ہوتا ہے تو کیا انسان کے اعمال سے باہر کے حالات بھی متاثر ہوتے ہیں یا نہیں؟ انسان کے اعمال جو ہیں یہ انسان کے حالات ہیں۔

اعمال کا اثر ظاہر دنیا میں

جس طرح سے ظاہر کے حالات انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں تو کیا انسان کے اعمال' انسان کے جذبات' انسان کے حالات خارج دنیا پر اثر انداز ہوتے ہیں یا نہیں؟ انسان کے اپنے اعمال کی بناء پر ظاہر میں کوئی تغیر ہو جائے' ظاہر میں کوئی انقلاب آجائے۔ ظاہر میں کوئی مصیبت آجائے۔ ظاہر میں کوئی اللہ کی نعمت آجائے' تو کیا انسان کے اعمال اس دنیا پر اثر انداز ہوتے ہیں یا نہیں؟ یہ بات نظری ہے غور وفکر کی محتاج ہے۔ اس لیے عوام کو اس بات کے سمجھانے کی ضرورت ہے اور اہل علم کے لیے

اجلی بدیہات میں سے ہے۔ اجلی بدیہات کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اتنی روشن کہ اس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ کہ انسان کے اعمال جو ہیں وہ بھی اس دنیا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس بات کو کافر نہیں مانے گا اور مومن انکار نہیں کر سکتا۔ (زیادہ لمبی بات کرنے کی نہ تو ہمت ہے اور نہ وقت میں گنجائش) قرآن کریم آپ پڑھتے ہیں۔

پہلی امتوں کی کہانی قرآن کی زبانی

قرآن کریم میں آدم علیہ السلام سے لے کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک کی تاریخ کی طرف گہرے اور بہت واضح اشارے کیے ہیں۔ جس کو بنیاد بنا کر آنے والے وقت کے لیے انسان کی راہنمائی کی ہے۔ جس وقت ہم قرآن کریم میں پڑھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے پیغمبر نوح علیہ السلام بھی ہیں۔ نوح علیہ السلام کی ایک امت تھی جس کو وہ سمجھانے کے لیے آئے تھے وہ بت پرست تھی۔ قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ ذکر ہے۔

﴿لا تذرن ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق ونسرا﴾

یہ ان کے پانچ بتوں کے نام ہیں جن کو وہ پوجتے تھے اور حضرت نوح علیہ السلام نے منع کیا' روکا اور ان کو توحید کا درس دیا۔ لیکن وہ نہ مانے۔ نہ ماننے کی صورت میں پھر اس قوم کا یہ انجام ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پوری قوم کو پانی کے سیلاب کے ساتھ غرق کر دیا۔ اور صرف وہ بچے جو نوح علیہ السلام کی بات کو ماننے والے تھے اور نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے تھے۔ ایک واقعہ تو قرآن کریم میں یہ ہے۔

قوم ہود اور حکومت کا ایک ہی نعرہ

اور اس کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ یہ قوم عاد کی طرف بھیجے گئے تھے قوم بہت جسیم اور بہت مضبوط بدن کی مالک تھی' اور بہت قوت کی مالک تھی۔ قرآن کریم نے ہود علیہ السلام کے مقابلے میں اس قوم کا ایک نعرہ ذکر کیا تو اگر ہم اپنے اصطلاح

کے مطابق کہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ بڑھ ماری تھی۔ جس کو قرآن کریم نے نقل کیا ہے۔ (بڑھ مارنا تو سمجھتے ہیں آپ لوگ؟ اس قوم نے جو بڑھ ماری تھی کہتے ہیں نا!۔ جی فلاں کی بڑھ ہے) انہوں نے بھی ایک بڑھ ماری تھی قرآن کریم نے وہ نقل کی ہے اور یہ بڑھ ماری تھی۔ ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کے مقابلے میں۔ کیا بڑھ ماری تھی کہ جب حضرت ہود نے ان کو ڈرایا کہ اللہ سے ڈرو۔ اللہ کا عذاب بھی آسکتا ہے۔ اور آپ لوگ تباہ و برباد بھی ہو سکتے ہیں۔ تو انہوں نے آگے سے کہا تھا کہ من اشد منا قوۃ یہ ان کی بڑھ ہے۔ جو انہوں نے ماری تھی من اشد منا قوۃ۔ جس کا معنی ہے کوئی ہم سے زیادہ زور آور بھی ہے؟ یہ اس کا معنی ہے۔ معاف کرنا۔ آج کی اصطلاح میں ذرا اس کا ترجمہ کروں کہ نبی کے مقابلے میں یہ بڑھ ایسے ہے جیسے نبی کے وارثوں کے متعلق یہ بڑھ مارے کہ ملاؤں کو میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔

اب آپ ذرا سوچیں کہ من اشد منا قوۃ اور اس جملے کے درمیان کوئی فرق محسوس ہوتا ہے؟ اس وقت انبیاء کا دور تھا۔ اس لیے نبی کے مقابلے میں بڑھ تھی۔ اب نبی تو نہیں ہیں نبوت کا دور تو ختم ہو گیا۔ تو نبی کے ورثاء کے مقابلے میں آج کوئی بڑھ مارے۔ تو اس بڑھ کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ جس کا جواب تو اللہ تعالیٰ نے جہاں ان کی بڑھ ذکر کی ہے اسی کے ساتھ ہی دیا ہے۔ کہ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً۔ ان کو پتہ نہیں ہے؟ یہ جو کہتے ہیں من اشد منا قوۃ جس نے ان کو پیدا کیا ہے اس کی قوت ان سے بہت ہی زیادہ ہے۔ ابھی بات کو عنوان کے طور پر ذکر کر رہا ہوں آگے اس کا نتیجہ آجائے گا۔ قوم عاد بھی تھی اگر قوم نوح پانی سے غرق ہو گئی تو قوم عاد جو تھی ایسی تباہ ہوئی کہ ہوا نے ان کو اس طرح سے اٹھا اٹھا کے پٹخا اور مارا کہ قرآن کریم کہتا ہے کہ جب وہ گرے پڑے تھے تو كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ۔ وہ ایسے گرے پڑے تھے جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے زمین پر گرے ہوئے

ہوں۔ جن کے اندر کوئی طاقت وقوت ہی نہیں ہوتی۔ جو کہتے تھے من اشد منا قوۃ۔ وہ ایسے ہو گئے جیسے اچھی خاصی لکڑی ہوا کرتی ہے اس کو دیمک کاٹ جائے اور اس کے اندر کوئی قوت نہیں ہوتی۔ جس طرح سے درخت گرے ہوئے ہوں جو کہتے تھے کہ ہم سے زیادہ زور آور بھی کوئی ہے؟ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔

قوم ثمود کے بم پروف محلات

اس کے بعد قوم ثمود کا قصہ قرآن کریم میں ہے۔ ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے اور یہ قوم جو تھی...... یہ پہاڑوں میں محلات بنا بنا کر رہتے تھے۔ اور وہ سمجھتی تھی کہ جتنے ہمارے مکان محفوظ ہیں آج کی اصطلاح میں یوں کہہ لیں کہ ان پر نہ کوئی بم اثر کر سکتا ہے، نہ گولی اثر کر سکتی ہے۔ ہم نے اس طرح سے محفوظ مکان بنا رکھے ہیں۔ اور ان کے مکانوں کی تصویریں آج کل آتی رہتی ہیں پوری تحقیق کے ساتھ۔ پچھلے دنوں میں حضرت مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی زید مجدہم اس علاقے میں گئے تھے۔ انہوں نے بھی وہاں سے تصویریں لیں اور وہ البلاغ میں شائع ہوئیں۔ اور سب سے پہلے یہاں پاکستان بننے کے بعد وہاں کی تصویریں مودودی صاحب نے حاصل کیں کیونکہ وہ خود گئے اس علاقے میں اور اپنی تفہیم القرآن میں سورۃ شعراء کی تفسیر میں شائع کیں۔ اگر کسی کے پاس البلاغ آتا ہو تو اس نے تو دیکھی ہوں گی یا اگر کسی نے تفہیم القرآن میں سورۃ الشعراء کا کچھ حصہ دیکھا ہے۔ تو انہوں نے اس میں یہ تصویریں دی ہوئی ہیں۔ اتنے مضبوط مکان تراش تراش کر جیسے قرآن کریم میں ہے۔ تنحتون من الجبال بیوتا یہ الفاظ آتے ہیں کہ تم پہاڑوں کو تراش تراش کے اتنے مضبوط بناتے ہو۔ تو وہ اس وہم میں مبتلا تھے کہ ہمارے مکان اتنے مضبوط ہیں اور ہم اس طرح سے محفوظ ہیں۔ کوئی چیز ہمیں تباہ نہیں کر سکتی، کوئی شے ہم تک پہنچ نہیں سکتی۔ آج کی اصطلاح میں بات کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ اس پر نہ کوئی بم اثر کر سکتا ہے نہ کوئی گولی

اثر انداز ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو زلزلے کے ساتھ تباہ کیا۔ اور جبرائیل کی ایک چیخ تھی جو ان کے کلیجوں کو پھاڑ کر چلی گئی۔ فارسلنا علیم ریحا۔ چیخ اور چنگھاڑ کی ایک جھڑک نہیں سہہ سکے سارے بہہ گئے۔ یہ واقعہ بھی ہے۔

انبیاء کا قتل

ان سب واقعات کو نقل کرنے کے بعد اور درمیان میں ایک لمبی تاریخ ہے۔ بنی اسرائیل کی کہ بنی اسرائیل نے ہی یہ کردار اپنایا تھا (یہودیوں نے) قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کو قتل بھی کرتے تھے کیوں قتل کرتے تھے؟ اس لیے کہ انبیاء ان کے خلاف مزاج بات کرتے تھے۔ کلما جاء ھم رسول بما لا تھوی انفسھم فریقا کذبوا وفریقا یقتلون۔ جب ان کے پاس کوئی رسول آتا اور ایسی بات کرتا جو ان کے خواہش کے مطابق نہ ہوتی۔ تو یہ کہتے تم جھوٹے ہو۔ جھوٹی بات کرتے ہو اور پھر ان کو قتل کر دیتے۔ یقتلون النبیین جمع کا صیغہ ہے۔ جمع کثرت کا۔ نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ کیوں قتل کرتے تھے کہ وہ ان کی خواہشات میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے۔ ان کا دل کچھ اور چاہتا تھا۔ نبی ان کو کچھ اور کہتے تھے۔ دلیل کا جواب دلیل سے تو نہیں دے سکتے تھے۔

طاقت کا استعمال باطل کا وطیرہ

طاقت کا استعمال ہمیشہ مختلف طبقوں کا قوت والوں کا یہ اصول رہا ہے کہ جس وقت دلیل کا جواب نہ ہو تو پھر آگے سے مکا دکھاتے ہیں۔ یہ ہمیشہ سے ایک اصول چلا آتا ہے۔ تو لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کو قتل بھی کیا آپ جانتے ہوں گے کچھ روایات میں اس قسم کا ذکر بھی آتا ہے کہ زکریا علیہ السلام کو تو آرے سے چیر دیا۔ (فتح الباری ۶/ ۴۶۸)

ایسے وقت بھی ان پر آئے قرآن کریم پوری تاریخ کو دہراتا ہے۔

بدکرداری کی وجہ سے عذاب الٰہی

اب یہ اتفاقی واقعات تھے یا ان لوگوں کے کردار کا نتیجہ تھا کہ ان مصیبتوں میں

پھنسے۔اب قرآن کریم آگے کہتا ہے کہ فکلاً اخذنا بذنبہ ان میں سے ہر ایک کو ہم نے ان کے جرم کی بناء پر پکڑا۔انمیں سے بعض کو ہم نے پانی میں غرق کر دیا۔اور بعض کے اوپر ہم نے پتھروں کی بارش برسانے والی ہوا بھیجی۔اور ان میں سے بعض وہ تھے جو زلزلے کا شکار ہو گئے۔یہ سارے واقعات نقل کرنے کے بعد فکلاً اخذنا بذنبہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو میں عرض کر رہا ہوں۔جو سیلاب آیا تھا تو ان کی بد کرداری کی وجہ سے آیا تھا۔آندھی چلی تھی تو ان کی بد کرداری کی بناء پر' زلزلہ آیا تھا تو ان کے گناہوں کی بناء پر اور ان کے اوپر یہ چیخ و چنگھاڑ کا عذاب آیا تو ان کی بد اعمالی کی بناء پر۔یہ علامت ہے اس بات کی کہ انسان کا کردار اس ظاہر دنیا کے اندر بھی انقلاب برپا کرتا ہے۔

اور ان سب انقلابات کا حاصل کیا ہے۔حاصل یہ ہے کہ اہل حق کے مقابلے میں اہل باطل اپنی قوت کا اظہار کرتے ہوئے ہمیشہ اہل حق پر زیادتیاں کرتے ہیں۔اور اہل حق چونکہ اس دنیا کے اندر اکثر و بیشتر اللہ کی حکمت کے تحت ظاہری اسباب سے کمزور ہوتے ہیں۔اس لیے اہل باطل ان کو فنا کرتے ہیں ان کو تکالیف دیتے ہیں ان کو قتل کرتے ہیں لیکن جب نتیجہ نکلا کرتا ہے تو دنیا کے لیے عبرتناک انجام سامنے آتا ہے اور ان قوت والوں کا اصل انجام کیا ہوتا ہے۔بظاہر ہر جگہ اہل حق آپ کو مغلوب نظر آئیں گے۔انبیاء پر یہودی غالب آئے قتل کیا ان کو۔باقی انبیاء کے قصے بھی اسی طرح کے نقل کیے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت دنیا میں اسی طرح سے ہے جس سے معلوم یوں ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حق کا سلسلہ تو رکھا ہے اس کے ساتھ ساتھ باطل کا سلسلہ بھی رکھا ہے۔کچھ مزاجاً ایسے معلوم ہوتا ہے کہ حق اپنے بقاء کے لیے خون مانگتا ہے۔جس وقت تک اہل حق اپنا خون اس حق کی اشاعت کے لیے نہیں دیتے۔اور اس حق کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی جان کی قربانی نہیں دیتے۔اس وقت تک حق کمزور رہتا ہے۔جب اس حق کے لیے خون بہایا جاتا ہے اور خون دیا جاتا ہے تو پھر اس حق کو دوام

نصیب ہوتا ہے۔اور اس کی قوت پھر چمکتی ہے لوگ سمجھتے ہیں شاید ہم نے اس کو دبا دیا۔ وہ دبا نہیں ہوتا بلکہ وہ ایسے دبا ہوتا جیسے دانے کو خاک میں دبا دیا۔لیکن پتہ اس وقت چلتا ہے جب تنا آور درخت بن کر ابھرتا ہے۔ سارے واقعات کو اگر آپ دیکھیں گے تو یہ ساری حقیقت آپ کے سامنے نمایاں ہوجائے گی۔

واقعہ کربلا سے مشابہت

واقعات تو بہت سارے ہیں لیکن کربلا کا واقعہ سب کے سامنے نمایاں ہے۔اور وہاں آج تک اہل بیت کی عظمت کو محسوس نہ کرنے والے لوگ اور ذہنی طور پر خارجیت سے متاثر...... وہ تبصرے کرتے ہیں کہ جب سب نے روکا تھا تو کیوں گئے کربلا؟ (کیوں جی) جب آپ سے گفتگو کریں گے تو کہیں گے۔کہ سب نے روکا تھا وہ کربلا کیوں گئے؟ گویا ان کے نزدیک ان کا کربلا جانا کہ روکنے کے باوجود رکے نہیں۔ اگرچہ باقی لوگوں کا روکنا اپنی جگہ مصلحت کا تقاضا تھا۔لیکن ان لوگوں کا حق گوئی اور حق کی اشاعت کے لیے قربانی دینا' قربانی کا جذبۂ یہ بھی اپنی جگہ مجبور تھے۔ وہ ناسازگار حالات کے ساتھ صلح نہیں کر سکے۔ اپنا سارا خاندان قربان کر دیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاندان کے تقریباً ستر کے قریب افراد اس کربلا کے روز شہید ہوئے ہیں

لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس واقعے کو چودہ سو سال ہو گئے کیا ان کی قربانی رائیگاں گئی ہے؟۔نہیں۔ آج اگر باطل کے مقابلے میں اڑنے کی نوبت آتی ہے۔تو لوگ نہیں کہتے؟ کہ یزید کے مقابلے میں حسین کا کردار ادا کرو۔ ان کے خون کے نتیجے میں ایک نمونہ نہیں قائم ہوگیا؟ اور قیامت تک آپ اس کے اثرات دیکھتے رہیں گے۔اور جب بھی کوئی ایسا موقعہ آتا ہے تو جہاد پر برانگیختہ کرنے کے لیے اور باطل کے مقابلے میں ڈٹ جانے کے لیے جب بھی بات ہوگی...... کہتے ہیں کہ یزید کے مقابلے میں حسین کا کردار ادا کرو۔ تو حسین کا کیا کردار تھا؟ وہ اپنی جگہ جوش میں تھے اور اپنی جگہ حق گوئی کا جنون ان کے اوپر سوار تھا۔ تو انہوں نے ناسازگار حالات

کے ساتھ مصلحت نہیں برتی اور صلح نہیں کی۔ اپنی جان قربان کر دینا انہوں نے بہتر سمجھا اور آج ان کا کردار پوری امت کے لیے چودہ سو سال سے مثال بنتا چلا آ رہا ہے۔ آج لوگ کہتے ہیں کہ

کہہ دو وقت کے یزیدوں کو
ہم حسینی مزاج رکھتے ہیں

شہداء لال مسجد پر زبان نہ کھولو

کسی کے شہید ہونے کے ساتھ ...... خون بہنے کے ساتھ ...... یہ جذبہ بڑھتا ہے ...... گھٹا نہیں کرتا۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ اس وقت جو کچھ ہوا کربلا کے واقعہ سے کم نہیں ہے۔ بڑی اس کے ساتھ مماثلث رکھتا ہے۔ ظلم کی انتہاء ہوگئی۔ لیکن ہم کہتے ہیں یا اللہ اس ملک کے حال پر رحم فرما۔ اس قوم کے حال پر رحم فرما۔ اس واقعے کے نتیجے میں ہم پر عذاب نازل نہ کر۔ ورنہ یاد رکھئے! اس بات کو کہ اب ظلم کی بھی انتہا ہوگئی اور جب ظلم انتہاء کو پہنچا کرتا ہے تو مٹ جایا کرتا ہے۔ پھر یہ نہیں کہ صرف ظالم بھی مٹتا ہے بلکہ

خود تو ڈوبے تھے صنم تمہیں بھی لے ڈوبے

اگر اس کے نتیجے میں ملک برباد ہوگیا تو یہ کوئی بعید بات نہیں ہے۔ جو کچھ آپ کے سامنے ہوا وہ واضح ہے اس لیے شہداء کے بارے میں زبان نہ کھولو۔ کہ لوگوں نے ان کو سمجھایا تھا ان کو روکا تھا۔ لیکن ایسے ایسے نوجوان اللہ پیدا کرتا ہے...... آپ کے جذبات کو ابھارنے کے لیے جذبات کو گرمانے کے لیے۔

سید احمد شہید کی سکھوں سے ٹکر

اب حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سید اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کہاں سے چلے؟ انڈیا سے اور کہاں ریگستانوں کو عبور کر کے۔ کابل افغانستان سے ہوتے ہوئے...... پشاور کی طرف

حدود پاکستان میں داخل ہوئے...... صرف سکھوں سے مسلمانوں کی جان چھڑانے کے لیے۔ مٹھی بھر مسلمان...... پوری سکھ حکومت پنجاب میں...... چونکہ مسلمانوں پر بہت زیادتیاں کر رہی تھی۔ ان کی مسجدیں اجاڑ رہی تھی۔ عزتیں لوٹ رہی تھی۔ اور مسلمان آزاد نہیں تھا پنجاب میں۔ اس ظلم وستم سے بچانے کے لیے مولانا سید احمد جو بعد میں شہید کہلائے اور سید احمد جو شہید کے لفظ کے ساتھ ہی معروف ہیں وہ آئے اور پہلا مقابلہ اکوڑہ خٹک میں ہوا اور اس طرح سے اور متعدد مقابلے ہوئے۔ لیکن ایک بڑی حکومت جو تھی وہ پسپا ہوتی جارہی تھی (ذرا خیال کرنا) بڑی سلطنت جو تھی پسپا ہوتی جارہی تھی۔ سکھ شکست کھاتے جارہے تھے۔ لیکن ان سکھوں کو سہارا دینے والے مسلمانوں میں غدار پیدا ہوئے' منافق پیدا ہوئے۔ جنہوں نے سکھوں کو سہارا دیا اور خفیہ راستوں سے لائے اور بالاکوٹ کے اوپر حملہ ہوا۔ جس کے مقابلے میں تقریباً ۴۵۵ مجاہد بالاکوٹ کے میدان میں شہید ہوئے۔ اور ہوا انہی منافقوں کی وجہ سے جو اندر سے سکھوں کے ساتھ مل گئے تھے۔ سکھوں سے ملنے کی وجہ سے انہوں نے خفیہ رستے ان کو دیئے اور خفیہ رستے دینے کے بعد سکھوں کی فوج اور رنجیت سنگھ کا بیٹا جو شیر سنگھ لے کر آیا ہوا تھا اس کے مقابلے میں بالاکوٹ میں شہید ہوگئے۔ لیکن چار سو آدمی شہید تو ہوا ساتھ ساتھ چھ سو سکھ بھی مرا جوان کے مقابلے میں آیا تھا۔ چھ سو سکھ مرا۔ چار سو مجاہد شہید ہوئے۔ اس نے مسلمانوں کے اندر ایک ایسی جرأت پیدا کی اس وقت سے لے کر اب تک جو علمائے حق کے اندر مجاہدانہ جوش ہے وہ سید اسماعیل کے خون کا نتیجہ ہے۔ اور سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خون کا نتیجہ ہے۔ ورنہ سارے کے سارے سکھوں کے تلے دبے ہوئے ہوتے تھے۔

اب اسی طرح سے کفر عیسائیت چاہے وہ امریکہ کے عنوان سے تھا۔ چاہے وہ برطانیہ کے عنوان سے تھا۔ اللہ کے فضل وکرم کچھ نوجوان اٹھے۔ انہوں نے پہلے تو روس کو شکست دی اور یہ سرخ ریچھ جو تھا ٹانگیں تڑوا کر چلا گیا۔ اور اس کے بعد یہ دوسری قوتیں آئیں یقیناً ان کا یہی حال ہونا تھا جیسے روس کا ہوا تھا اگر ان کا ساتھ منافق

مسلمان نہ ملتے۔ اگر مسلمانوں کے اندر منافقت نہ آتی اور مسلمان ان کے ساتھ نہ دیتے تو ان کا انجام بھی وہی ہونا تھا لیکن میں کہتا ہوں ابھی بھی مایوس ہونے کا وقت نہیں ہے۔ روس تو سولہ سال مار کھاتا رہا اور پھر واپس گیا۔ اور ان کے تو ابھی چار پانچ سال ہوئے ہیں ابھی سے ان کی ہوا نکلی پھر رہی ہے۔ باوجود اس بات کے کہ منافقین کثرت کے ساتھ ان کے حمایت میں لگے ہوئے ہیں اور انشاء اللہ العزیز جب بھی یہ جائے گا تو ایسے ہی جائے گا جس طرح سے سرخ ریچھ گیا تھا۔ انجام یہی ہونے والا ہے۔ دل نہ چھوڑنا...... مایوسی کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ اللہ کی ڈھیل ہے۔ قربانیاں لیتا ہے قربانیاں لینے کے بعد حق کو چمکاتا ہے۔ اور نوجوانوں کے دلوں میں یقیناً یہ ولولے اٹھ رہے ہوں گے

اگر مولانا عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ خون دے گئے میرے ساتھی ہیں مولانا عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو غازی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے والد ہیں) میرے ساتھ پڑھتے رہے ہیں قاسم العلوم میں میرے دوست تھے۔ انہوں نے بھی جان دی حق کے لیے شہید ہوئے اور آج ان کا سارا خاندان جیسے بربریت کا شکار ہوا ہے۔ وہ آپ سب حضرات کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ لیکن ہم جیسے اپاہج ہم جیسے ٹھنڈے خون والے اگرچہ ہم اشتعال میں نہیں آئے۔ آنے کی کوئی گنجائش بھی نہیں کیا کریں سب کچھ گنوائے بیٹھے ہیں۔ لیکن یقین جانیے آپ میں سے لاکھوں قسم کے لوگ ایسے ہوں گے جنہوں نے ان کی مظلومیت کو دیکھ کر...... اس بربریت کو دیکھ کر۔ ان کے خون کھول رہے ہیں کہ ہمیں بھی کوئی موقعہ ملے تو ہم بھی اللہ کی راہ میں قربان ہوں۔ اس لیے یہ کوئی حکومت نے عقل مندی نہیں کی ان کے ساتھ یہ ظلم کر کے حکومت نے اپنے خلاف ایک مستقل محاذ کھول دیا۔ جس کا سنبھالنا ان کے بس میں نہیں۔ یہ واقعہ جو ہے اسی طرح سے ایک بنیاد بنے گا آئندہ کے لیے مجاہدانہ کردار پیدا کرنے کے لیے۔ یہ ہے جو ہماری تاریخ ہمیں بتاتی ہے۔

پاکستان کی تاریخ اور پیشین گوئی

اس واقعہ کا اختتام کرتا ہوں آپ کو ایک بات سنا کر۔ غالباً دو سال پہلے کی بات ہے یہی جون یا جولائی...... ان مہینوں میں۔ کراچی سے ایک رسالہ نکلتا ہے نوائے احتشام حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کے بیٹوں کا۔ شاید آپ میں سے کسی کے پاس آتا ہو...... دیکھا ہو...... سنا ہو۔ نوائے احتشام غالباً دو سال پہلے یہ جون کا رسالہ ہے یا جولائی کا اس میں رسالہ کے مدیر نے ایک بزرگ کی جو کئی سو سال پہلے گزرے ہیں میں اپنی یادداشت کی بناء پر بات کر رہا ہوں ورنہ رسالہ میرے پاس بھی تھا کسی نے پڑھنے کے لیے لیا ہوگا اس وقت پاس نہیں ہے۔ نوائے احتشامیں ایک بزرگ کی پیشینگوئی شائع کی تھی۔ انہوں نے پیشینگوئی میں لکھا (یہ مولانا احتشام کے بیٹوں کی بات کر رہا ہوں۔ ان کے رسالہ نوائے احتشام میں یہ بات چھپی) لیکن شاید وہ رسالہ آپ کو مل نہ سکے تو اس کے بعد کتاب شائع ہوئی ملتان سے علامات قیامت کے متعلق۔ تالیفات اشرفیہ والوں نے شائع کی اب وہاں سے مل سکتی ہے۔ علامات قیامت میں اس پیشینگوئی کا مختصر ذکر اور نوائے احتشام میں الفاظ زیادہ ہیں۔ میں آپ کے سامنے جو الفاظ ذکر کر رہا ہوں وہ نوائے احتشام کے ہیں۔

وہ بزرگ کہتے ہیں کہ ایک وقت آئے گا یہ ہندوستان دو حصوں میں بٹ جائے گا۔ ایک حصہ وہ ہے وہ ہند کہلائے گا۔ اور دوسرا حصہ مملکت اسلامیہ کہلائے گا۔ لفظ پاکستان نہیں ہے اس میں۔ جو حصہ مملکت اسلامیہ کہلائے گا۔ (توجہ سے سنو) اس میں چوری ڈاکہ، قتل، غارت فساد جتنے جرائم ہیں سب نقل کیے ہوئے ہیں۔ کہ یہ کثرت کے ساتھ شروع ہو جائیں گے اس حصے میں جو مملکت اسلامیہ کہلائے گا۔ اور ہونے کے بعد (اگلا جملہ قابل توجہ ہے) اس مملکت اسلامیہ کے جو صاحب اقتدار...... حکام ہوں گے۔ بظاہر مسلمان ہوں گے۔ حقیقت کے اعتبار سے وہ کافروں کے ایجنٹ ہوں گے۔ پھر کیا ہوگا؟ اگلی بات جو کرنے کی ہے۔ اتنا تو ہم دیکھ چکے ہیں لفظ بہ لفظ یہ پیشینگوئی

ٹھیک ہوگئی۔ جیسا کہ جبریہ تقسیم ملک کا قصہ چل رہا تھا تو ایک شاعر تھے انور صابری۔ انہوں نے ایک نظم لکھی تھی جواب چند سال پہلے الفاروق میں بھی شائع ہوئی ہے۔ اور گوجرانوالہ سے کتاب احراری رضا کار (مرزا غلام نبی) نے لکھی تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک...... اس میں بھی یہ نظم اس نے شائع کی ہے۔ جس میں اس نے ایک نقشہ کھینچا ہے کہ پاکستان میں کیا کیا ہوگا۔ یہ چھپا ہوا کتابوں میں آپ کو بتارہا ہوں الفاروق میں بھی شائع ہوئی ہے۔ الفاروق یہ رسالہ مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم کے مدرسے سے نکلتا ہے تو اس نے ایک ایک بات لکھی، یہ بھی لکھا کہ:

چاروں طرف میخانے ہوں گے گردش میں پیمانے ہوں گے
رندوں کی تلوار کی نیچے مذہب کے دیوانے ہوں گے

پاکستان میں کیا کیا ہوگا۔ اور بھی بہت کچھ لکھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی لکھا وہ لفظ بہ لفظ پورا ہوا۔ وہ آگے لکھتے ہیں کہ جب یہ قصہ ہوجائے گا تو پھر اللہ کی غیرت جوش میں آئے گی اور ہندو اس مملکت پر چڑھ آئیں گے۔ اور اتنی خون ریزی ہوگی کہ دریاؤں کے پانی سرخ ہوجائیں گے۔ اس لیے بتانا چاہتا ہوں آپ کو کہ ہم نے کمی کوئی نہیں چھوڑی۔ اب اللہ سے پناہ مانگو کہ اب پیشینگوئی کا اگلا حصہ جو ہے بس اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کردے اس کے مطابق ہمارے سامنے کوئی بات نہ آئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے قانون جو ہیں وہ ضروری نہیں کہ ہماری خواہش کے مطابق ہوں۔

ہم نے اس نعمت کی کیا قدر کی جس کو پاکستان کہتے ہیں۔ پچاس سال ہوگئے تھے اور پچاس سالہ جوبلی منائی گئی تھی پاکستان کی۔ پاکستان کے حالات سامنے آئے تھے انڈیا کے اخباروں میں لکھا تھا کہ اس انقلاب میں چھ لاکھ آدمی قتل ہوا اور پاکستان کے اخباروں میں لکھا تھا کہ دس لاکھ آدمی قتل ہوا۔ دس لاکھ آدمیوں نے خون دیا تھا اس ملک کے لیے۔ اور پچھتر ۷۵ ہزار لڑکیاں سکھوں نے اٹھائیں۔ اور یہ وہ تھیں جن کے ماں باپ نے اندراج کروایا اور جنہوں نے شرم کے مارے بتایا ہی نہیں وہ پتہ نہیں کتنی

تھیں۔ اور ہم نے بنایا کس لیے تھا کہ خلافت راشدہ قائم ہوگی۔ قرآن کے مطابق قانون ہوگا۔ اور مسلمانوں والی زندگیاں ہم گزاریں گے اور پوری دنیا کے لیے ایک نمونہ قائم کردیں گے۔ حتیٰ کہ اتنا اچھا نمونہ ہوگا کہ چند سالوں کے اندر اندر انڈیا جو ہے وہ کہے گا کہ ہمارے ملک میں بھی یہی نظم آجائے جو پاکستان والوں نے اپنایا ہے۔ اتنی امیدیں قوم کو دلائی تھیں اور اس طرح سے یہ امیدیں دلا کر پاکستان بنا لیا تھا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ قیادت کرنے والے جنہوں نے اس ملک کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔ ان بے چاروں کو خود ہی پتہ نہیں تھا کہ اسلام کیا ہوتا ہے؟ خلافت راشدہ کیا ہوتی ہے اور نظام اسلامی کیا ہوا کرتا ہے؟ تو انہوں نے نظام اسلام کیا قائم کرنا تھا یہ تو وہی بات ہوئی۔ کہ

ہمیں ہے ان سے امید وفا
جو نہیں جانتے کہ وفا کیا ہے

بربریت میں انگریز سے بڑھ گئے

وعدہ تو انہوں نے کیا پورا کرنا تھا۔ بہرحال اس بات سے ڈرو۔ اب ظلم جو ہے انتہاء کو پہنچ گیا ہے ہم اس بارے میں جو کچھ کر سکتے ہیں اللہ سے دعائیں اپنی جگہ۔ ہم اس واقعہ کی بناء پر حکومت کی انتہائی مذمت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ ظلم و بربریت جو کی ہے یہ انہوں نے بہت بڑی غلطی کی ہے یہ کوئی جواز نہیں تھا۔ اگر پہلے سے ہی مذاکرات کسی اچھے اصول میں کیے جاتے وزراء کے بیان آرہے ہیں کہ مذاکرات کامیاب ہورہے تھے۔ لیکن ایوان صدر نے کامیاب نہیں ہونے دیئے۔ اخباروں میں بیان پڑھ رہے ہیں آپ۔ اس لیے ہم ان شہداء کے لیے دعائیں کرتے ہیں اللہ ان کی اس قربانی کو قبول کرے اور اس ملک کے اندر اچھے انقلاب کے لیے ان کی اس قربانی کو اللہ تعالیٰ ذریعہ بنا دے۔ اور انشاء اللہ العزیز ایسے ہوگا۔ اتنی بڑی قربانی رائیگاں نہیں جاسکتی قرآن پڑھنے والے حدیث پڑھنے والے جس طرح سے ان کو آگ میں بھونا

گیا۔ گولیوں سے چھلنی کیا گیا۔ یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ عرفان صدیقی نے کل کے کالم میں ٹھیک لکھا کہ شاید پوری تاریخ میں اس واقعہ کی کوئی نظیر نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ یہاں انگریز کی سو سال حکومت رہی لیکن انگریز نے کسی کے ساتھ اس طرح کی بربریت نہیں برتی۔ کسی کافر حکومت نے کسی دوسری حکومت نے روئے زمین پر ایسا نہیں کیا۔ کہ اپنی رعایا کے اوپر کوئی اس طرح سے ظلم کرے اور اپنے تعلیمی اداروں کے مقابلے میں اس طرح سے بربریت کا اظہار کر کے ان کو برباد کرے۔ عرفان صدیقی کا یہ کالم پڑھ لینا کل کے نوائے وقت میں یہ موجود ہے اس نے کہا پوری تاریخ خاموش ہے جو اس نے کر کے دکھایا پوری دنیا میں اس کا کوئی نمونہ موجود نہیں۔ جب اس طرح سے بات انتہاء کو پہنچ جائے تو اللہ کی غیرت جوش میں آئے گی۔ اور جوش میں آنے کے بعد ایسا نہ ہو کہ ہم بالکل ہی برباد ہو جائیں۔ اور پھر اس روئے زمین پر ایسا نہ ہو کہ ہم منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔ اللہ سے عافیت مانگیں۔ اللہ ہمارے حکمرانوں کو بھی ہدایت دے سیدھے رستے پر چلنے کی توفیق دے اور اس ملک کے حال پر بھی اللہ رحم کرے اور اس کی حفاظت فرمائے ورنہ یہ انجام کوئی اچھا نہیں ہے یہ اس پیشینگوئی میں ہے جو نوائے احتشام میں مولانا احتشام الحق سے تعلق والوں کی طرف سے شائع ہوئی اور میں نے عرض کر دیا کہ یہی پیشینگوئی تالیفات اشرفیہ سے کتاب شائع ہوئی ہے ملتان سے علامات قیامت کے نام پر اتنی موٹی کتاب ہے۔ جتنے بزرگوں نے اس بارے میں کتابیں لکھی ہیں وہ ساری اس میں جمع کر دی ہیں اور آخر میں یہ پیشینگوئی بھی شامل کر دی ہے۔

اس لیے اس واقعہ پر ہم بڑے دکھ کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ ہماری ہمدردیاں ان شہداء کے ساتھ ہیں ہم ان کے لیے دعا کرتے ہیں کہ اللہ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔ اور ان کے درجات اللہ بلند کرے۔ اور ان کے اس خون کو اللہ رائیگاں نہ جانے دے بلکہ کسی اچھے انقلاب کا اللہ اس کو ذریعہ بنائے۔ اور حکام کے لیے ہم یہ دعا

کرتے ہیں کہ اللہ! اگر ان کی قسمت میں ہدایت ہے یہ مسلمانوں اور اسلام کے کام آسکتے ہیں تو انہیں باقی رکھ۔ ورنہ اپنے عذاب سے ہمیں نجات دے اور ان سے ہماری جان چھڑا۔ اور آپ جانتے ہیں کہ جب حکومت ہی حالات خراب کرنے پر آجائے تو حالات کیسے درست رہ سکتے ہیں۔ اس لیے یہ دینی ادارے ہیں۔ ہمیں ان کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔ اور یہ ساری کی ساری تمہید بنا رہے ہیں امریکہ کو خوش کرنے کے لیے اور دینی اداروں کو مٹانے کے لیے۔ ہم انہیں کہتے ہیں کہ اس جنون میں مبتلا نہ ہو۔ یہ بڑھ تمہاری کسی وقت بھی کامیاب نہیں ہو سکتی اور انشاء اللہ العزیز اس دین کو اللہ نے قیامت تک باقی رکھنا ہے۔ اور قیامت تک باقی جو رکھنا ہے۔ وہ ان ادروں کے ذریعے ہی رکھنا ہے۔ جہاں سے حافظ تیار ہوتے ہیں' عالم تیار ہوتے ہیں' جہاں سے محدث تیار ہوتے ہیں۔ جہاں سے فقیہ تیار ہوتے ہیں ان اداروں کے ذریعے ہی باقی رکھنا ہے۔ ہاں اگر اللہ کا فیصلہ یہی ہو جائے کہ پاکستانی قوم ناشکری ہے یہ میری نعمتوں کی قدر نہیں کرتی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس دین سے محروم کر دے ہم اس دن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔

یہ بات جو میں عرض کر رہا ہوں یہ موقع محل کے مطابق میرے دل کی آواز ہے۔ جو میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے۔ بہرحال یہ بات میں نے وقتی اثرات کے پیش نظر کہی ہے۔ یہ اسی اصول کے تحت آگئی کہ باہر کے واقعات انسان پر اثرانداز ہوتے ہیں اور وہی باہر کے حالات کا باطن پر اثر تھا کہ جن کا اظہار میں نے آپ کے سامنے کیا۔

بخاری کی آخری حدیث کا درس

باقی جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے۔ اور اس کے اوپر تقریر کا تعلق ہے۔ ہر سال ہی ختم بخاری میں یہ روایت پڑھی جاتی ہے۔ اور اس کے اوپر بیان بھی ہوتا ہے۔ اس لیے ترجمہ پر اکتفاء کرتا ہوں۔ اور اس سے زیادہ شاید میری ہمت بھی نہیں کہ میں

بیان کرسکوں۔ اس لیے ذرا ترجمہ دیکھ لیجیے۔ امام بخاری ﷫ نے ترجمۃ الباب رکھا ہے
کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ہم ترازو قائم کریں گے۔ انصاف کا قیامت کے دن۔ اور
باب اس بارے کہ بنی آدم کے اعمال اور بنی آدم کے قول وزن کیے جائیں گے اور مجاہد
کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں جو قسطاس کا لفظ آیا ہے۔ یہ بھی عدل کے معنی میں استعمال
ہوتا ہے۔ اور قسط اصل ہے۔ باب افعال پہ چلے جائیں تو فقط تو انصاف کرنے والا معنی
ہوتا ہے اور اگر مجرد سے استعمال کیا جائے تو یہ ظلم کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مادہ ایک
ہی ہے لیکن استعمال میں آکر دو طرح ہو گئے

اور ہمارے استاد حضرت علی محمد صاحب ﷫ فرمایا کرتے تھے کہ دونوں معنوں
میں اس کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ قسط کہتے ہیں حصے کو جیسے آپ قسطیں ادا کرتے
ہیں۔ یہ قسط ایک حصہ ہوتا ہے کہتے ہیں کہ اس کے دونوں پہلو ہوتے ہیں۔ اپنا حصہ لے
تو یہ انصاف ہے۔ اور دوسرے کے حصے پر قبضہ کرے تو بے شک یہ ظلم ہے تو اس طرح اس
میں دونوں پہلو آجاتے ہیں۔ اس لیے مجرد سے ہو تو ظلم کے معنی میں ہے مزید سے
استعمال ہو تو انصاف کے معنی میں ہے اور آگے روایت نقل کی ہے جس میں وزن اعمال کا
تذکرہ ہے۔ ابو ہریرہ ﷛ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کلمتان حبیبتان دو کلمے
ہیں جو رحمان کو بہت محبوب ہیں۔ زبان کے اوپر بڑے ہلکے پھلکے ہیں۔ اگر آپ ان کو
زبان سے ادا کرنا چاہئیں تو کوئی گرانی نہیں ہوتی۔ لیکن قیامت کے دن جب یہ ترازو میں
رکھے جائیں گے تو بڑے بوجھل ہوں گے ان کا وزن بہت نمایاں ہوگا۔ تو ثقیلتان فی
المیزان سے اسی قیامت کے دن کے واقعہ کی طرف اشارہ کر دیا جس وزن اعمال کے
متعلق امام بخاری نے عنوان باندھا تھا۔ کہ جب یہ قول تولے جائیں گے تو افعال بھی
تولیں جائیں گے۔ جو قائل ہیں وہ دونوں کے تولنے کے قائل ہیں قول بھی تولے جائیں
گے فعل بھی تولیں گے۔ اور جو قائل نہیں وہ دونوں کے قائل نہیں۔ جیسے معتزلہ وغیرہ جو
ہیں۔ یہ بحثیں علمی طور پر چلتی رہتی ہیں۔ یہاں بھی اساتذہ نے کہلا دی ہوں گی یا کہلا دیں

گے۔ اور میں انہی الفاظ پر اکتفاء کرتا ہوں۔ اور وہ دو کلمات ہیں سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح بات سمجھنے کی توفیق دے اور حق قبول کرنے کی اور حق کے لیے قربانیاں دینے کی اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے اور ان شہداء کے لیے دعا کرتے ہیں اللہ ان کے درجات بلند کرے اور حکام کے لیے بھی دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ انہیں ہدایت دے۔ اور اگر ان کی قسمت میں ہدایت نہیں ہے تو ان سے ہماری جان چھڑائے اور اس ملک کو اللہ محفوظ رکھے۔ ملک کی خیر مانگیں کیونکہ ملک کی بقاء کے ساتھ ہی ہماری بقاء ہے۔ ورنہ پھر آگے آپ جانتے ہیں کہ یہ اتنا بڑا حادثہ ہوگا اگر ملک کو نقصان پہنچتا ہے یا نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ نا قابل برداشت ہوگا۔ اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے ہم کوئی ایسی حرکت نہ کریں جو ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچانے والی ہو۔ اللہ اس ملک کی حفاظت فرمائے۔ اور سلامتی رکھے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

العلم والعلماء

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

تاریخ: ۲۴ فروری ۱۹۹۸ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ. وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

اَمَّا بَعْدُ فقد قال النبی ﷺ العلماء وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا. اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَہٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ. او کما قال ﷺ. (ترمذی ۲/۹۷۔ ابوداؤد ۲/۱۵۷)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ. وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ. وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ وَعَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

علماء انبیاء کے وارث ہیں

سرور کائنات ﷺ کا یہ ارشاد عالی جو آپ کے سامنے پڑھا گیا۔ اکثر طلبہ تو ترجمہ سمجھ گئے ہوں گے جو نہیں سمجھے ان کے لیے عرض کرتا ہوں۔ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں العلماء ورثة الانبیاء علم والے لوگ نبیوں کے وارث ہیں۔ وان الا نبیاء لم یورثوا دینارا ولادرھما۔ انبیا علیہم السلام نے وراثت میں درہم دینار نہیں چھوڑے۔ درہم چاندی کا ہوتا تھا دینار سونے کا ہوتا تھا۔ آج کل چونکہ درہم اور دنیار کا لفظ مروج نہیں ہے اس لیے اگر ہم اس کا ترجمہ یوں کریں تو سمجھ میں آسانی سے آجائے گا کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے ورثے میں سونا چاندی نہیں چھوڑا یا اس کو اور سادے الفاظ میں ادا کردیں۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنی وراثت میں روپیہ پیسہ نہیں چھوڑا۔ یہ حاصل ہے۔ انما ورثو العلم۔ انبیاء نے وراثت میں علم چھوڑا ہے۔ فمن اخذه اخذ بحظ وافر۔ جس نے اس کو حاصل کرلیا اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کرلیا۔ یہ روایت علماء کی فضیلت میں بیان ہوئی ہے۔ اور فضیلت بیان کرتے ہوئے ہی اس کو پڑھا جاتا ہے۔ کتاب العلم میں فضل علم اور فضل علماء کی تحت اس روایت کو ذکر کرتے ہیں۔

تعلیم عبادت سے افضل ہے

مشکوۃ شریف کتاب العلم میں یہ روایت بھی ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی نفل پڑھنے میں...... اللہ اللہ کرنے میں۔ عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ عبادت میں مصروف رہنے کا معنی یہی ہے کہ نفلی عبادت میں مصروف رہتا ہے جیسے آج ہم کہیں جب دیکھو تلاوت کر رہا ہے...... جب دیکھو تسبیح پڑھ رہا ہے...... جب دیکھو نوافل پڑھ رہا ہے۔

اور ایک آدمی ایسا ہے جو فرائض ادا کرنے کے بعد بیٹھ جاتا ہے۔ اور علم پھیلاتا

ہے لوگوں کو اچھی باتیں بتاتا ہے تو ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ تو آپ ﷺ نے فر
کہ وہ شخص جو علم حاصل کرنے کے بعد علم پھیلاتا ہے۔ اس عابد کے مقابلے میں ای
ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ کے مقابلے میں۔ (ترمذی ۲/ ۹۸۔ مشکوۃ ۱/ ۳۴)

اب سرور کائنات ﷺ کی فضیلت عام انسان کے مقابلے میں کتنی ہے ہم اس
اندازہ نہیں کر سکتے۔ جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ اللہ تعالیٰ کے بعد (ا
تو خالق ہے اس کے ساتھ تو مخلوق کا مقابلہ کیا نہیں جا سکتا) اللہ کے بعد جتنی بھی مخلو
ہے۔ چاہے وہ خاکی ہے چاہے وہ نوری ہے۔ چاہے وہ ناری ہے۔ انسان ہیں جنا
ہیں فرشتے ہیں۔ مخلوق میں عرش ہے۔ کرسی ہے۔ جو بھی مخلوق ہے ان سب سے افضل
سرور کائنات ﷺ ہیں علمائے دیوبند کا یہی عقیدہ ہے۔ اہل سنت والجماعت کا یہی عقید
ہے۔ اہل حق کا یہی عقیدہ ہے۔ کہ آپ افضل المخلوقات ہیں اور مخلوقات میں سب
آ جاتے ہیں تو آپ افضل المخلوقات ہیں تو ایک ادنیٰ انسان اس کے مقابلے میں حضو
ﷺ کی فضیلت کا کیا حال ہوگا۔ تو علم والے کی فضیلت عبادت گزار کے مقابلے میں
اس طرح ذکر فرمائی۔ جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ پر۔

عالم کی فضیلت عابد پر

اور ساتھ ہی ایک اور روایت ہے جس میں یہ مضمون ہے کہ حضور ﷺ نے فرمای
عابد اور عالم کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے
چودہویں رات کے چاند کی فضیلت ستاروں پر۔ ستارہ اور چودہویں رات کا چاند آپ
کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ کہ جس طرح چودہویں رات کے چاند کو ستارے کے
مقابلے میں فضیلت ہے اسی طرح سے عالم کو عابد پر فضیلت ہے۔ (ترمذی ۲/ ۹۷۔
مشکوۃ ۱/ ۳۴) یہ روایات ہیں جو علم اور علماء کی فضیلت میں ذکر کی جاتی ہیں۔ لیکن اس
کے ساتھ جو ہمارے سوچنے کی بات ہے وہ یہ ہے کہ یہ علم جس کو وراثت انبیاء قرار دیا
گیا ہے۔ یہ علم ہے کیا چیز؟

علم لغوی معنی میں شیطان کے پاس بہت ہے

اگر تو علم کا معنی دانستن مراد ہے۔ جیسے ہم ترجمہ کرتے ہیں عَلِمَ۔ جانا اس نے۔ تو اگر صرف جاننا علم ہے تو میرے خیال میں یہ بات عین واقع کے مطابق ہے۔ آپ بھی اگر غور کریں گے تو آپ کی سمجھ میں آجائے گی۔ اس وقت روئے زمین پر سب سے بڑا عالم سب سے بڑا جاننے والا جس کے پاس سب سے زیادہ معلومات ہیں میرے خیال میں وہ ابلیس لعین ہے۔ اور یہ خیال واقع کے مطابق ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ کیوں؟ بہت واضح سی بات ہے لیکن ہم نے کبھی سوچی نہیں۔ ابلیس لعین کی گفتگو براہِ راست اللہ تعالیٰ سے قرآن کریم نے نقل کی ہوئی ہے۔ کوئی عالم ہے اس روئے زمین پر جو کہے میری گفتگو اللہ سے براہ راست ہوئی ہے۔ یہ بات تو چھوٹے بچے بھی سمجھتے ہیں؟ سادے سادے الفاظ میں بات کر رہا ہوں۔ ابلیس نے آدم علیہ السلام کو دیکھا۔ آدم علیہ السلام کا زمانہ پایا۔ اور آدم علیہ السلام سے لے کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم چوبیس ہزار یا کم وبیش جو تعداد انبیاء اور رسولوں کی اللہ کے علم میں ہے۔ ابلیس نے سب کی صحبت اٹھائی ہے۔ سب کے ساتھ رہا ہے۔ سب کی تقریریں سنیں۔ کوئی ہے اس وقت جو کہے میں نے انبیاء علیہم السلام کی تقریریں اپنے کانوں سے سنیں؟ اور ایک کی نہیں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش۔ ان سب کی تقریریں سنیں؟ اس ملعون نے۔ کوئی ہے معلومات کا اندازہ؟ پھر انبیاء علیہم السلام کے بعد جتنے روئے زمین پر اولیاء اللہ ہوئے جتنے زمین میں اہل علم ہوئے سب کو جاننے والا سب کی صحبت میں بیٹھنے والا۔ سب کی تقریریں سننے والا کوئی ہے روئے زمین پہ؟ بات آپ کی سمجھ آرہی ہے؟ آپ تصدیق کرتے ہیں؟ (جی) کوئی ہے ایسا شخص جو کہے میں نے روئے زمین کے اولیاء اللہ کو دیکھا ان کی باتیں سنی ہیں۔ ان کی مجلس میں بیٹھا ہوں؟ (کوئی بھی نہیں)۔ تو پھر اس سے زیادہ معلومات کس کے پاس ہو سکتی ہیں۔ اس سے زیادہ علم کس کے پاس ہو سکتا ہے۔ اگر علم صرف جاننے اور معلومات اکٹھی کرنے کا نام ہے۔ تو کیا اس کے

مقابلے میں کوئی آ سکتا ہے جو کہے میرے معلومات اس سے زیادہ ہیں۔ تو اس وقت سب سے زیادہ معلومات سب سے زیادہ علم اس کے پاس ہے۔ سب سے بڑا عالم ہونے کے باوجود سب نبیوں کو دیکھنے کے باوجود سب کی صحت میں بیٹھنے کے باوجود سب کی تقریریں سننے کے باوجود پورے اولیاء اللہ کی زیارت کرنے کے باوجود ہر خانقاہ میں حاضری دینے کے باوجود سارے علماء کی مجلسیں طے کرنے کے باوجود۔ میرے اور آپ کے ساتھ رہنے کی باوجود ہے لعنتی کا لعنتی۔ اس نے کیا پایا اس علم سے۔ اس کو کیا حاصل ہوا اس علم سے۔ لعنت کی گٹھڑی اٹھالی۔ تو پھر ہم کیسے کہہ دیں کہ یہ جو فضیلتیں نقل کی گئی ہیں یہ صرف جاننے کی فضیلت میں ہیں یا یہ معلومات اکٹھی کرنے کی فضیلت ہے؟۔ نہیں یہ جاننے کی فضیلت نہیں ہے۔

علماء خیر اور علماء سوء

اس کے ساتھ کچھ اور بھی ہے تب جا کے علم فضیلت والا بنتا ہے۔ یہ صرف استنباطی بات نہیں بلکہ حدیث کی کتابوں میں ہی ایک روایت موجود ہے۔ مشکوۃ شریف میں ہے۔ ایک صحابی ہیں۔

((بهز بن حكيم قال سَئَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الشَّرِّ فَقَالَ ﷺ لَا تَسْئَلُوْنِيْ عَنِ الشَّرِ وَسَلُوْنِيْ عَنِ الْخَيْرِ يَقُوْلُهَا ثَلْثًا ثُمَّ قَالَ اِنَّ شَرَّالشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ))

(رواہ الدارمی۔ رقم ۳۷۲)

کہتے ہیں کہ حضور ﷺ سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! سب سے بری چیز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ بری کیا پوچھتے ہو کوئی اچھی چیز پوچھو۔ یہ تین دفعہ فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا تمام بری چیزوں میں سے بدترین چیز برے علماء ہیں اور تمام اچھی چیزوں میں سے سب سے اچھی چیز اچھے علماء ہیں۔

یہ روایت بھی بتاتی ہے کہ علم والے دو قسم کے ہیں ایک طبقہ ایسا ہے جو علم والا ہو

کر بھی شرالشر ہے۔ تمام بدترین چیزوں سے زیادہ بدتر ہے۔ اور ایک علم والا طبقہ ایسا جو تمام اچھی چیزوں سے زیادہ اچھا ہے۔

اسی طرح کتاب العلم میں روایت ہے سرور کائنات ﷺ نے آخر وقت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا:

((لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْآنِ اِلَّا رَسْمُهٗ. مَسَاجِدُ هُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى وَعُلَمَاءُ هُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ)) (مشکوٰۃ ۱/۳۸)

"ایک وقت ایسا آجائے گا کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا۔ اسلام زندہ باد۔ اسلام زندہ باد کے بڑے نعرے لگیں گے۔ ہر سٹیج گونجتی ہوگی۔ اسلام زندہ باد۔ اسلام زندہ باد۔ ہم اسلام لائیں گے۔ ہم اسلام نافذ کریں گے۔ اسلام ہی اسلام ہوگا لیکن نام ہی نام ہوگا اندر کچھ نہیں۔"

یہ تو معلوم نہیں کہ حضور ﷺ کے سامنے مسلم لیگ تھی کہ آپ نے پیش گوئی فرمائی کہ یہ وقت بھی آئے گا۔ ایسے ہی لگتا ہے کہ پاکستان کی تحریک میں مسلم لیگ نے جو کردار ادا کیا شاید یہ اسی کی ترجمانی ہے۔

((لا يبقى من القرآن الا رسمه))

"قرآن کریم کا صرف نشان باقی رہ جائے گا لوگ اس کو پڑھیں گے لکھا ہوا دیکھیں گے لیکن عمل نہیں ہوگا۔"

مساجد هم عامرة مسجدیں بڑی سجائی ہوئی...... بظاہر بڑی آباد ہوں گی۔ پھول بوٹے روغن سب کچھ ہوگا۔ وهي خرابٌ من الهدى۔ لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی۔ بجی سجائی ہیں بظاہر بہت رونق معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ہدایت سے خالی ہیں اور اس دور کے بارے میں فرمایا علماء هم شر من تحت اديم السماء.

ذرا ترجمے پر غور فرمائیں۔ آسمان کی چھت کے نیچے جو لوگ بس رہے ہوں گے

اس وقت کے علماء ان سب لوگوں سے بدتر ہوں گے۔ یہ ساری مشکوۃ کی روایتیں ہیں
جو آپ کے ہاتھ میں کتاب ہے اس میں سے پڑھ رہا ہوں۔

تو یہ روایات ہمارے سامنے ظاہر کرتی ہیں کہ علم والے دو قسم کے ہیں۔ ایک علم
والے وہ ہیں جو انبیاء کے وارث ہیں اور ایک علماء وہ ہیں جن کو شر الشر کہا گیا۔ ایک
علم والے ہیں جو عبادت گزاروں کے مقابلے میں چودھویں رات کے چاند کی طرح
ہیں۔ اتنی فضیلت رکھتے ہیں جتنی فضیلت حضور ﷺ کی ایک عام انسان کے مقابلے
میں ہے اور ایک جماعت دوسری ہے۔ جن کو کہا گیا کہ وہ ملعون ہے علیھم لعنۃ اللہ
والملئکۃ والناس اجمعین یہ بھی اہل علم کا ذکر ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا
مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَ الْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتَابِ اُولٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ
يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ.

تو ان پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور ہر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں یہ بھی
علماء کے متعلق ہے۔

مقام غور

تو یہ دونوں قسم کی باتیں سامنے آنے کے بعد اب ہم جو اپنے آپ کو علم کی طرف
منسوب کیے بیٹھے ہیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اہل علم کی صف میں شامل ہیں تو کیا
ہمارے لیے یہ سوچنے اور غور کرنے کا مقام نہیں ہے کہ دونوں طبقوں میں سے ہمارا شمار
کس طبقے میں ہے یا ہم کس طبقے میں شمار ہونا چاہتے ہیں۔ اور اس طبقے کا کیا علامات
ہیں۔ اس طبقے کی کیا خصوصیات ہیں کیا ہم کریں کہ ہم خیر الخیار ہو جائیں اور کن باتوں
سے ہم بچیں تا کہ ہم کہیں شر الشر نہ ہو جائیں۔ آخر ہمارے ذہن میں یہ سوال اٹھنا
چاہیے اور ہمیں سنجیدگی کے ساتھ بیٹھ کے اس بات کو سمجھنا چاہیے صرف فضائل یاد کر لینا
کافی نہیں جب تک اس کے مطابق ہمارا عمل نہ ہو۔ سوچیں گے سوچنے کے بعد پھر ہم کو
شش کریں گے کہ ہم اس طبقے میں شامل ہوں جو خیر الخیر ہے۔ جو انبیاء کا وارث

ہے۔

اس سوچنے کے نتیجے میں جو بات ہمارے سامنے آتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ علم جو نبیوں والا علم ہے۔ علم وہ ہے جس کے ساتھ عمل کا جوڑ لگا ہوا ہو۔ اور دوسرا علم جو برکت سے خالی ہے جس کی بناء پر نحوست برتی ہے وہ علم ہے جو عمل سے خالی ہے جیسے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ بھی مشکوۃ کی کتاب العلم میں ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں العلم علمان علم دو قسم پر ہے۔ یہ وہی بات دوسرے عنوان سے آ گئی تو علم دو قسم پر ہے عِلْمٌ فِي الْقَلْبِ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ۔ ایک علم تو وہ ہے جو دل پہ اثر انداز ہے اور ایک علم وہ ہے جو صرف زبان تک ہے۔ علمٌ فی القلب وہ علم جو دل میں ہے وہ علم نافع ہے۔ اور جو علم زبان پر ہے حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَى ابْنِ آدَمَ۔ وہ آدم کے بچے کے خلاف اللہ کی حجت ہے۔ جس کے ساتھ اللہ آدم کے بچے کو پکڑے گا کہ تیرے پاس علم تھا اور تو نے پھر اس پر عمل کیوں نہیں کیا۔ (مشکوۃ ۱/ ۳۷)

علم سے اصل مقصود عمل ہے

تو حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی علم کی دو قسمیں نکل آئیں۔ اگر علم پر عمل نہ ہو خالی علم ہو تو یہ علم یہودیوں کے پاس بھی ہے۔ یہ علم عیسائیوں کے پاس بھی ہے۔ شیطان کے پاس بھی ہے۔ ہر شریر سے شریر تر کے پاس بھی ہے۔ اور نبیوں والے کے علم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس بات کو جانتے ہیں۔ اس کو دل سے مانتے ہیں اور پھر اس کو اپناتے ہیں اور اس کے اوپر عمل کرتے ہیں یہ ہے علم جو جب آتا ہے تو اپنے ساتھ نور اور روشنی لے کے آتا ہے۔ اور جب آتا ہے تو انسان کے دل دماغ کو اس کے مطابق ڈھال دیتا ہے۔ اور جو علم صرف زبان پر ہی ہے۔ وہی ہے معلومات کا مجموعہ جو شیطان کے پاس بھی ہے۔ مستشرقین کے پاس بھی ہے۔ یہودیوں کے پاس بھی ہے۔ جنہوں نے مختصر المعانی پڑھ لی ان کو تو یہ بات معلوم ہے اور جنہوں نے نہیں پڑھی وہ بھی جان لیں کہ ایک گفتگو کا انداز یہ بھی ہے کہ عالم کو بمنزلہ جاہل کے قرار دے

کے گفتگو کی جاتی ہے۔ کہ یہ عالم ہی نہیں۔ مثلاً ایک آدمی ہے۔ ایک نوجوان ہے اپنے باپ کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔ یا اپنی ماں کو گولیاں دے رہا ہے تو دوسرا آدمی کہے گا یہ تیرا باپ ہے۔ اب یہ اس کو خبر دے رہا ہے۔ اب یہ کیا اس گالیاں دینے والے کو پتہ نہیں کہ یہ میرا باپ ہے؟ پتہ ہے نا؟ (جی) لیکن اس کو یاد دلایا جا رہا ہے۔ کیونکہ اس کا یہ طرز عمل بتاتا ہے کہ اس کو پتہ ہی نہیں کہ یہ میرا باپ ہے۔ اگر پتہ ہوتا کہ باپ ہے تو ایسی گستاخی نہ کرتا۔ اس لیے اس کے سامنے کہا جائے گا یہ تیرا باپ ہے۔ گویا کہ وہ جاہل ہے جاہل کو بات بتائی جا رہی ہے۔ اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ جب کوئی شخص اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرتا ہو تو وہ ایسا ہے جیسے اس علم سے جاہل ہے اس کو عالم نہیں سمجھا جاتا یہ ایک گفتگو کا انداز ہے۔

اب ایک شخص کو پتہ ہے کہ نماز فرض ہے اور اللہ کا حکم ہے کہ نماز پڑھو یہ علم ہے آپ کو حاصل ہو گیا؟ (جی) اب اگر تو اس علم کے ساتھ اس پر عمل بھی ہو گیا کہ نماز پڑھ لی تو یہ وراثت ہے نبیوں کی اور اگر آپ صرف جانتے ہیں کہ نماز فرض ہے لیکن پڑھتے نہیں یہ علم وہ ہے جو شیطان کو بھی ہے۔ پھر اس میں کیا فضیلت ہوگی۔ ہم جانتے ہیں زنا حرام ہے۔ ہم جانتے ہیں لواطت حرام ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ چوری حرام ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جھوٹ بولنا حرام ہے۔ یہ ساری کی ساری باتیں ہمیں معلوم ہیں۔ یہ علم ہے۔ اب اگر ان کے مطابق عمل ہوا کہ زنا سے بچتے ہیں لواطت سے بچتے ہیں چوری سے بچتے ہیں جھوٹ بولنے سے بچتے ہیں۔

تو یہ علم وہ ہے جو نبیوں کے رستے سے آیا ہے۔ اور انبیاء کی وراثت ہے۔ تو یہ دل پر اثر انداز ہے آپ اس سے متاثر ہو گئے ہیں آپ اس میں رنگے گئے۔ اور اگر یہ سب کچھ جاننے کے باوجود جھوٹ بھی بولتے ہیں اور سب کچھ جاننے کے باوجود بد معاشی بھی کرتے ہیں۔ تو یہ علم وہ ہے جو شیطان کو بھی حاصل ہے۔ یہ علم کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ اگر تو جانی ہوئی چیز کے مطابق عمل ہو پھر تو اس کو کہیں گے کہ یہ علم نافع

ہے۔ اور علم مفید ہے اور اگر اس کے مطابق عمل نہیں تو یہ نبیوں کی وراثت نہیں۔ نبیوں کی وراثت وہ علم ہے جس کے اندر انسان رنگا جائے۔ وہ صرف زبان پر نہ ہو بلکہ انسان کے دل دماغ کو متاثر کر کے اسی سانچے کے اندر انسان کو ڈھال دے۔ جو ان باتوں کا تقاضا ہے۔ یہ علم ہے۔ جس کو ہم کہیں گے کہ یہ انبیاء کی وراثت ہے۔

قارون کا خزانہ اور اہل علم کی شان

ایک موٹی سی نشانی آپ کو بتا کے اس بات کو ختم کرتا ہوں قرآن کریم میں ایک بہت بڑے سرمایہ دار کا تذکرہ ہے۔ وہ کون ہے؟ (قارون) اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى۔ اس رکوع میں اس کا ذکر آیا ہوا ہے۔ یہ مثالی سرمایہ دار تھا۔ جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ اتنے اس کے خزانے تھے کہ اس کے خزانے کی چابیاں اٹھا کے اگر ایک جماعت چلتی تھی تو بوجھ محسوس کرتی تھی۔ قرآن کریم نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک دفعہ یہ قارون پورے سج دھج کے ساتھ جس طرح سے سرمایہ داروں کی عادت ہوتی ہے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ شان وشوکت کے ساتھ نکلا۔ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ۔ بڑی ٹاٹھ باٹھ کے ساتھ نکلا۔ خدام ہوں گے، سواریاں ہوں گی، زیب وزینت ہوگی۔ نعرہ بازی ہوگی، آگے پیچھے ہر قسم کے لوگ جو ہوتے ہیں، تعریفیں کرنے والے، چاپلوسی کرنے والے ہوں گے تو بڑی شان وشوکت کے ساتھ یہ نکلا جس وقت یہ نکلا تو قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ۔ ایک طبقہ اس وقت ایسا موجود تھا۔ کہ قارون کی اس شان وشوکت کو دیکھ کر اور اس کی ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھ کر اس کی زیب وزینت کو دیکھ کر ان کی رال ٹپکی۔ ہمارے محاورے کے مطابق منہ میں پانی آ گیا۔ اور دل کے تہہ سے ان کی یہ خواہش ابھری یا لیت لنا مثل ما اوتی قارون۔ ہائے کاش! ہمارے لیے بھی ایسی شان وشوکت ہوتی ہمارے پاس بھی ایسے ہی خزانے ہوتے جیسے کہ قارون کو ملے۔ اللہ کہتا ہے کہ یہ لوگ جو تھے قارون جیسے سرمایہ دار کو دیکھ کر ان کی رال ٹپکی کہ دل میں یہ ہوس پیدا ہوئی کہ کاش! کہ ہم بھی ایسے

ہوتے ہمارے پاس بھی ساری کی ساری چیزیں موجود ہوتیں۔ یہ کون لوگ تھے۔ یہ تھے الذین یریدون الحیوۃ الدنیا۔ جن کے سامنے صرف دنیا کی زندگی تھی۔ اور کچھ نہیں تھا۔ حیات دنیا کا ارادہ رکھنے والے۔ جن کے نزدیک عیش صرف دنیا کی ہے جن کے نزدیک خوشی صرف دنیا کی ہے۔ آخرت سے غافل وہ قارون کو دیکھ کے ان کے دلوں میں یہ خواہش ابھری کاش کہ ہم بھی ایسے ہوتے۔ جیسے آپ کے پاس سے کوئی کار والا گزرا تو دل میں یہ خواہش ہوئی کہ کتنا بڑا خوش نصیب ہے وہاں بھی یہی لفظ ہیں اِنَّہٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ کہ یہ قارون بڑا خوش نصیب ہے۔ تو اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کہنے والے وہ لوگ تھے۔ جو صرف دنیا کا ارادہ رکھتے تھے۔

اور ایک دوسرا طبقہ بھی تھا وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ۔ لفظوں پر غور کریں کہ جو لوگ علم دیے گئے تھے وہ کہنے لگے وَیْلَکُمْ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیْرٌ۔ او! تمہارا ستیاناس ہوجائے۔ تم قارون جیسے سامان کی تمنا کیوں کرتے ہو؟ تم اللہ کے ثواب کا ارادہ کرو کہ اللہ کے ہاں ثواب کس چیز پہ ملتا ہے۔ وہ اپنانے کی کوشش کرو۔ آخرت کا خیال کرو کہ آخرت کا ثواب کس چیز سے ملتا ہے۔ یہ کہنے والے کون تھے۔ الذین اوتوا العلم۔ یہ علم والے تھے۔ کہ قارون کے پاس جو کچھ ہے اس کے مقابلے میں اللہ کا ثواب بہتر ہے۔

وَمَا یُلَقّٰھَا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا غور کریں۔ وہ کہتے تھے انہ لذو حظ عظیم۔ کہ یہ قارون بڑا خوش نصیب ہے۔ اللہ فرماتے ہیں جن کو یہ خیال تھا کہ ثَوَابُ اللّٰہِ خَیْرٌ۔ یہ نظریہ اور خیال انہی کو ملتا ہے۔ جو خوش نصیب ہوتے ہیں اور جو صابر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

تو اس واقعہ نے ہمارے سامنے ایک حقیقت کو نمایاں کیا وہ حقیقت یہ ہے کہ اہل علم کے لیے ایک بڑی علامت ہے۔ کہ اگر آپ جاننا چاہیں کہ ہم کس طبقے میں شامل ہیں اولو العلم ہیں یا نہیں۔ اہل علم میں شامل ہیں یا نہیں۔ یہ ایک موٹی سی علامت

بیان کرنی تھی اس لیے میں نے یہ بات آپ کے سامنے ذکر کی۔ پہلی بات میں نے کہی ہے کہ معلومات کے ساتھ اگر عمل بھی ہے۔ تو یہ علم انبیاء والا ہے۔ اور اگر معلومات کے ساتھ عمل نہیں تو یہ نبیوں والا علم نہیں ہے۔ یہ دوسرا طبقہ ہوگیا۔

اب ایک دوسری نشانی بتاتا ہوں جس کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ کہ دنیا کی سج دھج دیکھنے کے بعد کسی کی اچھی کوٹھی دیکھ لے۔ کسی کی کار دیکھ لے' کسی کا اچھا لباس دیکھ لے' کسی کو بڑے عہدے پہ دیکھ لے۔ اگر دل میں یہ خیال ابھرتا ہے کہ یہ ہم سے اچھے ہیں' بڑے خوش نصیب ہیں' کاش کہ ہم بھی ایسے ہوتے۔

اگر دل میں یہ خیال آتا ہے تو یہ شخص دنیا دار ہے یہ علم والا نہیں ہے اگر وہ عالم بھی ہے تو بھی وہ دنیا دار ہے۔ اگر وہ بہت زیادہ معلومات رکھنے والا ہے تو بھی دنیا دار ہے۔ جس کے دل میں اس بات کی عظمت ہو کہ سرمایہ داروں کے پاس جو کچھ ہے کاش کہ ہمارے پاس بھی ہو اور یہ خوش نصیب ہے۔ تو یہ دنیا دار ہونے کی علامت ہے۔ اور جس کے سامنے ہر وقت یہ بات رہے کہ کار کوٹھی کیا کرنی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا ساتھ ملے تو ٹھیک ہے۔ اور اگر اللہ کی رضا ساتھ نہ ملے تو یہ تو عذاب کے اسباب ہیں۔ کام وہ کرنا چاہیے جس میں اللہ کے ہاں ثواب ملے۔ آخرت آباد ہو۔ آخرت میں راحت ہو۔

تو اللہ فرماتے ہیں کہ علم والے یہ لوگ ہیں' اوتو العلم یہ لوگ ہیں' تو ہم بھی اپنے قلب کے اندر غور کر سکتے ہیں کہ ہمارے دل کی کیفیت کیا ہے۔ اگر تو دنیا کی طلب ہمارے دل میں ہے۔ دنیا داروں کی عظمت ہمارے دل میں ہے۔ اور ان دنیا داروں کو دیکھ کر' ان کے لباس کو دیکھ کر' ان کی چہل پہل کو دیکھ کر' اگر ہمارے دل میں یہ بات آتی ہے کہ یہ بڑے خوش نصیب ہیں تو سمجھ لیں کہ ہم دنیادار ہیں۔ اور اگر آپ کے نزدیک ان کی کار کی حیثیت ان کی بے دینی کے ساتھ۔ (دین کے ساتھ اگر اللہ دنیا دے' دنیا کا سامان دے اور اس دنیا کے سامان کو دین کی خاطر خرچ کرنے کی توفیق دے' اللہ کی

رضا کے مطابق اس کو استعمال کیا جائے' تو وہ اللہ کی نعمت ہے۔ وہ پھر قابل مذمت نہیں) لیکن اگر اللہ سے غفلت اور دین سے بیزاری بدعملی کے ساتھ دنیا کا سامان حاصل ہوجائے' تو یہ چیز ایسی ہے جو قابل رشک نہیں۔ یہ چیز ایسی ہے جو انسان کو عذاب کی طرف لے جانے والی ہے۔ جیسے قرآن میں آ گیا کہ کسی کی جائیداد دیکھ کے فاسقوں کی منافقوں کی مال واولاد دیکھ کے دھوکہ نہ کھائیں اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُعَذِّبَھُمْ بِھَا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے عذاب دینا چاہتا ہے۔ یہ اولاد عذاب ہے۔ یہ مال ودولت عذاب ہے۔ اگر دین سے غفلت ہے تو۔

ان چیزوں کو دیکھ کر اگر علم ہے اور دل تک پہنچا ہوا ہے۔ دل پر اثر انداز ہے۔ تو پھر انسان کے دل میں دنیا کے سامان کو دیکھ کر حرص ولالچ نہیں آیا کرتا۔ بلکہ انسان یہ کہتا ہے کہ اللہ کی رضا نصیب ہو۔ اگر اچھا لباس نہیں تو کوئی بات نہیں۔ چٹائی پہ بیٹھنا پڑ گیا تو کوئی بات نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ آخرت میں راحت کس چیز کے ساتھ ہوتی ہے۔ اگر جذبات یہ ہیں تو وہ شخص اوتوا العلم میں داخل ہے۔ اور علم والا ہے۔ یہ بھی ایک پکی علامت ہے۔ پہنچاننے کے لیے کہ علم ہمارے لیے مفید ہے یا ہمارا شمار کسی دوسرے طبقے میں ہے۔

تو دنیا کی طمع اور لالچ' یہ علم والا ہونے کی علامت نہیں۔ اور دنیا حاصل کرنا جائز ناجائز طریقے سے یہ دنیا دار ہونے کی علامت ہے۔ یہ اہل علم کی شان نہیں۔ تو علم کی مطابق عمل اور دل میں جذبات اس کے ساتھ ہم پہچان سکتے ہیں کہ ہمارا علم صحیح ہے یا نہیں ہے۔ تو یہ غور وفکر کرنے کی بات ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں اچھے لوگوں میں شامل ہونے کی توفیق دے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ جو بات علم میں آجائے اس کے مطابق عمل کرو۔ جیسے آ گیا نماز فرض ہے۔ تو اس کو پڑھو۔ چوری بری بات ہے۔ تو اس سے بچو۔ جھوٹ بولنا بری بات ہے اس سے بچو۔ اگر ان باتوں پر عمل کرو گے تو تم فضیلت والے علم کو حاصل کر رہے ہو۔ اور اگر ان کے اوپر عمل نہیں کرتے تو یوں سمجھو کہ

علم فضیلت والا نہیں ہے۔

علم کی حقیقت بزبان سعدیؒ

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ جس طرح سے کہتے ہیں (گلستان کے آٹھویں باب میں ہے)

علم چنداں کہ بیشتر خوانی
چوں عمل درتو نیست نادانی

"علم جتنا چاہو پڑھ لو اگر تمہارے اندر عمل نہیں ہے تو تم نادان کے نادان ہو جاہل کے جاہل ہو۔"

نہ محقق شود نہ دانش مند
چار پائے برو کتابے چند

کہ نہ محقق بنتا ہے نہ عقل مند بنتا ہے اگر گدھے کے اوپر چند کتابیں لاد دی جائیں گدھے کے اوپر اگر کتب خانہ رکھ دو۔ تم بھی اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے۔ اتنی اتنی کتابیں اٹھائے پھرتے ہو۔ گدھے کے اوپر۔ اگر عمل نہیں تو ایسے ہی ہے جیسے گدھے کے اوپر کتابیں رکھ دی جائیں۔ اور یہ شیخ کی بات ہے۔

او بے خبر را چہ خبر!

اس بے خبر کو تو اتنا بھی پتہ نہیں ہوتا کہ اس کے اوپر لکڑیاں لدی ہوئی ہیں یا کتابیں۔ ایک بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں اس کو لکڑیاں اور کتابوں کا بھی پتہ نہیں کہ ان میں فرق کیا ہے خود قرآن کریم نے یہی مثال دی ہے۔

یہود کے علماء کی کہ جنہوں نے علم کو دنیاداروں کا ذریعہ بنایا اور اس کے مطابق عمل نہیں کیا تو قرآن کہتا ہے۔

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾

"ان کی مثال تو اس گدھے کی ہے جس کے اوپر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔"

اسفار سِفُر کی جمع ہے سفر بڑی کتاب کو کہتے ہیں۔تو عالم بے عمل کی مثال ایسے ہے جیسے گدھے پر کتابیں لاد دی جائیں۔تو اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کریں اور آپ قصد و ارادہ بھی کریں کہ ہم نے ان لوگوں میں شامل ہونا ہے جس علم کی فضیلت آئی ہے جس طبقے کی فضیلت آئی ہے۔ہم نے اس طبقے میں شامل نہیں ہونا جس کی مذمت آئی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں پڑھے ہوئے پر عمل کرنے کی توفیق دے۔اور اچھے طبقے میں ہمیں شامل کر دے۔

سوال: بریلوی، شیعہ، غیر مقلد، عیسائی، مرزائی، مماتی یہ سارے طبقے دیو بندیت کو مٹانے کے لیے کیوں تلے ہوئے ہیں۔ذرا تفصیل سے وضاحت فرمائیں۔

جواب: اس میں تو وضاحت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب حق اور باطل کی جنگ ہمیشہ ہوتی رہی آپ پیدا اس دور میں ہوئے ہیں اس لیے آپ سوچ رہے ہیں شاید اسی دور میں مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔یہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب سے دنیا بنی ہے اس وقت سے ایسے ہی ہے۔قرآن کہتا ہے۔

﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ﴾

"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں کو ساتھ بجھا دیں۔جس طرح سے چراغ کو پھونکے مار کے بجھاتے ہیں۔یعنی اعتراض کر کے کسی کے دین کو خراب کر دینا۔"

لیکن یہ اس نور کو بجھا نہیں سکیں گے اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کر کے چھوڑے گا اگرچہ کافروں کو ناگوار ہی گزرے۔تو اس نور کو بجھانے کے لیے پھونکیں مارنا یہ تو بہت پرانے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔حق اور باطل کو بیان کرنے کے لیے اللہ نے یہی عنوان اختیار کیا ہے۔جس کا ترجمہ کسی نے یوں کیا ہے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اس لیے سارے زور لگا لیں۔ اگر اللہ نے اس دنیا کو باقی رکھنا ہے' زمین وآسمان کو باقی رکھنا ہے تو اس وقت تک دیو بندیت باقی ہے۔ اور جس دن یہ اہل حق فرقہ ختم ہو جائے گا' نہ زمین رہے گی' نہ آسمان رہے گا۔ اس لیے کسی کے رد کرنے سے' کسی کے مٹانے سے کوئی مٹتا نہیں۔ دیو بندیت حق کا عنوان ہے۔ دیو بندیت کوئی نیا مذہب نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق قبول کرنے کی توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

اہل حق کے ساتھ حکومتوں کا برتاؤ

بمقام: جامعہ مصباح العلوم۔ منظور کالونی۔ کراچی

بموقع: تقریب ختم بخاری شریف

تاریخ: ۲۱ جولائی ۲۰۰۷ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ. وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَبِا السَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنَّا اِلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الْحَدِيْثِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِىْ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ وَاَنَّ اَعْمَالَ بَنِىْ آدَمَ وَقَوْلَهُمْ يُوْزَنُ وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْقِسْطَاسُ الْعَدْلُ بِالرُّوْمِيَّةِ وَيُقَالُ الْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ وَهُوَ الْعَادِلُ وَاَمَّا الْقَاسِطُ فَهُوَ الْجَائِرُ.

بِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَشْكَابَ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِىْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَنْهُمْ قَالَ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِى الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّىْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ.

سالانہ جلسوں کا بنیادی مقصد

عربی مدارس میں یہ تعلیمی سال کا اختتام ہے۔ رمضان المبارک کے بعد شوال میں تعلیم شروع ہوا کرتی ہے اور رجب میں اسباق کا اختتام ہو جاتا ہے۔ رجب کی آخری تاریخوں میں یا شعبان کی ابتدائی تاریخوں میں امتحانات ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح سے تعلیمی سال اختتام کو پہنچ جاتا ہے۔

عام طور پر معمول ہے کہ اسباق کے اختتام کے موقع پر ایسی تقریبات منعقد کر لی جاتی ہیں۔ جن سے ایک مقصد تو اپنے احباب کو اس کار خیر میں شریک کرنا ہوتا ہے۔ کہ آخری دعا میں احباب بھی شامل ہو جائیں اور اس کی برکت کو وہ بھی حاصل کر لیں۔ اور ساتھ ساتھ ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ مدرسے کی کارکردگی اس کے معاونین کے سامنے آ جائے۔ جو لوگ مدارس کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور ان کے اس تعاون کے نتیجے میں آپ دیکھ رہے ہیں اور آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ کتنے قرآن کریم کے حافظ تیار ہو گئے۔ اور کتنی قرآن کریم کی حافظات بچیاں تیار ہو گئیں۔ اور یہ کھیپ جو پیدا ہو رہی ہے یہ اس دور میں قرآن کریم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ اور ہر مدرسے میں اسی طرح سے طلبہ اور طالبات حفظ کر کے فارغ ہوتے ہیں۔

ظلم کے بعد مدارس میں اضافہ

ان سب باتوں کے سامنے آنے کے بعد بھی اگر کسی کے دماغ میں یہ خیال آتا ہے کہ اس جماعت کو مٹایا جا سکتا ہے۔ تو میرا خیال ہے کہ اس کے لیے پاگل خانے کے علاوہ دوسری کوئی جگہ نہیں۔

جب تک یہ دباؤ شروع نہیں ہوا تھا اور مٹانے کی کوششیں شروع نہیں ہوئی تھیں۔ تو مدارس میں نہ اتنے طلبہ ہوتے تھے نہ اتنے حافظ تیار ہوتے تھے نہ اتنے مولوی

تیار ہوتے تھے' نہ عالم تیار ہوتے تھے' طلبہ کی بہت تھوڑی مقدار ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ میرے سامنے کی بات ہے کہ وفاق کا سالانہ امتحان ہوتا تھا تو پورے کراچی کے مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ جنہوں نے دورہ پڑھا ہوتا تھا ان کا امتحان نیو ٹاؤن کے دارالحدیث میں ہوتا تھا۔ پورے شہر میں صرف اتنی سی تعداد ہوتی تھی۔ اور جب سے عداوت کا مظاہرہ شروع ہوا اور مدرسوں کو مٹانے کے لیے کوششیں شروع ہوئیں تو اللہ کی طرف سے اتنی بھیڑ مدرسوں میں ہوگئی کہ اب صرف نیو ٹاؤن کے ہی طلبہ پڑھنے کے لیے بھی اس دارالحدیث میں نہیں سماتے۔ سارے کراچی کے طلبہ کو اکٹھا کر دیا جائے تو پھر تو کوئی جگہ ہی نہیں ہے کہ جس میں بٹھا کے ان کا امتحان لیا جائے۔

اس لیے میرے خیال میں آٹھ' دس سنٹر کراچی میں ہیں جہاں دورہ حدیث شریف کا امتحان ہوتا ہے' طالبات کا بھی امتحان ہوتا ہے اور طلبہ کا بھی۔ اب آپ نے سن لیا۔ کہ اس سال جامعہ ہذا میں طالبات میں سے ۳۲ بچیاں دورۂ حدیث سے فارغ ہو رہی ہیں۔ اور عالمات بن رہی ہیں جنہوں نے اس سال بخاری اور دوسری حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ اور ایسے ہی ایک ایک مدرسے میں سینکڑوں کی تعداد ہے۔ ہم ایک پس ماندہ علاقہ کہروڑ پکا میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ جو دریائے ستلج کے کنارے پہ ہے۔ جہاں سڑکیں بھی اب بنی ہیں اور آنے جانے کی سہولت اب میسر ہوئی ہے۔ مولانا امان اللہ صاحب خالدی مدیر جامعہ قاسمیہ کراچی کا اصل وطن وہی ہے اور یہی مجھے وہاں بٹھا کر آئے تھے۔ اس پس ماندگی کے باوجود ہمارے ہاں اس سال طلبہ میں دورۂ حدیث شریف میں ۷۶ اور طالبات میں ۸۵ بچیاں فارغ ہو رہی ہیں۔

کیا مدارس اسلام کے قلعے ہیں؟

آپ نے سنا ہے کہ انہوں نے (مولانا عبدالقیوم صاحب نعمانی) ایک لفظ استعمال کیا تھا کہ عربی مدارس اسلام کے قلعے ہیں یہ بات سو فیصد صحیح ہے۔ قلعہ میں محصور ہو کے انسان دشمن کے حملوں سے بچتا ہے۔ تو قلعہ بچاؤ کا ذریعہ ہوتا ہے۔ پناہ

لینے کی جگہ ہوتی ہے۔ تو ان لفظوں کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے مدارس میں پناہ لی ہوئی ہے۔ اور مدارس اسلام کے بچاؤ کا ذریعہ ہیں۔ یہ تعبیر اپنی جگہ درست ہے۔ ہم نے گھروں سے اسلام کو نکال دیا۔ بازاروں اور مارکیٹوں سے نکال دیا' عدالتوں سے نکال دیا' حکومت کے دفتروں سے نکال دیا اور سکولوں سے نکال دیا' کالجوں سے نکال دیا۔ ہر جگہ سے نکال دیا' لیکن مدارس کے اندر یہ مساکین ہیں جو اس کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ تو اس اعتبار سے آپ ٹھیک کہتے ہیں کہ مدارس دین کے بچاؤ کا ذریعہ ہیں۔

لیکن اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ ایک دوسری بات بھی ذہن میں رکھیں۔ کہ اسلام اللہ کا دین ہے۔ اللہ کا اتارا ہوا ہے۔

﴿ان الدین عند اللہ الاسلام﴾

اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے اور اس کو اللہ نے ہی اتارا ہے۔ اور اللہ اس کے رسول کی طرف سے صراحتاً اس بات کا وعدہ ہے کہ قیامت تک اس دین نے باقی رہنا ہے۔ جب اس دین نے باقی رہنا ہے تو ذرا تھوڑا غور فرمائیں کہ پہلے فقرے کا مفہوم یہ ہے کہ شاید ہم اس کو بچائے بیٹھے ہیں۔ اگرچہ یہ ظاہری حالات کے اعتبار سے ٹھیک ہے۔ لیکن اصل کے اعتبار سے اسلام کا محافظ تو اللہ ہے۔

اسلام دوسروں کو بچاتا ہے

لیکن سرور کائنات ﷺ نے مخالف ماحول میں جو عنوان اختیار کیا ہے وہ عنوان یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی چھوٹی سی بستی میں بیٹھ کر بڑے بڑے بادشاہوں کو خط لکھے۔ چٹائی کے اوپر بیٹھ کر' فاقہ زدہ پیٹ کے ساتھ' بغیر کسی قسم کے ظاہری اسباب کے قیصر روم کو خط لکھا جو آج اصل خط دریافت ہو گیا ہے۔ اور اس کے فوٹو چھپے ہوئے ہیں۔ اور اس وقت قیصر روم عیسائیوں کی سب سے بڑی سلطنت تھی۔ قیصر بادشاہ کا لقب تھا۔ یہ خط اسی بخاری کتاب العلم میں موجود ہے۔ اور جو خط دریافت ہوا ہے جب اس کی اور بخاری کی عبارت کو دیکھا گیا تو نقطہ بنقطہ زبر بزبر زیر بزیر مطابق ہے۔ جس سے معلوم

ہوتا ہے کہ کتابوں کے اندر روایات کتنی صحیح ہیں۔

اس خط میں رسول اللہ ﷺ نے قیصر کو لکھا۔ اَسْلِمْ تَسْلَمْ کہ مسلمان ہو جا بچ جائے گا۔ اسلام قبول کرلو بچ جاؤ گے۔ تو معلوم ہو گیا اسلام بچاتا ہے اسلام کو بچایا نہیں جاتا جس بادشاہ کو بھی خط لکھا ہر خط میں لفظ یہی ہیں اَسْلِمْ تَسْلَمْ۔ کہ مسلمان ہو جا بچ جائے گا۔

لیکن جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا آپ نے وہ بچتے ہوئے دیکھے یا تباہ ہوتے ہوئے دیکھے؟ تاریخ آپ کو کیا بتاتی ہے؟ جنہوں نے اسلام قبول کیا وہ بچ گئے اور روشن حروف کے اندران کا تذکرہ تاریخ میں موجود ہے۔ لیکن جنہوں نے قبول نہیں کیا وہ کس طرح سے برباد ہوئے۔ تاریخ کو ذرا پڑھ کر دیکھ لو۔ پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ اسلام بچانے کی چیز ہے یا اسلام خود ہمیں بچاتا ہے۔ لہٰذا ہم اسلام کو نہیں بچاتے بلکہ اسلام ہمیں بچاتا ہے۔ آپ اور ہم بلکہ پوری دنیا اگر بچی ہوئی ہے تو اس اسلام کی برکت سے بچی ہوئی ہے۔

جس دن اسلام کا نام ونشان مٹ گیا۔ حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ بات آتی ہے اور ہمارے عقیدے میں شامل ہے۔ اس دن اس دنیا کی ضرورت نہیں رہے گی سب ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور قیامت آجائے گی۔ تو دنیا بچی ہوئی ہی اس وقت تک ہے جب تک اسلام باقی ہے۔

شخصی اور عالمی وجود کی بقاء کا مدار

صراحتاً روایت کے اندر آتا ہے کہ جب کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہیں رہے گا تو اس وقت دنیا کا وہ حال ہو جائے گا جس طرح سے ہمارا ایک شخصی وجود ہے۔ اور ایک یہ عالمی وجود ہے۔ ہمارے شخصی وجود کی بقاء شخصی روح کے ساتھ ہے۔ جب شخصی روح ہمارے اندر موجود ہے تو:

۞ ہماری آنکھیں بھی کام دیتی ہے۔

- ہمارے کان بھی کام دیتے ہیں۔
- ہماری زبان بھی کام دیتی ہے۔
- ہمارے ہاتھ بھی کام دیتے ہیں۔
- ہمارے پاؤں بھی کام دیتے ہیں۔

ساری مشینری کام میں لگی ہوئی ہے۔ آپس میں جڑی ہوئی ہے آپس میں اتفاق ہے۔ اور اس کا وجود باقی ہے۔ لیکن آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے کہ جب اس جسم سے روح نکل جاتی ہے تو ایک ایک عضو بے کار ہونے کے ساتھ ساتھ منتشر ہو جاتا ہے۔ کھال علیحدہ' گوشت علیحدہ۔ ہڈیاں علیحدہ' جوڑ کھل جاتے ہیں اور انسان ذرات کی شکل میں آ جاتا ہے۔ تو جب روح نکل جائے تو پھر بدن باقی نہیں رہتا۔

بالکل اسی طرح اجتماعی زندگی کی روح اسلام ہے۔ اور اللہ کا نام ہے۔ جس وقت تک یہ باقی ہے اس وقت تک دنیا باقی ہے اور جس دن اس روئے زمین پر کوئی اللہ کا نام لینے والا نہیں رہے گا (ہمارے عقیدے میں یہ بات داخل ہے) تو اس کے بعد یہ دنیا اس طرح سے بکھرے گی جیسے شخصی وجود روح کے نکل جانے کے بعد بکھرتا ہے۔

اس لیے آج دنیا اگر قائم ہے تو انہی لوگوں کی برکت سے قائم ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے قبول کیا ہوا ہے۔ اور یہ خوش نصیب طبقہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی بقاء کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ قرآن کو باقی تو اللہ نے رکھنا ہے۔ لیکن یہ خوش نصیب ہیں کہ ان کے سینوں میں باقی رکھا ہوا ہے۔ تو ان چھوٹے بچوں کو اللہ نے قرآن کی بقاء اور اسلام کی بقاء کا ذریعہ بنایا ہے۔ باقی ان شاء اللہ العزیز اسلام بھی رہے گا۔ مسلمان بھی رہیں گے اور جس دن یہ ختم ہو گئے تو ساری دنیا ختم ہو جائے گی۔

یہ تو میں نے آپ کے سامنے اس مناسبت سے بات کہہ دی کہ کہیں آپ لوگوں کے دماغ میں یہ بات نہ آ جائے کہ ہم اسلام پہ احسان کیے ہوئے ہیں جو ہم اس کو بچائے بیٹھے ہیں۔ ہمارا کوئی احسان نہیں۔ اللہ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ اور ہم اللہ

تعالیٰ کا بہت بہت شکر ادا کرتے ہیں۔ کہ دین نے تو باقی رہنا تھا لیکن اللہ نے ہمیں اس کے لیے قبول فرمالیا۔ اس لیے ہم اللہ کے شکر گزار ہیں اور اس کا احسان مانتے ہیں۔ اللہ پر احسان نہیں جتاتے کہ تیری کتاب کو ہم بچائے بیٹھے ہیں۔ نہیں نہیں۔ بلکہ اللہ کی کتاب ہمیں بچائے بیٹھی ہے۔

باقی آپ حضرات جانتے ہیں کہ حدیث کی کتابوں میں جو ہمارے ہاں باقاعدگی کے ساتھ پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ سب سے زیادہ اہم کتاب جس کو اصح الکتب کہا جاتا ہے وہ صحیح البخاری ہے جس کی دوسری جلد میرے سامنے رکھی ہوئی ہے۔ تو محدثین میں حضرت امام بخاری کو امامت کا درجہ حاصل ہے محدثین جتنے بھی ہیں سب ان کو استاذ مانتے ہیں۔ جب ہم سبق شروع کرتے ہیں تو ان کے لیے امیر المومنین فی الحدیث کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ تو محدثین میں سب سے زیادہ ممتاز حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

امام اعظم کے لفظ پر غیر مقلدین کا اعتراض اور جواب

اور دوسرا گروہ جو اس دین کا خادم ہے جس نے اس دین کو سہل (آسان) کر کے عوام کے لیے قابل عمل بنا دیا وہ فقہاء کا گروہ ہے۔ اور فقہاء کے گروہ میں سب سے بڑے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اس حساب سے بھی بڑے ہیں کہ سب سے پہلے ہیں۔ کیونکہ ان کی ۸۰ھ میں ولادت ہے۔ اور ۱۵۰ میں وفات ہے۔ صحابہ کو دیکھنے والے ہیں۔ تابعی ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۹۶ھ میں ہے۔ یعنی حضرت امام ابو حنیفہ کی وفات کے ۶۶ سال بعد پیدا ہوئے۔ اور امام مالک آپ کے ہم عصر ہیں لیکن وہ آپ سے دس یا بیس سال چھوٹے ہیں۔ اور ان کی وفات ۱۷۰ میں ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام مالک سے بھی چھوٹے ہیں اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی شاگرد ہیں۔ تو امام ابو حنیفہ کو امام اعظم اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اعظم من ائمۃ الفقہ ہیں۔ یعنی فقہ کے اماموں میں سب سے بڑے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اسی لیے

ان کو امام اعظم کہا جاتا ہے۔ جو ہمارے بعض دوستوں (غیر مقلدین) کو بہت ناگوار گزرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں اگر ابوحنیفہ امام اعظم ہیں تو پھر رسول اللہ ﷺ کیا ہیں۔

پتہ نہیں یہ قائداعظم کے لفظ پر کیوں نہیں چڑتے۔ اور امام اعظم کے لفظ پہ کیوں چڑتے ہیں۔ ورنہ تو قائداعظم کے لفظ پر بھی تو یہی اعتراض ہے۔ کہ اگر فلاں شخص قائداعظم ہے تو حضور ﷺ کیا ہیں۔ قائداعظم کا مطلب ہے سب سے بڑا راہنما۔ تو سب سے بڑا راہنما اگر آپ کسی کو مانے بیٹھے ہیں تو وہاں آپ کو یہ تکلیف کیوں نہیں پہنچتی کہ رسول اللہ ﷺ پھر کیا ہوئے اگر قائداعظم فلاں ہے تو...... تو قائداعظم کا مطلب ہے سیاسی لیڈروں میں سے اعظم۔ اس لیے یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ کوئی اشکال کی بات نہیں۔ اور قائداعظم کہا جاسکتا ہے۔ کہ اپنے ہم عصر سیاسی لیڈروں میں ان لوگوں کے نزدیک وہ سیاسی بصیرت کے اعتبار سے سب سے اچھے تھے۔ اسی لیے وہ اس کو قائداعظم کہتے ہیں۔ اسی طرح فقہی نقطہ نظر سے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا درجہ زیادہ ہے اور ائمہ فقہ میں سے وہ بڑے ہیں۔ تو امام اعظم جو ان کو کہا جاتا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں نہیں ان ائمہ کے مقابلے میں کہا جاتا ہے۔ تو وہ لفظ بھی اپنی جگہ صحیح ہے۔ ابو حنیفہ امام اعظم ہیں من ائمۃ الفقہ اور مسٹر جناح قائداعظم ہے اپنے سیاسی لیڈروں میں۔ اور اسی طرح سے امام بخاری کو اگر ہم کہیں کہ یہ محدثین میں محدث اعظم ہیں۔ محدثین کے امام اعظم ہیں۔ تو یہ بھی اپنی جگہ ٹھیک ہے۔

وقت کے بخاری کے لیے زمین تنگ

لیکن میں آپ کا ذہن اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ دین کے معاملے میں جس نے بھی کوئی نمایاں خدمت سرانجام دی ہے۔ تو قوم نے اس کو کیا صلہ دیا۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح آپ حضرات نے تفصیل سے سنی نہیں ہوگی۔ اتنا بڑا امام اور اتنا بڑا حدیث کا حافظ۔ وقت کی حکومت کے زیر عتاب آیا۔ اور ان کو شہر سے نکالا گیا۔ دوسرے شہر میں گئے وہاں سے نکالا گیا۔ تیسرے شہر میں گئے وہاں سے نکالا

گیا۔ پھرتے پھراتے جس وقت دوبارہ اپنے شہر کی طرف آرہے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ آگے داخلہ ممنوع ہے۔ شہر سے باہر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ رمضان شریف باہر گزار رہے ہیں۔ آگے شہر میں داخلہ ممنوع ہے۔ جس وقت یہ سارے کے سارے حالات دیکھے تو یہ امام بخاری اس دور میں حکومت والوں کے ہاتھوں اس درجے مجبور ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کی کہ:

((اَللّٰهُمَّ ضَاقَتْ عَلَيَّ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ فَاقْبِضْنِيْ اِلَيْكَ))

"یا اللہ تیری زمین بڑی کشادہ ہے لیکن میرے لیے تنگ ہوگئی اب تو مجھے اپنے پاس بلالے۔" (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۳)

یہ امام بخاری اس طرح سے حکومت وقت کے ہاتھوں پریشان ہوا۔ کوئی حاکم وقت اس کو اپنے شہر میں گھسنے نہیں دیتا تھا۔ یہ کوئی چور نہیں تھے۔ یہ کوئی اچکے نہیں تھے۔ یہ کوئی قاتل نہیں تھے۔ یہ کوئی ڈاکو نہیں تھے۔ کیا وجہ تھی؟ کہ سیدھی حق بات کہہ دیتے تھے۔ اور وہ حکومت کو ناگوار گزرتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شہروں سے باہر نکالے گئے آخر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔ اور یہ لفظ ان کی زبان سے نکلے کہ اے اللہ! زمین کشادہ ہونے کے باوجود میرے لیے تنگ ہوگئی ہے۔ مجھے اپنے پاس بلالے تو کہتے ہیں کہ وہ دعا قبول ہوئی۔ جہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہیں ان کی وفات ہوگئی۔

وقت کا امام اعظم جیل کی سلاخوں میں

لیکن جس وقت وفات ہوگئی۔ (اس کے ساتھ ہی ذرا بات کو مکمل کرنے کے لیے کہہ دوں) کہ یہی امام ابوحنیفہ جس کو ہم امام اعظم کہتے ہیں اور جس کی فقہ سے آج دنیا سب سے زیادہ فائدہ اٹھا رہی ہے اور مقلدین میں ۳/۴ مقلد ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ اور سب سے زیادہ حکومت پر یہی فقہ رہی۔ حکومتیں اسی فقہ پر چلتی رہیں۔ مغلیہ خاندان کے آخر تک۔ لیکن آپ کو پتہ ہے کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہاں فوت ہوئے تھے اور کیسے فوت ہوئے تھے؟ وقت کی حکومت نے جیل میں ڈالا اور روزانہ کوڑوں کے ساتھ

پٹائی ہوتی تھی۔ اور آخر زہر دے کر ان کو شہید کیا گیا۔ اور ان کا جنازہ جیل سے نکلا ہے۔ یہ حق کہنے والوں کے ساتھ یا حق کا مطالبہ کرنے والوں کے ساتھ حکومتوں کا برتاؤ ایسے ہوتا ہے۔

ان ائمہ کی زندگی سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ جو لوگ ان کے طریقے پر چلیں گے اور ان کی سیرت اور طرز عمل کو اپنائیں گے۔ ان کے سامنے اس قسم کے حالات آئیں گے۔ ان کو اپنے بزرگوں اور اسلاف کے حالات کو یاد رکھنے ان حالات کے برداشت کرنے کا حوصلہ رکھنا چاہیے۔ حوصلہ توڑنے کی ضرورت نہیں یہ باتیں ہمیں اس لیے کرنی پڑتی ہیں کہ جو کچھ ظلم وستم آنکھوں کے سامنے آیا۔ کہیں اس کے بعد کسی کا حوصلہ نہ ٹوٹ جائے۔ جو بھی اللہ کے دین کا خادم بنا اور جس نے بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ حکومتوں کی طرف سے اس قسم کے معاملات ہوتے رہتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر سے خوشبو

لیکن حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جن کا یہ حال تھا کہ لوگ شہر میں گھسنے نہیں دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کے بعد ان کی کرامت ایسی دکھائی کہ جس کے بعد لوگوں کے سر ان کی عظمت کے سامنے جھک گئے۔ اور ان کو اپنی زندگی میں توبہ کرنی پڑی۔ کہ ہم اس شخص کی جو مخالفت کرتے تھے تو ہم نے ایک اللہ کے ولی کی مخالفت کی۔ اللہ کی دین کی مخالفت کی۔ ہمیں اپنے انجام کی فکر کرنی چاہیے۔ وہ کرامت کیا تھی۔ کہ جب ان کو دفن کیا گیا تو ان کی قبر سے خوشبو پھوٹ پڑی۔ اور ایسی خوشبو کہ ہر جگہ شہرت ہوگئی۔ امام بخاری کی جو سوانح بھی لکھی گئی اس کے اندر یہ واقعہ لکھا ہوا ہے۔ کہ انکی قبر سے خوشبو پھوٹ پڑی اور لوگ سب کے سب حیران ہو رہے تھے۔ گویا کہ ہر نیک آدمی' اللہ کا ولی' اللہ کا مقبول بندہ۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۶۷) اس کی قبر میں جیسے حدیث میں آتا ہے۔ کہ جنت کی کھڑکی کھلتی ہے۔ حدیث میں لفظ ہیں کہ قبر کے

اندر جنت کی خوشبو مردے کو آتی ہے۔(ابوداؤد۔۳۰۴/۲) لیکن اللہ تعالیٰ کبھی کسی کی کرامت ظاہر کرنے کے لیے اس کی خوشبو باہر تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور ان کی خوشبو نے آ کے ثابت کر دیا کہ حضرت امام بخاری اللہ کے مقبول بندے تھے۔ اور جنہوں نے انکی مخالفت کی یا جنہوں نے تکلیف پہنچائی۔ ان کو اپنے انجام کی فکر کرنی چاہیے۔

غازی عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ کی قبر سے خوشبو

اسی طرح سے میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں ۔ یہاں شاید کوئی بات آپ کے سامنے اخباروں میں آئی ہے یا نہیں آئی۔ جو کچھ مولانا عبداللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے ساتھ ہوا۔ یا جامعہ حفصہ کی طالبات کے ساتھ ہوا۔ یا لال مسجد کے طلبہ کے ساتھ جو کچھ ہوا۔ وہ ساری کی ساری ذمہ داری چونکہ لوگ عبدالرشید غازی رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر ڈالتے ہیں۔ مولانا عبدالعزیز صاحب تو ابھی حیات ہیں اور عبدالرشید غازی شہید ہو گئے۔

آپ کے علم میں یہ بات آئی ؟ کہ ان کے دفن کے بعد ان کی قبر سے ایسی خوشبو پھوٹی ہے جس طرح امام بخاری کی قبر سے پھوٹی تھی۔ لوگوں کا تانتا بندھا ہوا ہے کہ وہاں جا کے قبرستان کے اوپر حاضری دیتے اور دیکھتے ہیں میں خود نہیں جا سکا لیکن میرے مدرسے کے دو مدرس اور کتنے سارے طالب علم وہاں گئے ہیں اور انہوں نے آ کے شہادت دی ہے۔ کہ یہ بالکل صحیح ہے۔ اور اخباروں میں آ گیا اور مٹی بھی ساتھ لے کے آئے اور میں نے وہ سونگھی اس سے پہلے میں یہ واقعہ حضرت لاہوری کی قبر کے متعلق دیکھ چکا ہوں۔ کہ اللہ نے ان کی بھی یہ کرامت ظاہر کی تھی یہ میرا اپنا چشم دید واقعہ ہے میں خود انکی قبر پہ حاضر ہوا ہوں۔ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو جب دفن کیا گیا تھا تو ان کی قبر سے بھی ایسے خوشبو پھوٹی تھی۔ تو غازی کی قبر سے اس خوشبو کا پھوٹ پڑنا یہ علامت ہے۔ اس بات کی کہ یہ لوگ اللہ کے مقبول تھے۔ اس لیے جو لوگ ان کے خلاف زبان استعمال کرتے ہیں۔ یا انکی کسی قسم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اپنی عاقبت

کی فکر کرنی چاہیے (یاد رکھیے اس بات کو) باقی یہ ہے کہ انسان ہے خطا بھی ہوتی ہے۔ غلطی بھی ہوتی ہے۔ باقی جو جذبات اللہ نے دیے تھے اور انہوں نے ان جذبات کے تحت جس قسم کی قربانی دی ہے۔ یہ قبر کے حالات نے ثابت کر دیا کہ اپنی جگہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول تھے۔ انہوں نے سامنے ایک نمونہ قائم کر دیا۔ ان کے حالات کو دیکھ کر ہمیں اپنی کمزوری کا احساس ہو رہا ہے۔

تبصرہ کرنے والوں نے واقعہ کربلا کو نہ چھوڑا

لوگ تبصرہ کرتے ہیں کہ جی۔ سب نے روکا تھا۔ کیوں نہیں رکے؟ یہ بہت ایک نمایاں سا اعتراض ہے۔ اور ہر کسی کی زبان پہ آتا ہے۔ لیکن آپ یاد رکھیے! کہ یہی اعتراض لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے متعلق کرتے ہیں۔ کہ ان کو بھی سب لوگوں نے روکا تھا پھر یہ کیوں گئے۔ لیکن جب ایک جذبے کے تحت گئے تھے۔ اور جانے کے بعد اللہ نے ان کی اس قربانی کو قبول کیا۔ آج ظالم کے مقابلے میں حق بات پہ ڈٹ کے قربانی دینے کے لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا نمونہ قیامت تک جاری رہے گا۔ یعنی یزید اور حسین دو پارٹیاں بن گئیں ظالم کا عنوان یزید ہو گیا اور مظلوم کا عنوان اور مظلوم ہونے کی صورت میں حق گوئی کا عنوان حسین رضی اللہ عنہ بن گیا۔ جیسے ہندوستان کے عبدالماجد دیوبندی۔ جو آج کل شاید زندہ ہیں ویسے میں نے کیسٹ کے اندر اس کی ایک نظم بھی سنی ہے۔ جس میں وہ فقرہ بھی ہے کہ

کہہ دو وقت کے یزیدوں کو
ہم حسینی مزاج رکھتے ہیں

تو حسینی مزاج کیا ہے۔ حکومت والوں سے ڈرنا نہیں۔ حق سب کے سامنے کہنا ہے۔ جان جاتی ہے تو جائے خاندان قربان ہوتا ہے تو ہو جائے۔ یہ حسین رضی اللہ عنہ نے حق کے اوپر جمانے کے لیے اور حق کے اوپر برانگیختہ کرنے کے لیے ایک نمونہ چھوڑا اور ایک مثال قائم کر دی۔ یزید ظالم کا عنوان بن گیا اور حسین اللہ کے رستے میں قربانیاں

دینے والوں کا عنوان بن گیا۔ تو اس قسم کی زبانیں کھلتی رہتی ہیں لیکن حالات نے ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان لوگوں کے جذبات قبول تھے۔ باقی جس طرح سے ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوا۔ بچوں کے جو انٹرویو آرہے ہیں اور حالات آرہے ہیں تو سارے پروپیگنڈے کی قلعی کھل گئی کہ کتنا ان کے خلاف پروپیگنڈا کیا گیا۔ بچیاں کہتی ہیں کہ والدین لینے کے لیے گئے بچیاں آنے کے لیے تیار نہیں ہوئیں۔ وہ کہتی ہیں کہ نہیں ہم تو اللہ کے رستے میں شہید ہوں گی۔ ہم چھوڑ کے نہیں جاتیں۔ اخباروں میں واقعات آرہے ہیں۔ اس میں کون سی بات ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا۔ بچیوں کے اندر کس قسم کے جذبات ہیں ویسے تو دین کی خاطر قربانی دینے کے لیے (میری بچیاں بھی اس بات کو غور سے سن لیں) مردوں کے ساتھ عورتیں برابر کی شریک چلی آرہی ہیں۔ یہ ذمے داری صرف مردوں پہ نہیں عورتیں پر بھی ہے۔

حق کے لیے کٹ جاؤ

بلکہ اولاد کی تربیت اس انداز میں کرنا...... یہ جو قصہ ہے گھروں کے اندر کہ بچے کو بلی سے ڈرایا جارہا ہے یہ طریقہ نہ اپناؤ۔ بچوں کی تربیت ایسے طور پر کرو۔ کہ ابتداء سے ہی ان کے ذہن میں یہ بات ہو۔ اور اس عقیدے کو راسخ کرو کہ مرنا تو ہے ہی اور وقت پہ ہی مرنا ہے۔ لیکن کسی اچھے انداز کے ساتھ مرو۔ اور کسی اچھی چیز کے لیے مرو تو اچھی بات ہے۔ ورنہ زندہ کون رہے گا۔ جنازے صرف جھونپڑیوں سے نہیں اٹھتے بلکہ قلعوں سے بھی نکلتے ہیں۔ اور صرف غریب نہیں مرتے بادشاہ بھی مرتے ہیں۔ مرنے سے کون بچ سکتا ہے۔ موٹر سائیکل سے گر کے مرجاؤ گے۔ کسی بس کے نیچے آکے مرجاؤ گے۔ کسی ریل کے حادثے میں مرجاؤ گے۔ کسی دریا میں ڈوب کے مرجاؤ گے۔ چند چند پیسوں، روپوں کی خاطر ایک دوسرے کا پیٹ پھاڑ دیتے ہو اور مرجاتے ہو۔ مرنے کے کتنے طریقے دنیا میں ہیں۔ لیکن جو حق کے لیے مرا اور دین کے لیے مرا اس کی

موت ایک عجیب قسم کی موت ہے وہ موت نہیں وہ حیات ہے۔ ہم شہداء کی اسی طرح سے حیات مانتے ہیں۔ انبیاء کی حیات سب سے اعلیٰ اور اس کے بعد دوسرا درجہ شہداء کی حیات کا ہے قرآن کہتا ہے نہ انہیں مردہ کہو۔ نہ انہیں مردہ سمجھو۔ اللہ کے نزدیک یہ زندہ ہیں۔ یہ بچوں کو ابتداء سے سبق پڑھاؤ۔ کہ تم نے حق کے اوپر رہنا ہے اور حق پر ڈٹنا ہے۔ اور حق کے لیے جان بھی دینی پڑ جائے تو اس کی پرواہ نہیں کرنی۔ تو بچیوں نے نمونہ قائم کر دیا۔

اسلام میں عورتوں کا کردار

ورنہ ہم تو پہلے سنایا کرتے تھے کہ جہاں سے دین کی ابتداء ہوئی ہے۔ کہ سرور کائنات ﷺ غار حرا سے وحی کی آیات سن کے کانپتے ہوئے گھر پہنچے اور آپ کو سب سے پہلے تسلی دینے والی عورت ہے۔ اور سب سے پہلے آپ کی تصدیق کرنے والی عورت ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حقیقت کے اعتبار سے حضور ﷺ کو تسلی دی اور اصل حقیقت کے اعتبار سے اول المومنین اول المسلمین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ گویا جہاں اللہ کے رسول کی طرف سے حق کی آواز آئی ساتھ ہی عورت نے اپنی آواز شامل کر دی۔ تائید کر دی۔ اور جس وقت آپ نے دعوت شروع کی ہے تو جہاں مرد آپ پر اسلام لائے عورتیں بھی لائیں۔ مرد بھی مشرکین سے پٹتے تھے۔ عورتیں بھی پیچھے نہیں رہیں۔ آپ کے علم میں ہونا چاہیے سب سے پہلے اسلام کی خاطر شہید ہونے والی جس کا خون مکے کی زمین پر گرا ہے۔ وہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ایک عورت تھی۔ اسلام کے آنے کے بعد سب سے پہلی شہید ہیں جس نے اس دین کے لیے اپنا خون دیا۔ وہ عورت ہے۔ گویا کہ یہ عورت کی قربانی ہے۔ تو جہاں مرد پٹے ہیں وہاں عورتیں بھی پٹی ہیں یہ پٹنا صرف مردوں کے حصے میں نہیں ذمہ داری عورتوں کی بھی ہے۔ اور پھر ظالم نے کیسے مارا تھا۔ حضرت سمیہ کو۔ یہ بھی آپ سنتے رہتے ہیں۔ ابھی تو گولی مار کر مار دیا۔ یہ موت بڑی آسان موت ہے۔ گلے پہ چھری چلا دی یہ بڑی آسان موت ہے۔ لیکن سمیہ رضی اللہ عنہا کو

وقت کے ابو جہل نے کیسے مارا تھا۔ آپ نے قصہ سنا ہوگا۔ بچیوں نے بھی پڑھا ہوگا۔ جب ان کو اس دین سے روکا گیا لیکن وہ نہیں رکیں تو دو اونٹ لائے گئے ایک اونٹ کے ساتھ ان کی ایک ٹانگ باندھی اور دوسرے اونٹ کے ساتھ ان کی دوسری ٹانگ باندھی۔ ایک اونٹ کو یوں چلایا۔ ایک اونٹ کو یوں (مخالف سمت) چلایا۔ سمیہ رضی اللہ عنہا کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ (روح المعانی ۱۴/ ۲۳۷) اور پورا مکہ اس بات کو دیکھ رہا تھا لیکن کوئی عورت اس سمیہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کو دیکھ کے دین سے پھری نہیں اور دین سے منہ نہیں موڑا۔ بلکہ یہ قربانیاں ہمیشہ ولولے کو اجاگر کیا کرتیں ہیں۔ یہ قربانیاں افسردگی پیدا نہیں کیا کرتیں۔ اس نقطے سے دشمن لوگ غافل ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی پٹائی کریں گے تو باقی ڈر جائیں گے یہ نہیں معلوم کہ جتنی پٹائی کریں گے اتنا معاملہ ابھرتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ اس واقعہ کے بعد حقیقت یہ ہے کہ اگر نوجوانوں کو قابو نہ رکھا جاتا تو شاید یہ قصہ ہر شہر میں پیش آجاتا۔ اس طرح سے لوگوں کے جذبات اس بارے میں ابھرے ہیں۔ اور اس طرح سے ہمیں سمجھانے کی بھی ضرورت پیش آئی کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لو اپنے اکابر کی سرپرستی میں ان کے طریقے پر چلو۔

لال مسجد کے مخالفین کو شہید نہیں کہا جا سکتا

باقی میں اپنا جذبہ یہ ظاہر کرتا ہوں کہ مجھے تو ان لوگوں کی شہادت میں ذرا برابر شبہ نہیں جو حفصہ یا لال مسجد کے اندر اس بربریت کا شکار ہوئے ہیں۔ جو باقی رہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ جنگ صفین کی مثال دے کر کہ جنگ صفین میں دونوں طرف صحابہ تھے اور دونوں طرف ہی لڑے تھے تو یہاں بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی شہید ہوں۔ یہ بات میری زبان سے زیب نہیں دیتی۔ اس لیے کہ جنگ صفین میں دونوں طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جن کے خلوص اور جن کی نیک نیتی پر قسم کھائی جاسکتی ہے۔ اور اس وقت حق مشتبہ تھا کہ یوں ٹھیک ہے یا یوں ٹھیک ہے۔ اور یہاں حق بھی متعین اور حق والے بھی متعین اور دوسرے کے ظلم میں کوئی شک ہی نہیں تو یہاں پر ہم اس قسم کا اشتباہ

پیدا کر کے ہم اس واقعہ کی اہمیت کو کیوں کم کریں۔ میں کہتا ہوں یہاں جنگ صفین کی مثال صادق نہیں آتی یہاں کربلا کی مثال صادق آتی ہے اگر قاتلانِ حسین غازی بن سکتے ہیں اور مقتولانِ حسین شہید ہو سکتے ہیں۔ تو یہاں بھی آپ یہ کہہ دیں۔

لیکن ہے کسی میں حوصلہ کہ وہ کہے کہ حسین کے ہاتھوں کربلا میں جو مارے گئے وہ شہید ہیں۔ بلکہ ہم تو حسین اور ان کی جماعت کو شہید سمجھتے ہیں۔ باقی میں نے نہیں دیکھا کہ کسی مسلمان نے یہ کہا ہو کہ ان کے مقابلے میں جو مارے گئے تھے وہ بھی شہید ہیں۔ حالانکہ وہ مسلمان ہی تھے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟ حسین کے ساتھ لڑنے والے کون تھے؟ مسلمان ہی تھے نا؟ لیکن آپ کہیں گے؟ کہ اس میدان جو دوسری پارٹی کے مارے گئے وہ بھی شہید ہیں۔ اللہ کے معاملات میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے۔ لیکن ظاہر کو دیکھ کر ہم تو یہی کہتے ہیں کہ حسین شہید تھا اور حسین کی جماعت شہید تھی۔ دوسری جماعت کے متعلق ہم یہ لفظ بولنے کے لیے تیار نہیں۔ میں اسی اصول کی بناء پر کہتا ہوں کہ یہ حضرات جنہوں نے یہ نعرہ لگایا تھا کہ مسجدیں نہ ڈھاؤ۔ اور جو مسجدیں گرائی ہیں ان کو آباد کرو۔ اور ۶۰ سال ہو گئے دھوکے کھاتے کھاتے۔ اس ملک میں اسلامی قانون لاؤ۔ اس بارے میں اگر انہوں نے ابھر کے اپنی جان کی قربانی دی ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے جذبات میں جب انسان مغلوب ہو جاتا ہے۔ تو آگے پیچھے نقصان کی طرف اس کی نظر نہیں جاتی۔ اپنے جذبات کی رو میں وہ بہہ گئے لیکن ہیں یہ اللہ کے مقبول۔ حالات یہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے جان دی ہے تو حق کے لیے دی ہے۔ اور جتنے بچے اور بچیاں تھیں سب اس جذبے سے بھرے ہوئے تھے۔ اور ان کے اوپر کسی نے جبر اور زبردستی نہیں کی۔ میں تو یہی حالات سمجھے ہوئے ہوں ویسے بیٹھا ہوں ایک دیہات میں۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ آپ لوگ ٹی وی دیکھتے ہوں تو آپ نے کچھ اور بھی دیکھ لیا ہو۔ لیکن میرے سننے جاننے میں تو بات یہی آئی ہے۔

حقیقت چھپ نہیں سکتی

باقی پراپیگنڈے تو لوگ کیا ہی کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ جن کو قوم نے امین قرار دیا۔ ساری قوم آپ کی امانت و دیانت پر متفق تھی۔ لیکن جس وقت انہوں نے حق کی آواز بلند کی۔ تو انکے متعلق پراپیگنڈا کیا کہ یہ کاہن ہیں' یہ جادوگر ہیں' یہ شاعر ہیں۔ یہ کذاب ہے۔ یہ مفتری ہیں۔ (نعوذ باللہ) یہ سارے کے سارے لفظ قرآن کریم میں رسول اللہ کے متعلق پراپیگنڈے کے لیے مشرکین کے کہے ہوئے منقول ہیں۔

لیکن یہ پیراپیگنڈے آخر کب تک چلیں گے۔ آخر ایک نہ ایک دن حقیقت کھل کے رہے گی۔ تو اس لیے دین پڑھنے والے طالب ہوں یا طالبات ہوں۔ دونوں کو اس بات کی رعایت رکھنی چاہیے کہ اللہ کے انبیاء جن کے غلط ہونے پر شبہ کرنا بھی کفر ہے۔ لیکن اپنی امت کے لوگوں کے ہاتھوں وہ بھی قتل ہوئے ہیں۔ **یقتلون النبیین بغیر حق** یہ یہود کے متعلق ہے۔ جو امت انہی کی تھی لیکن جب ان کو ان کی خواہشات کے خلاف کوئی بات کہی جاتی تھی۔ تو **فریقا کذبوا و فریقا یقتلون**۔ ایک گروہ کو تم نے جھوٹا کہہ دیا۔ کیونکہ وہ تمہاری مرضی کے مطابق نہیں چلتا تھا۔ اور ایک فریق کو قتل ہی کر دیا یعنی انبیاء علیہم السلام کو بھی قتل کیا گیا اور قتل بھی انہوں نے کیا جو بنی اسرائیل میں سے تھے۔

یہودی مذہب نسلی ہے

بس ایک بات آپ کی خدمت میں عرض کر کے ختم کروں کیونکہ روایت تو تبرکا ہی پڑھی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کے ساتھ کتاب ختم ہوگئی۔ عجیب واقعات ہیں اسرائیلیوں کے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔ کہ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے۔ یعقوب علیہ السلام نبی۔ ان کے والد اسحاق نبی۔ ان کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی۔ تین نسلیں نبوت کی چلی آرہی ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ اور وہ بارہ خاندان بنی اسرائیل کے بنے۔ بقول حضرت سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ان کے دس خاندان اسلام میں مدغم ہو چکے ہیں۔ اب جو یہودی اسرائیلی موجود ہیں یہ

صرف دو بیٹوں کی اولاد ہے۔ دس ختم ہو چکے ہیں۔

یہ خالص نسلی مذہب ہے۔ کہ یہ اسی کو یہودی مانتے ہیں جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ہو۔ عیسائیت والوں نے اپنی حدود سے نکل کے لوگوں کو تبلیغ کرنی شروع کر دی۔ یہودی کبھی غیر یہودی کو تبلیغ نہیں کرتا کہ تم یہودی ہو جاؤ۔ وہ یہودی اسی کو سمجھتا ہے جو یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہو۔ اس لیے وہ سب سے زیادہ مالدار ہونے کے باوجود سب سے زیادہ سائنس میں ترقی یافتہ ہونے کے باوجود ان کی تعداد اقل قلیل ہے۔ چند لاکھوں میں ہے ایک کروڑ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس مذہب میں پھیلاؤ ہے ہی نہیں۔ وہ پھیلاؤ کرتے ہی نہیں۔ وہ تو صرف نسلی مذہب ہے۔ اور عیسائیوں کو اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں بنی اسرائیل کی بھیڑوں کو ہی سنبھالنے کے لیے آیا ہوں لیکن انہوں نے بعد میں تحریف کر کے اس کو پھیلانا شروع کیا تو مختلف قومیں عیسائی ہو گئیں۔ مختلف جگہوں کے لوگ عیسائی ہوئے۔ لیکن یہودی مذہب ایک نسلی مذہب ہے۔ انہوں نے اشاعت نہیں کی۔ اور نہ ہی کسی غیر کو یہودی بنانے کے یہ قائل ہیں۔ انکے نزدیک یہودی وہی ہے۔ جو یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل تھا۔ اور یہ بنی اسرائیل انکی اولاد سے ہیں۔ انکے بارہ بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ اور ان کے ایک بھائی بنیامین تھے۔ باقی دس اور ان کے بیٹے تھے۔ سب سے پہلے ان اسرائیلیوں نے دھوکا کیا اور سازش کی تو اپنے باپ اور اپنے بھائی کی مخالفت کی۔ ان کا پیدائشی طور پر سازشوں والا مزاج ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام یعنی اپنے باپ کے خلاف سازش کی۔ سارا قرآن بھرا پڑا ہے۔ اور اپنے بھائی کے خلاف سازش کی۔ ان کا مزاج ابتداء سے یوں ہی چلا آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

روحانیت اور مادیت کا مقابلہ

لیکن یاد رکھیے! ان عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ جو جنگ چھڑی ہوئی ہے۔

اس میں ابھی تک جیت ہار کی کوئی بات نہیں ہے۔ جنگ میں کون جیتا کون ہارا اس کا پتہ جنگ کے ختم ہونے کے بعد چلا کرتا ہے۔ اور جنگ کے دوران تو کبھی کسی کے زیادہ مارے گئے کبھی کسی کے کم مارے گئے یہ چلتا رہتا ہے۔ کبھی ایک پارٹی غالب آ گئی۔ کبھی دوسری پارٹی غالب آ گئی۔ کبھی وہ بھاگ گئے کبھی وہ بھاگ گئے جیتا کون ہے اور ہارا کون ہے۔ اس کا پتہ جنگ کے ختم ہونے کے بعد چلا کرتا ہے۔ اور جنگ جب سے چھڑی ہے ابھی تک ختم نہیں ہوئی۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور حضرت مہدی کے آنے کے بعد جا کے ختم ہونا ہے۔ لیکن اس وقت کیا انقلاب آئے گا ہمارے عقیدے میں یہ بات داخل ہے۔ اور قرآن و حدیث کے اندر اس کی وضاحت موجود ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد روحانیت اور مادیت کا مقابلہ شروع ہوگا۔ جیسے یہ اصحاب روحانیت مساکین مادی اسباب والوں سے ٹکرائے ہوئے ہیں۔

اس کی اگر تفصیل آپ کے سامنے کروں تو وقت زیادہ لگ جائے گا یہ مادیت والے شکست کھائیں گے اور روحانیت والے غالب آئیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک وقت آ جائے گا جس میں یہ یہودی پتھر کے پیچھے چھپے گا تو پتھر اسے پناہ نہیں دے گا پتھر بھی آواز دے گا یا مُسْلِمُ هٰذَا يَهُوْدِيٌّ وَرَاءِ یْ فَاقْتُلْهُ اور درخت کے پیچھے چھپیں گے درخت ان کو پناہ نہیں دے گا۔ درخت بھی آواز دے گا یا مُسْلِمُ هٰذَا يَهُوْدِيٌّ وَرَاءِ یْ فَاقْتُلْهُ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔ اس کو قتل کر دے۔ (بخاری ۱/۸۷۔ مسلم ۲/۳۹۶) نہ ان کو پتھروں میں پناہ ملے گی نہ ان کو درختوں میں پناہ ملے گی۔ یہودیت' نصرانیت دونوں کے ختم ہونے کے بعد دین واحد آ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کو سب دینوں پہ غالب کرے گا۔ اور اس وقت باطل سارے کا سارا مٹ جائے گا۔ یہ وقت آنا ہے۔ اور اس وقت جنگ کا خاتمہ ہونا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فتح آخر اسلام کی ہوگی۔ اور مسلمانوں کی ہوگی لیکن شرط یہی ہے کہ اس کو صبر کے ساتھ گزار کے اس بادل کے ساتھ ٹکرانے کی ہمت پیدا کرو۔ اپنے گھروں میں اسلام لاؤ اپنی جماعتوں میں لاؤ

اپنے کاروبار میں لاؤ۔ اپنے اخلاق میں لاؤ۔ اسلام کے ساتھ جڑے رہو تو ان شاء اللہ جیسے اسلام قیامت تک باقی رہے گا ہم بھی باقی رہیں گے۔ اس لیے بچیوں کو مبارکباد دیتا ہوں جنہوں نے دورۂ حدیث پڑھا ہے۔ اور یہ آخری روایت میں سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ دو کلمے اللہ کو بہت پسند ہیں۔ پڑھنے میں بڑے ہلکے ہیں لیکن جب یہ میزان میں رکھے جائیں گے قیامت کے دن۔ تو ان کا وزن بہت نمایاں ہوگا۔ وہ اللہ کی تسبیح وتحمید ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

طالبات کو اہم نصیحت

اور آج طالبات کو کہتا ہوں کہ آپ نے حدیث شریف میں پڑھ لیا کہ سرور کائنات ﷺ کی ایک ہی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ کی سب سے زیادہ پیاری تھی۔ محبت تھی۔ لیکن وہ گھر کا کام سارے کا سارا خود کرتی تھی۔ ایک دفعہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ کہ کام کرتے کرتے میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے۔ کوئی خادم ہو تو اچھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اپنے ابا کو کہنا کہ کوئی آپ کو خادم دے دے۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں گئیں اور کہہ کے واپس آ گئیں کیونکہ حضور ﷺ اس وقت موجود نہیں تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ کے گھر عشاء کے بعد آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب آپ تشریف لائے تو ہم لیٹ چکے تھے۔ ایک طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور ایک طرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیٹی! تم خادم لینے کے لیے گئی تھیں؟ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں جو خادم کے مقابلے میں زیادہ اچھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب رات کو بستر پہ سونے لگو۔ تو ۳۳ دفعہ سبحان اللہ۔ ۳۳ دفعہ الحمد للہ۔ ۳۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ تو اس سے تمہیں خادم سے زیادہ فائدہ ہوگا۔ (بخاری ۱/۴۳۹۔ ۱/۵۳۵) تو بیٹی کو حضور ﷺ نے پڑھنے کے لیے یہ تسبیح سکھائی تھی۔ سبحان اللہ۔ الحمد للہ۔ اللہ اکبر۔ اصل تسبیح فاطمہ وہ ہے جو سوئے ہوئے پڑھی جائے۔

نماز کے بعد تسبیحات کا عظیم فائدہ

باقی چونکہ پانچوں نمازوں کے بعد اس کے پڑھنے کا ذکر آتا ہے۔ اس لیے پانچوں نمازوں کے بعد اس کا پڑھنا بھی باعث برکت ہے۔ بلکہ ایک روایت میں موجود ہے۔ کہ جس وقت یہ مہاجر مدینے میں گئے ہیں اور انصار نے ان کے ساتھ بہت محبت کی بہت تعاون کیا۔ تو ان مہاجرین نے محسوس کیا کہ ہم اگر نیکی کے اندر انصار کا مقابلہ کرنا چاہیں تو ہم تو مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم غلام نہیں آزاد کر سکتے۔ یہ صدقہ خیرات کرتے ہیں ہم صدقہ خیرات نہیں کر سکتے۔ یہ دوسری اس قسم کی مالی عبادتیں کرتے ہیں۔ ہم نہیں کر سکتے تو رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ! اس جماعت کا مقابلہ ہم کیسے کر سکتے ہیں۔ وہ تو بہت آگے نکل جائیں گے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں ایک چیز بتا دیتا ہوں تم اس کی پابندی کر لو تو ان سے بھی آگے نکل جاؤ گے۔ (ذرا ان کلمات کی فضیلت کا خیال کرنا) آپ نے فرمایا کہ تم ہر نماز کے بعد ۳۳ دفعہ سبحان اللہ۔ ۳۳ دفعہ الحمدللہ۔ ۳۴ دفعہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یا ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۳ دفعہ اللہ اکبر کہنے کے بعد سو پورا کرنے کے لیے چوتھا کلمہ لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریك له الخ یہ پڑھ لیا کرو۔ تم ان سے بھی آگے نکل جاؤ گے۔ گویا کہ جو لوگ مالی تنگی میں مبتلا ہیں اور صدقہ خیرات نہیں کر سکتے ان کے لیے اس کلمے کا ورد صدقہ خیرات کا قائم مقام بتایا ہے۔

تو مہاجر خوش ہو گئے اور انہوں نے اس کو پڑھنا شروع کر دیا لیکن انصار بھی تو غافل نہیں تھے ہمارے ہاں تو مقابلہ ہے کہ مال کون زیادہ کماتا ہے۔ جائیداد کون زیادہ بناتا ہے۔ کوٹھی کس کی اچھی ہے۔ کار کس کی اچھی ہے۔ ہم تو یوں مقابلے کرتے ہیں۔ لیکن ان کا مقابلہ تو نیکیوں میں ہوتا تھا۔ تو جب انصار کو پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کو یہ بتایا ہے۔ تو انہوں نے بھی پڑھنا شروع کر دیا جب انہوں نے پڑھنا شروع کر دیا تو برابری ہو گئی۔ تو پھر مہاجر جا کے کہتے ہیں یا رسول اللہ! وہ تو ہمارے بھائی انصار کو پتہ چل گیا تو انہوں نے بھی پڑھنا شروع کر دیا تو آپ نے فرمایا ذالك فضل

الله یو تیه من یشاء۔ اگر اللہ نے اپنا فضل ان کو دیا ہے تو میں اس میں کیا کر سکتا ہوں۔ ان کو اللہ نے موقع دیا ہے مالی عبادت بھی کرتے ہیں (مسلم ۱/۲۱۹) تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کلمات اتنے فضیلت والے ہیں۔ کہ صدقہ خیرات اگر کوئی کرنے پر قادر نہیں اگر انہی کلمات کو پڑھتا رہے تو اس کی تلافی ان کلمات کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ حقیقت میں جانتے تھے کہ ان کلمات میں کیا ہے۔ تو ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا اَنْ اَقُوْلَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ یعنی مجھے یہ توفیق ہو جائے کہ میں اپنی زبان سے کہہ لوں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ تو جتنی کائنات کے اوپر سورج چمکتا ہے آپ جانتے ہیں کہ ساری کائنات پر سورج چمکتا ہے تو جس پر بھی سورج چمکتا ہے اس کے مقابلے میں یہ کلمہ میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ (مسلم ۲/۳۴۵) یعنی پوری کائنات میں حکومت حاصل ہو جائے یہ اتنی پسند نہیں جتنا یہ کلمہ پسند ہے۔ اللہ ہمیں توفیق دے اس کو پڑھنے کی اور اپنے رستے میں جان مال قربان کرنے کی اور اسی طرح قبولیت سے نوازے بچیوں کو مبارکباد دیتا ہوں جن کی تعلیم مکمل ہوئی ہے۔ تو یہ آخری روایت چونکہ بچیوں میں رسماً ہی پڑھی جاتی ہے۔ ان کو نصاب ذرا مختصر پڑھایا جاتا ہے۔ اصل ختم طلبہ کا ہوتا ہے۔ جنہوں نے اول سے لے کر آخر تک ساری کتاب کو بالاستیعاب پڑھا ہوتا ہے۔ بہر حال یہ ابتداء میں چونکہ شریک ہو گئیں اور انتہاء میں بھی شریک ہو گئیں۔ اللہ دونوں طبقوں کو قبول فرمائے۔ اور ان طالبات کو بھی طالبات مدرسہ حفصہ کی طرح حق کے لیے قربان ہونے کی توفیق دے۔ و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین.

مفید ترین زندگی

بمقام: جامعہ ربانیہ ٹوبہ ٹیک سنگھ

بموقع: تعزیتی جلسہ بروفات مولانا حافظ نذیر احمد صاحبؒ

تاریخ: ۵۔اپریل ۲۰۰۷ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ. وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اَللّٰهُ اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِيْ آدَمَ ثُمَّ اَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِيْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَ. (مشکوۃ ۳۷/۱)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ. وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذَالِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ وَعَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰى

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

تمہید

میں بھی اس مدرسے کے ابتدائی طالب علموں میں سے ہوں۔ پاکستان کا تیسرا سال تھا۔ بلکہ دو سال پورے ہوئے تھے تیسرا سال ابھی شروع تھا جب میں اس مدرسے میں داخل ہوا تھا۔ یعنی سن عیسوی کے اعتبار سے ۵۸ سال پہلے کی بات ہے۔ اور سن ہجری کے اعتبار سے ۶۰ سال پہلے کی بات ہے۔ جہاں تک اس مدرسہ اور اس مدرسے کے فیض کا تعلق ہے۔ کہ یہاں کے اساتذہ کے تذکرے کا تعلق ہے خصوصیت کے ساتھ۔ حضرت حافظ نذیر احمد صاحب اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔ تو آپ کے سامنے مجھ سے پہلے ہمارے نوجوان عزیز اور محبوب ساتھی ڈاکٹر محمد طفیل صاحب ہاشمی آپ کے سامنے بہت وسعت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ اگر چہ انہوں نے مجھے اپنی تقریر سننے نہیں دی آپ نے دیکھا کہ میں آیا ہی اس خیال سے تھا۔ لیکن انہوں نے مجھے سٹیج سے بھگا دیا۔ باقی اتنی سی بات تو کان میں پڑی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ مدرسے کی تاریخ اور مدرسے کے فیض کی وسعت انہوں نے خوب اچھے انداز میں دارالعلوم سے لے کر ربانیہ تک تاریخ کا اچھا اعادہ کیا۔ اندازہ مجھے یہ ہو رہا تھا۔ اب اس کو تو دہرانے کی ضرورت نہیں وقت بھی مختصر ہے۔ اور ہمت بھی نہیں اس لیے حضرت حافظ صاحب کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ان کی زندگی کا ایک پہلو جس کے متعلق امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ ان کے لیے رفع درجات کا سبب بنائے گا۔ ایک حدیث شریف کی روشنی میں عرض کر رہا ہوں۔

سب سے بڑا سخی

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہی روایت جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی۔ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجلس میں بیٹھے

ہوئے سرور کائنات ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کر کے پوچھا۔ هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا۔ جُوْد اصل میں عربی لفظ ہے جس سے جواد بنتا ہے۔ اس کا معنی ہم اُردو میں کر دیا کرتے ہیں سخاوت۔ لیکن جود اور سخاوت میں لغوی اعتبار سے تھوڑا فرق ہے۔ سخاوت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر دوسرے شخص کو مالی فائدہ پہنچانے پر اور جُود کا لفظ عام ہے۔ مالی فائدہ پہنچایا جائے' یا کوئی اور فائدہ پہنچایا جائے جود کا لفظ سخاوت کے مقابلے میں عام ہے۔ یہاں روایت میں جود کا لفظ ہے مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا تمہیں پتہ ہے کہ جود کے اعتبار سے سب سے زیادہ کون ہے؟ یعنی مخلوق کو فائدہ پہنچانے کے اعتبار سے سب سے زیادہ کون ہے۔ کس کی ذات سے سب سے زیادہ فائدہ مخلوق کو پہنچا ہے۔ یہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا۔

تو صحابہ جس طرح سے ادب کا تقاضہ ہے کہ اکثر و بیشتر ایسے موقع پر ان کی طرف سے جواب ہوتا ہے کہ اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ اس کا صحیح جواب اللہ جانتا ہے یا اللہ کا رسول جانتا ہے ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کیا کہیں۔ کہ اَجْوَدُ جُوْدًا کون ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اَللّٰهُ اَجْوَدُ جُوْدًا۔ کہ سب سے زیادہ جُود تو اللہ کی ذات سے ہے کیونکہ دنیا کے اندر جو بھی فائدہ' جو بھی راحت' جو چیز بھی ملتی ہے مخلوق کو اللہ ہی عطا فرماتے ہیں۔ اس لیے جود کے اعتبار سے سب سے زیادہ تو اللہ کی ذات ہے۔ اور پھر فرمایا کہ ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِیْ آدَمَ۔ پھر فرمایا کہ بنی آدم کی اولاد میں سب سے زیادہ اَجْوَد۔ میں ہوں اپنے متعلق فرمایا کہ اللہ کے بعد مخلوق کو جتنا فائدہ میری ذات سے پہنچا ہے کسی سے نہیں پہنچا۔ یا پہنچتا رہے گا۔ جود کے اعتبار سے مخلوق میں سے' آدم کی اولاد میں سے' سب سے زیادہ میں ہوں ثُمَّ اَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِیْ۔ پھر میرے بعد جود کے اعتبار سے سب سے زیادہ وہ شخص ہے مَنْ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَهٗ۔ جو علم حاصل کرے اور حاصل کرنے کے بعد اس کو پھیلائے۔ تو میرے بعد آدم کی اولاد میں سب سے زیادہ صاحب جود وہ ہے۔ (مشکوۃ ۱/۳۷)

حدیث میں تحریف

لفظ اس میں جو علم کا آیا ہے یہ بھی آج کل مغالطہ آمیز دنیا میں سکولوں کی دیواروں پر بھی لکھا ہوا ہوتا ہے۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔ (ابن ماجہ ۱/۲۰۔ مشکوۃ ۱/۳۴) روایت میں مسلمۃ کا لفظ نہیں لیکن دیواروں پر اکثر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جس سے یہ تاثر دینا مقصود ہوتا ہے کہ جو کچھ اس سکول اور کالج میں پڑھایا جا رہا ہے۔ یہ وہ علم ہے جس کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اس حدیث کو دیکھ کر یہ تاثر دینا مقصود ہوتا ہے۔ اور یہ تحریف ہے۔ اس حدیث میں۔ سکول کی چار دیواری میں یا کالج کی چار دیواری میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے بہت مفید ہے۔ دنیاوی زندگی گزارنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ لیکن قرآن و حدیث کی اصطلاح میں جب علم کا لفظ آئے تو اس سے مراد علم دین ہوتا ہے۔ باقی جو کچھ ہے یہ سب روٹی کھانے کے فنون ہیں، علم نہیں ہے۔ علم وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مرضیات کا پتہ چلے۔ قرآن و حدیث، فقہ اصل کے اعتبار سے علم دین یہ ہیں۔ باقی جتنے فنون ہیں آپ سائنس پڑھ لیں، ڈاکٹر بن جائیں، انجینئر بن جائیں یہ سارے کے سارے فنون ہیں۔ اس لیے یہ فنون مسلمان کی ضرورت نہیں۔ انسان کی ضرورت ہے۔ کافر بھی ان کو پڑھتا ہے مسلمان بھی پڑھتا ہے اور اس علم کو پڑھنے کے بعد مشینری بنتی ہے، سڑکیں بنتی ہیں۔ نالیاں بنتی ہیں۔ پل بنتے ہیں، جہاز بنتے ہیں۔ کاریں بنتی ہیں۔ ساری کی ساری چیزیں اس علم کے نتیجے میں بنتی ہیں۔ جو ایک انسان کی ضرورت ہے۔ کافر کو بھی ان چیزوں کی ضرورت ہے۔ مسلمان کو بھی ضرورت ہے۔ وہ علم چاہے ڈاکٹری کا ہے، چاہے طب ہے، چاہے سائنس ہے۔ یا مشینری کا ہے۔ وہ علم ایسا ہے جو انسان کی ضرورت ہے اس دنیا کے اندر۔ وہ خاص طور پر مسلمان کی ضرورت نہیں۔ جس علم کا ذکر اس روایت میں ہے طلب العلم فریضة علی کل مسلم۔

علم دین کی شاندار تعریف

تو معلوم ہوگیا یہاں علم سے وہ علم مراد ہے جو مسلمان کی ضرورت ہے۔ مسلمان کی ضرورت کیا ہے؟ قرآن کا پڑھنا۔ مسلمان کی ضرورت کیا ہے؟ حدیث کا پڑھنا۔ مسلمان کی ضرورت کیا ہے؟ فقہ کا پڑھنا۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مرضیات کو معلوم کرنا کن باتوں پر اللہ خوش ہوتا ہے کن پر ناراض ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کا تقاضا کیا ہے۔ اور سنت کی اتباع کس طرح سے ہوتی ہے۔ یہ ہے مسلمان کی ضرورت۔ کافر یہ بات حاصل نہیں کرتا۔ یہ مسلمان حاصل کرتا ہے۔ تو یہاں علم سے مراد وہ علم ہے جو مسلمان کی ضرورت ہے۔ باقی جو کچھ پڑھا پڑھایا جاتا ہے۔ یہ فنون ہیں یہ مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں یہ انسان کی ضرورت ہے۔ اور یہ صرف دنیا تک ہے لیکن جب انسان مر جاتا ہے۔ نہ اس کو ہوائی جہاز کی ضرورت رہتی ہے' نہ کار کی نہ موٹر کی' نہ اس کو کسی دوسری چیز کی' تو اس علم کی جو حیثیت ہے وہ اس دنیاوی زندگی میں ہے۔ اور انسان کی ہے کافر ہو یا مسلمان ہو وہ ان علوم کے حاصل کرنے کا محتاج اور ضرورت مند ہے۔ اس لیے ان کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے تاکہ دنیاوی زندگی سدھر جائے۔ لیکن یہ مسلمان کے ساتھ خاص نہیں۔ سکھوں میں بھی ہے۔ ہندوؤں میں بھی ہے دنیا میں جتنی قومیں ہیں' چاہے وہ خدا کو مانتے ہیں' چاہے وہ خدا کو نہیں مانتے' یہ فنون سارے حاصل کرتے ہیں۔ یہ انسانی ضرورت ہے۔ مسلمان کے ساتھ خاص نہیں۔ مسلمان کو بھی ضرورت ہے۔ باقیوں کو بھی ضرورت ہے۔ لیکن جو علم مسلمان کی ضرورت کا ہے۔ وہ علم ہے جس کو علم دین کہتے ہیں۔ قرآن و حدیث اور فقہ کا علم' یہ علم ہے جو مسلمان کی ضرورت ہے اور اس کے بغیر مسلمان۔ مسلمانوں والی زندگی نہیں گزار سکتا۔ یہاں جو ہے کہ جس نے میرے بعد علم سکھایا کہ اس سے مراد ہے علم دین۔ آپ دوسری طرف سے اس بات کو دیکھیں۔ جیسے میرے عزیز خدمت خلق کی بات کر رہے تھے۔

خدمت خلق کی اہمیت و وضاحت

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ۔ یہ مخلوق جتنی ہے یہ اللہ کا کنبہ ہے۔ (مشکوٰۃ ۱/۴۲۵) سمجھانے کے لیے مثلاً جیسے ہماری اولاد ہمارا کنبہ ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ ہمیں تعلق ہوتا ہے، محبت ہوتی ہے، تو جو ہمارے کنبے کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے ہمیں اچھا لگتا ہے۔ اور جو ہمارے کنبے کو ہماری اولاد کو ہمارے تعلق والوں کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا ہے ہمیں برا لگتا ہے۔ تو حضور نے فرمایا کہ یہ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اور اللہ کو وہ آدمی بڑا اچھا لگتا ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ۔ اس لیے خدمت خلق ایک بہت بڑی سعادت اور بہت بڑی ثواب کی چیز سمجھی جاتی ہے۔

❀ لیکن خدمت خلق ہے کیا۔ یہ بھی خدمت خلق ہے کہ آپ کسی کو کھانے کی چیز دیدیں۔

❀ یہ بھی خدمت خلق ہے کہ آپ کسی کو کپڑا پہننے کے لیے دیدیں۔

❀ یہ بھی خدمت خلق ہے کہ آپ کوئی ہسپتال بنا دیں۔

کوئی سڑک بنادیں یہ سب خدمت خلق ہے۔ جتنی بھی مخلوق کو راحت پہنچانے والی چیزیں ہیں اور کام جتنے بھی آپ کریں گے اللہ کے نزدیک یہ پسندیدہ ہے۔ بہت تاکید ہے خدمت خلق کی اور بہت اہم ہے یہ بات۔ دنیا کی تکلیفوں سے بچانا۔ یا دنیا میں راحت پہنچانے کی کوشش کرنا۔ یہ خدمت بھی قابل تعریف ہے۔

سب سے اعلیٰ خدمت خلق

لیکن مسلمان کے عقیدے کے مطابق ہماری زندگی صرف مرنے کے ساتھ ختم نہیں ہوجاتی۔ بلکہ ہماری زندگی مرنے کے بعد بھی جاری رہے گی اور اتنی طویل کہ جس

کی حد کوئی نہیں۔ جب چند سالوں میں کسی کے لیے راحت پہنچانے کی کوشش کی جائے تو قابل تعریف ہے۔ تو جو شخص مخلوق کی خدمت ایسی کرے کہ یہ مخلوق جہنم میں نہ جائے' یہ مخلوق جنت میں جائے۔ آخرت کی تکلیفوں سے بچے' برزخ کے عذاب سے بچے' حشر کے عذاب سے بچے۔ جہنم کی عذاب سے بچے اور جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو۔ اور برزخ میں جانے کے بعد راحت حاصل کرے۔ جو شخص کسی مخلوق کے لیے یہ انتظام کرتا ہے تو آپ جانتے ہیں کہ یہ خدمت خلق کی اعلیٰ قسم ہے۔ کہ انسان کو جہنم سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ یہ ایسی خدمت خلق ہے کہ یہ دنیا کی سڑکیں' دنیا کی نالیاں' جو کچھ بھی ہے اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ تو چند سالوں میں چند دنوں کی زندگی میں مخلوق کو راحت پہنچانے کی کوشش کرنا جب یہ خدمت خلق ہے۔ تو ہمیشہ کے لیے کسی کو جنت میں پہنچا دینا یہ کتنی بڑی خدمت ہو گی؟ اور جہنم کے عذاب سے بچا لینا کتنی بڑی خدمت ہے۔ اس لیے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد سب سے زیادہ جُود والا وہ ہے جو علم دین حاصل کرے اور حاصل کرنے کے بعد اس کو پھیلائے۔

تعلیم و تعلم ایک عظیم فائدہ

اس پہلو سے آپ اگر غور کریں تو ہمارے لیے ایک ترغیب کی بات بھی ہے کہ جو پیدا ہوا ہے اس کو مرنا ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ لوگوں نے خدا کے وجود میں تو شک کیے ہیں کہ اللہ موجود بھی ہیں کہ نہیں۔ صراحتاً بھی انکار کرتے ہیں لیکن موت کے آنے میں کسی کو بھی شک نہیں نہ کوئی اس کا انکار کرتا ہے۔ کافر ہو' مسلمان ہو' جاہل ہو' پڑھا ہوا ہو۔ یہ بات اس کے دل کی گہرائی میں بیٹھی ہوئی ہے کہ جو شخص پیدا ہوا ہے اس کو آخر مرنا ہے۔ لیکن موت ہر کسی کی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ عام آدمی مرتا ہے اور مرنے کا کیا اثر ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ۔ جب آدم کا بچہ مرتا ہے۔ اس کی عملی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ (مسلم ۲/۳۴۲) آپ نماز پڑھتے

تھے۔ جب تک پڑھتے رہے آپ کو ثواب ملتا رہا۔ جب آپ مر جائیں گے نماز پڑھنی آپ نے بند کر دی تو ثواب ملنا بند ہو گیا۔ آپ زندگی میں تلاوت کرتے تھے جب تک کرتے تھے جب آپ کی وفات ہو گی ثواب ملنا بھی بند ہو گیا۔ تو موت کے ساتھ اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ تو عام آدمی کی موت ایسی ہے کہ جو اس کی عملی زندگی کو ختم کر دیتی ہے۔ اور آگے اس کے لیے اس کی نیکیوں کی جزا کا سلسلہ ہے جو اس نے موت سے پہلے پہلے کر لیں۔ اس کی عملی زندگی ختم ہو گئی اور جزا کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

لیکن بعضے لوگ ایسے ہوا کرتے ہیں جو اگر چہ ظاہری طور پر مر جاتے ہیں لیکن ان کی عملی زندگی کے آثار جاری رہتے ہیں یعنی ان کا عمل جاری رہتا ہے۔ جیسے زندہ کا تھا ویسے وفات کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ اس لیے ان کی موت ایک صورتاً موت ہوتی ہے ورنہ عملی زندگی کے لیے ان کی موت جو ہے وہ موت نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کی عملی زندگی جاری رہتی ہے۔ اور ہمیشہ کے لیے ان کو عمل کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ جس کے متعلق آپ سنتے ہیں صدقہ جاریہ۔ اور صدقہ جاریہ میں سے سب سے اعلیٰ قسم یہ ہے کہ آپ علم سیکھیں علم سیکھنے کے بعد آپ اس کو پھیلائیں۔ جس وقت تک آپ کا علم آگے پھیلتا چلا جائے گا اس وقت تک آپ کا عمل جاری رہے گا اور آپ کو ثواب تسلسل کے ساتھ ملتا چلا جائے گا ثواب ختم نہیں ہوگا۔ تو گویا کہ زندگی اگر نیک عمل کے لیے مطلوب ہے۔ تو موت اس کے لیے اس زندگی کو ختم نہیں کرتی بلکہ یوں سمجھو کہ اس کی عملی زندگی جاری رہتی ہے۔ حضور ﷺ نے کئی ساری چیزیں صدقہ جاریہ میں بیان فرمائیں۔ مثلاً کسی نے مسجد بنا دی۔ کسی نے غسل خانہ بنا دیا کسی نے ہسپتال بنوا دیا۔ کسی نے مدرسے میں کتابیں یا چٹائیاں دیدیں جس وقت تک چیز باقی رہے گی۔ مخلوق اس سے فائدہ اٹھائے گی۔ اس وقت تک تسلسل کے ساتھ ثواب ملتا چلا جائے گا۔ اور اسی میں ایک علمی سلسلہ بھی ہے کہ علم سیکھا سیکھنے کے بعد اس کو پھیلا دیا۔ اب دیکھو میں نے حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا اللہ کی توفیق کے ساتھ میں نے آگے پڑھایا میرے سے پڑھنے والوں

نے آگے پڑھایا تو جتنے اس سلسلے کے اندر عالم ہوئے ہیں۔ جب تک ان کا فیض جاری رہے گا یوں سمجھ لو کہ عمل جاری ہے اور ان کے لیے ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ تو یہ ایک زندگی کا پہلو ایسا ہے کہ ہر انسان اگر غور کرے تو اس کو یہ شوق پیدا ہونا چاہیے کہ کوئی ایسا کام کریں کہ مرنے کے بعد اس کا ثواب پہنچتا رہے۔

یہ ایصال ثواب والی بات اور صدقہ جاریہ کا یہ پہلو انسان کے لیے بہت مرغوب ہے۔ کہ انسان کو موت تو آ جاتی ہے لیکن اس کی عملی زندگی ختم نہیں ہوتی عملی زندگی اس کی جاری رہتی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ وَلَدًا صَالِحًا یَدْعُوْ لَهٗ ایک آدمی نیک اولاد چھوڑ جاتا ہے۔ وہ اولاد اپنی زندگی میں اپنے والدین کے لیے دعا کرتی ہے جب تک دعا کرتی ہے تو اس کا ثواب پہنچتا رہتا ہے۔ (ترمذی ۱/۲۵۶۔ مشکوۃ ۱/۳۶) بہر حال یہ ایک پہلو ایسا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق دیدی۔ انبیاء علیہم السلام کی وراثت یہی ہے۔ اس پہلو سے خود یہ بہت قابل تعریف بات ہے لیکن ساتھ ساتھ قیامت تک کے لیے جب تک ان کے شاگردوں کا سلسلہ چلتا رہے گا۔ ان کی تصنیفات کا سلسلہ چلتا رہے گا۔ اس وقت تک اللہ کی جانب سے ان کو ثواب مسلسل ملتا رہے گا۔

حافظ نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت

اب حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جو معاملہ آپ کے سامنے ہے۔ تقریباً میرا جہاں تک خیال ہے ان کی تدریس کا دور ۴۳ میں آ کر وہ ربانیہ کے اندر مدرس بنے ہیں تو ۵۷ سال ہو گئے پچھلی صدی کے اور ۷ سال ہو گئے اس صدی کے تو یہ سارے کا سارا گویا کہ ۶۴ سال تک انکی دینی خدمات ہیں۔ اور ہمارے مدرسوں کا نظام جو چلتا ہے۔ وہ قمری حساب سے چلتا ہے شمسی حساب سے نہیں۔

اسلامی تقویم کی اہمیت

ہمارے ہاں یہ بھی اللہ کا ایک احسان ہے جو اللہ نے توفیق دے رکھی ہے یہ جو دو

تاریخیں چلتی ہیں۔ایک سن ہجری اور ایک سن عیسوی ہے۔ یہ سن عیسوی اصل کے اعتبار سے عیسائیوں کا سال ہے اور سن ہجری مسلمانوں کا سال ہے۔ چونکہ اب ان کی تہذیب ہم پر غالب آ گئی۔تو ہمیں سن عیسوی کے مہینے یاد ہیں اور تاریخیں بھی یاد ہیں۔ بے شمار طالب علم جو سکول اور کالجوں میں پڑھتے ہیں ان سے اگر پوچھو کہ سال کے مہینے کتنے ہیں تو وہ کہیں گے بارہ۔ ان سے کہو کہ گن کر بتاؤ کتنے ہیں تو وہ کہیں گے جنوری' فروری مارچ اپریل کر کے وہ دسمبر تک پہنچ جائیں گے۔سب کو یاد ہیں۔ پہلی جماعت کا طالب علم ہے' دوسری کا ہے' تیسری کا ہے' سب کو یاد ہیں۔ اس کے علاوہ نہ کوئی سال جانتا ہے۔ نہ وہ مہینے جانتا ہے۔ تو اگر اس کو کہو کہ مسلمانوں والا سال اس کے مہینے کون سے ہیں وہ سال کہاں سے شروع ہوتا ہے کہاں ختم ہوتا ہے۔ کچھ پتہ نہیں۔ ٹیچروں کو نہیں پتا طالب علموں کو کیا پتہ ہوگا؟ انہیں کہو کہ عربی مہینوں کا نام لے کر دکھاؤ۔ بارہ مہینوں کے نام بتاؤ کیا ہیں؟ جبکہ اللہ کی عبادت انہیں عربی مہینوں کے ساتھ ہے۔ اس لیے ان تاریخوں کا یاد رکھنا فرض کفایہ ہے۔ اگر ساری قوم ان تاریخوں کو بھول کر بیٹھ جائے تو نہ رمضان کا پتہ چلے گا نہ حج کا پتہ چلے گا۔ یہ مہینے یاد رہیں گے۔ اور ان کی تاریخ یاد رہے گی تو آپ وقت پر روزہ رکھیں گے آپ وقت پر حج کریں گے اور اسی طرح سے باقی بہت سارے اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق ان تاریخوں سے ہے۔

۲۷ رمضان پاکستان کا یوم آزادی

میں کبھی کبھی عرض کیا کرتا ہوں طالب علموں میں اور کبھی اتفاق ہو تو کئی سارے جلسوں میں بھی کہا کہ: پاکستان بنا جس سے آپ پوچھیں گے کہ یہ کب بنا تھا؟ فوراً کہیں گے چودہ اگست ۱۹۴۷ء کتابوں میں یہی تاریخ آتی ہے اسی تاریخ میں اخباروں کے اندر مضامین ہوتے ہیں۔ اسی تاریخ کو لوگ پاکستان کا جشن مناتے ہیں۔ آزادی کا جشن مناتے ہیں چھوٹے بڑے سب کو یاد ہے چودہ اگست ۱۹۴۷ء۔

اور اگر آپ مسلمانوں والا حساب کریں اور اسلام کے نعرے کے ساتھ ہی یہ

ملک وجود میں آیا تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔ اور شاید پرانے بزرگوں کو یاد بھی ہو۔ ورنہ موجودہ نسل کو تو یاد نہیں۔ یہ ملک کی آزادی کا اعلان جو ہوا تھا یہ رمضان المبارک کی ستائیس کو ہوا تھا۔ یعنی چودہ اگست کا دن یہ چھبیس رمضان تھا سورج کے غروب ہونے کے ساتھ یہ چودہ اگست تو جاری رہا رات بارہ بجے تک۔ اور عربی مہینے کے اعتبار سے وہ ۲۷ تاریخ بدل جاتی ہے۔ تو یہ ستائیسویں رات ہوئی۔ چودہ اگست سورج کے غروب ہونے کے بعد بارہ بجے سے پہلے جب ملک کی آزادی کا اعلان ہوا تو ستائیسویں رات تھی۔ ۲۷ رات ۱۳۶۶ء یہ سن تھا۔ کسی کو نہیں پتہ اللہ تعالیٰ نے یہ آزادی کی نعمت دی تھی۔ تو اگر یہ لوگ ستائیس والی رات کو پاکستان کا جشن مناتے اور اس کا تذکرہ کرتے تو بچوں کو یاد ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت ہمیں کتنی مبارک رات میں دی تھی۔ اور شاید اگر ستائیسویں رات کو یہ کیا جاتا تو جتنی خرافات چودہ اگست کو ہوتی ہیں شاید اتنی خرافات بھی نہ ہوتیں۔ کیونکہ لوگوں کے دل کے اندر بھی وقت کا کوئی احترام ہوتا۔ احترام ہونے کی صورت میں ان خرافات کی طرف لوگوں کی توجہ کم ہوتی۔ لیکن اس تاریخ کو بھلا دیا گیا کسی کو بھی پتہ نہیں۔ اس لیے عربی مہینوں کا یاد رکھنا اور عربی تاریخوں کو محفوظ رکھنا یہ فرض کفایہ ہے۔ اگر ساری قوم بھول جائے تو سارے دین کا نظم درہم برہم ہو جاتا ہے اور اس فرض کو ادا کرنا یہ اب صرف مدارس میں رہ گیا ہے۔ باقی آپ کے کھاتے۔ اور آپ کا حساب کتاب جو کچھ ہے۔ وہ عیسائی تہذیب کے مطابق چلتا ہے۔

حرمین شریفین کی اسلامی گھڑیاں

حرمین شریفین میں دو قسم کی گھڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ حاجیوں نے دیکھا ہوگا۔ ایک گھڑی ایسی ہے جو سورج کے غروب ہونے کے ساتھ بارہ بجاتی ہے۔ چند ایک گھڑیاں ایسی بھی ہیں جو سورج کے غروب ہونے کے ساتھ بارہ بجاتی ہیں۔ تو ان کا اور دوسری گھڑیوں کا فرق پھر بہت نمایاں ہوتا ہے۔ تو ایک دفعہ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے یا حرم

میں۔ میں نے ایک دوست ساتھی سے پوچھا جو میرے ساتھ بیٹھا تھا کہ اس گھڑی میں کیا وقت ہے؟ گھڑی کی طرف اشارہ کر کے میں نے کہا۔ وہ کہتا ہے جی! یہ تو گھڑی خراب ہے۔ اس کا ٹائم ٹھیک نہیں ہے۔ اس گھڑی کا ٹائم ٹھیک ہے۔ میں نے کہا کہ اللہ کے نیک بندے گھڑی ٹھیک ہے۔ تیرا دماغ خراب ہے۔ میں نے کہا کہ روئے زمین پر ایک یہی تو جگہ ہے کہ جنہوں نے اسلامی وقت کو باقی رکھا ہوا ہے۔ کیونکہ ہماری تاریخ بدلتی ہے سورج کے غروب ہونے کے ساتھ اور باقی عیسوی سن کی تاریخ بدلتی ہے رات کے بارہ بجے۔ وہ بارہ بجے کے بعد ایک بجاتی ہیں۔ اور ہمارا سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی پچھلے چوبیس گھنٹے ختم ہو گئے۔ اگلے چوبیس گھنٹے شروع ہو گئے۔ تو ہمارا اسلامی وقت جو شروع ہوتا ہے۔ تاریخ کی تبدیلی کے ساتھ تو وہ غروب شمس کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ اس لیے ہماری وہ تاریخ بھی بدل جاتی ہے سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ہی ٹائم بھی بدل جاتا ہے۔ اس لیے حرم شریف میں اب عشاء کی نماز ڈیڑھ بجے ہوتی ہے۔ مغرب ہمیشہ بارہ بجے ہوتی ہے۔ کیونکہ جب سورج غروب ہوتا ہے۔ بارہ بجے ہوتے ہیں مغرب پڑھتے ہیں اور ڈیڑھ گھنٹے کے بعد عشاء پڑھتے ہیں تو عشاء ہمیشہ وہاں ڈیڑھ بجے ہوتی ہے۔ مغرب بارہ بجے ہوتی ہے۔ اب وہ گھڑیاں جو ہیں وہ اسلامی ٹائم بتاتی ہیں۔ اور چوبیس گھنٹے پورے ہوتے ہیں غروب شمس کے ساتھ۔ اور یہ گھڑیاں جو ہیں آدھی پچھلی رات آدھی اگلی رات یہ چوبیس گھنٹے یوں پورے کرتی ہیں تو رات کے بارہ بجے کے بعد ان کی تاریخ بدلتی ہے تو پھر ایک دو تین بجنے شروع ہوتے ہیں۔ اور ہماری تاریخ بدل جاتی ہے غروب شمس کے ساتھ ہی اور ہمارے ایک دو بجنے شروع ہو جاتے ہیں غروب شمس کے بعد اس لیے وقت اسلامی بھول گئے ہم۔ تاریخ اسلامی بھول گئے ہم۔ مہینے اسلامی بھول گئے ہم۔ یہ تو اللہ کا شکر ادا کرو کہ یہ مدرسے ایسے رکھے ہیں جن کے ساتھ اسلامی اصطلاحات باقی ہیں۔ اسلام کی تقویم باقی ہے۔ اسلام کی جنتری باقی ہے کہ اگر شمار کرتے ہیں تو ہمارے ارد گرد میں یہ لکھی ہوئی ہے کہ

بارہ ربیع الاول سن فلانا۔ تو اس کے ساتھ ہمیں وہ مہینے بھی ہمارے یاد رہتے ہیں تاریخ بھی یاد رہتی ہے۔ اور یہ ہمارا مہینہ قمری جو ہے عرب میں یہی تاریخ تھی۔ یہ میلادی تاریخ نہیں تھی عیسوی۔ اس لیے حضور ﷺ کی تریسٹھ سال جو عمر ہے وہ چاند کے اعتبار سے ہے۔ اور وہاں چاند ہی کے مہینے چلتے تھے۔ اسی حساب سے چلا کرتے تھے وہ سال ہمارا چونکہ عیسوی سال سے تقریباً دس بارہ دن چھوٹا ہوتا ہے۔ تو تین سال کے بعد فرق شروع ہو جاتا ہے مہینے کا اور ۳۲۔ ۳۳ سال کے بعد پورے ایک سال کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اس لیے عیسوی سن کے اعتبار سے ۶۴ سال تو بنے ہیں عیسوی اعتبار سے اور دو سال ان میں اضافہ کر لیں تو چھیاسٹھ سال ہو گئے حافظ صاحب کو پڑھاتے ہوئے۔ ان چھیاسٹھ سال میں کتنے بچے ان سے پڑھ گئے اور کتنے ہیں جنہوں نے اس سلسلے کو جاری رکھا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سارے کا سارا ان کی نیکی کے اندر اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور یہ ان لوگوں میں ہیں کہ جن کو دیکھ کر رشک کرنا چاہیے کہ کاش ہماری زندگی بھی ایسی ہوتی۔ کہ ہمارے مرنے کے بعد بھی ہمارا عمل جاری رہتا اور اس طرح سے ثواب ملتا رہتا ہے۔

دو شخص قابل رشک

جیسا کہ حضور ﷺ نے ایک روایت کے اندر بیان فرمایا کہ دو آدمی ایسے ہیں جن کو دیکھ کر انسان کے دل میں حسرت ہونی چاہیے کہ کاش میں بھی ایسا ہوتا۔ لا حسد الافی اثنتین۔ یہ روایت معروف ہے۔ ہر کتاب میں موجود ہے۔ دو آدمی ایسے ہیں کہ جن کو دیکھنے کے بعد دل میں یہ حسرت آنی چاہیے کہ کاش میں بھی ایسا ہوتا۔ اور ان میں ایک شخص یہی ذکر کیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا اور علم دینے کے بعد اس کو پھیلانے کی توفیق دی۔ کہ یہ شخص ایسا قابل رشک ہے کہ جب اس پر نظر پڑے تو دل میں حسرت ہو کہ کاش میں بھی ایسا ہوتا۔ وزیر ہو صدر ہو کوئی ہو اس کو دیکھ کر کبھی دل میں حسرت نہیں آنی چاہیے یہ چیزیں ایسی ہیں ساری کی ساری کہ چند دن کی رونق ہے

پھر اس کے بعد اندھیر ہی اندھیر ہے۔ دوسرا آدمی جو ذکر کیا وہ یہ کہ جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور اس کو اللہ نے حق کے لیے مال خرچ کرنے کی توفیق دی ہو یہ شخص بھی اس قابل ہے کہ اس کو دیکھ کر بھی رشک کیا جائے۔ (بخاری ۱/۱۷) دونوں کا ذکر ایک روایت کے اندر آیا ہے یہ پہلو حافظ صاحب کی زندگی کا بہت روشن ہے اللہ قبولیت سے نوازے اور یہ ان کا علمی سلسلہ قائم رہے۔

موت میں رحمت کا فلسفہ

باقی موت تو آپ جانتے ہیں حضور ﷺ نے جسے فرمایا تحفته المومن الموت۔ مؤمن کے لیے موت تحفے کی مانند ہے (مستدرک حاکم ۴/۳۵۵) لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر موت کے فلسفے پر غور کیا جائے تو موت بہت بڑی رحمت ہے اللہ تعالیٰ کی۔ شخصی طور پر بھی' اور اجتماعی طور پر بھی موت بہت بڑی نعمت ہے۔ تو دنیا میں پیدا ہونے کے بعد آپ دیکھتے ہیں کہ آہستہ آہستہ ہم بڑھتے جاتے ہیں' بڑھتے جاتے ہیں' جیسا کہ بچہ پیدا ہوتا ہے' بڑھتا جاتا ہے' بڑھتا جاتا ہے' آخر ایک اس کی عمر ہے وہاں تک پہنچ کر اس کا بڑھنا بند ہو جاتا ہے۔ پھر اس کو زوال آنا شروع ہوتا ہے' آہستہ آہستہ پھر وہ خشک ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح فصل ہے ہم بوتے ہیں' بڑھتی ہے' جیسے آج کل گندم کا موسم ہے کنارے پر پہنچتی ہے۔ اس کے بعد ہزار تدبیر کریں' وہ آگے بڑھے گی نہیں' وہ سوکھنا شروع ہو جائے گی۔ سوکھنے کے بعد اس میں کھاد ڈالو' پانی دو' تو دوبارہ وہ سبز نہیں ہوتی۔ آخر کاٹنا پڑتا ہے تو انسان بڑھتا چلا جاتا ہے۔ آخر ایک وقت آتا ہے جب یہ ڈھلنا شروع ہوتا ہے۔ تو ڈھلتے ڈھلتے بوڑھا ہو جاتا ہے۔ تو آپ جانتے ہیں کہ گھٹنوں میں درد۔ پیٹ میں درد' سر میں درد۔ نیند نہیں آتی۔

ایک بوڑھے اور طبیب کا لطیفہ

جیسے مشہور ہے کہ ایک طبیب کے پاس ایک بڈھا گیا وہ جا کر اس طبیب کو کہتا ہے کہ حکیم صاحب! مجھے بھوک نہیں لگتی۔ تو حکیم صاحب کہتے ہیں بابا بڑھاپے کی وجہ

سے ہے۔ تو وہ کہتا مجھے نیند نہیں آتی۔ تو حکیم کہتا ہے بابا بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ میرے گھٹنوں میں درد ہے۔ بابا بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ اس کو تو غصہ آیا تو غصے میں آ کر ایک لگائی طبیب کے کہ تمہاری طب میں سوائے بڑھاپے کے ہے ہی کچھ نہیں۔ طبیب کہتا ہے کہ بابا ناراض ہونے کی بات نہیں یہ جو غصہ آیا ہے یہ بھی بڑھاپے کی وجہ سے ہے۔ تو بڑھاپے میں جا کے انسان جس طرح عاجز آ جاتا ہے وہ آپ حضرات کے سامنے ہے۔ پھر انسان کے دل میں خود تمنا پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بلا ہی لے تو ٹھیک ہے۔ اب اگر یہ موت کا سلسلہ نہ ہوتا تو مصیبتوں کے ختم ہونے کی کیا صورت تھی؟ موت کے ساتھ ہی یہ مصیبتیں ختم ہوتی ہیں۔ آپ کو بیماری ہے۔ آپ کو تکلیف ہے۔ جو بھی تکلیف ہے موت کے ساتھ اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور اگلے جہان کا حساب علیحدہ رہا بہر حال دنیا کی تکلیفوں سے بچنے کا آخری آخری اگر مرحلہ ہے تو وہ موت ہے۔ اگر نہ مرتے ہم تو اس طرح تڑپتے رہتے بڑھاپے کے بعد دوبارہ جوان ہونا تو نہیں تھا۔ کہ ہم کوئی علاج کروالیں، کوئی کچھ کر لیں، دوبارہ جوان ہو جائیں، یہ تو ممکن نہیں ہے۔ اور یہی ہڈیاں رگڑتے اور یہی چیختے چلاتے رہتے اگر موت نہ ہوتی۔ موت آتی ہے تو دنیا کی مصیبتوں سے چھٹکارا ہو جاتا ہے تو یہ ایک ظاہری طور پر ہے۔ باقی یہ ہے کہ زندگی کا عمل جو ہے اس کی جزا لینے کا موقع بھی موت کے بعد ہی آتا ہے۔ آپ کے عمل کی راحت آپ کو قبر میں پہنچے گی۔ آپ کے عمل کی راحت آپ کو حشر میں پہنچے گی۔ اس لیے کہتے ہیں کہ موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست تک پہنچاتی ہے۔ اللہ سے ملاقات اللہ کی دربار میں جانا۔ نیکیوں کا اجر لینا۔ اس کا ذریعہ بھی موت ہی بنتی ہے۔

اولیاء موت سے پیار کرتے ہیں

اس لیے اولیاء اللہ کے لیے ہمیشہ موت محبوب ہوتی ہے۔ وہ موت سے گھبراتے نہیں ہیں دیکھو یہودیوں کا ذکر قرآن کریم میں ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ ھَادُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ

اَنَّکُمْ اَوْلِیَاءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ. اگر تم کہتے ہو کہ اللہ کے دوست ہم ہی ہیں تو تمہیں موت کا شوق کیوں نہیں۔ جو اللہ کا دوست ہو وہ موت سے گھبراتا ہے؟ اسے تو آخرت کا شوق ہوتا ہے۔ اس کو پتہ ہوتا ہے کہ مروں گا دنیا کی تکلیفوں سے راحت ملے گی۔ اس کو موت کا شوق ہوتا ہے اگر تم اللہ کے دوست ہوتے تو تمہیں بھی موت کا شوق ہونا چاہیے تھا۔ حالانکہ موت سے زیادہ یہودی ڈرتا ہے اور جو نیک بندے ہوا کرتے ہیں ان کو موت سے خوف نہیں آتا۔ اور موت سے خوف نہ آنا یہی ہے جو قربانی پر برانگیختہ کرتا ہے مسلمان قربانی دیتا ہے ڈرتا نہیں۔ اور کافر جو ہیں وہ قربانی دیتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ ہمارے جوان بڑھ بڑھ کر جان قربان کرتے ہیں وہ کیوں کرتے ہیں۔ اس لیے کہ انہیں پتہ ہے کہ مریں گے۔ تو اجر عظیم پائیں گے موت کا شوق ہوتا ہے۔ تو موت کی تمنا ولی ہونے کی علامت ہے اور ولایت کی علامت ہے۔ اور موت سے گھبرانا یہ کفار کی شان تھی جیسے قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ مومن موت کا شوقین ہوتا ہے۔ اس لیے شخصی طور پر موت جو ہے وہ اللہ سے ملاقات کا ذریعہ ہے۔ آخرت میں اپنے اجر اٹھانے کا ذریعہ ہے۔ تو موت مصیبت نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ایک تحفہ ہے۔

سلسلۂ موت میں بہت بڑی حکمت

اور اجتماعی طور پر آپ اندازہ کریں اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ جو رکھا ہے ہے ایک مرتا ہے دوسرے کے لیے جگہ فارغ ہو جاتی ہے۔ اور اگر یہ موت نہ ہوتی تو آج دنیا پر چیونٹیوں کی طرح انسان پھرتے۔ کسی کو بیٹھنے کو بھی جگہ نہ ملتی۔ اب اگلی نسل جو ہے وہ جاتی ہے دوسری کے لیے جگہ فارغ کرتا ہے۔ تو پچھلی نسل آ جاتی ہے۔ دنیا کی آبادی اس طرح سے چلتی چلی جاتی ہے۔ ورنہ یہ مکان جس میں آپ رہتے ہیں یہ آپ کے دادے پر دادے کے قبضے میں ہوتا۔ اور آپ کو اس میں گھسنے کی بھی جگہ نہ ملتی۔ اگر بڑے نہ گئے ہوتے۔ اس دنیا کی اندر آبادی کی ترتیب اللہ تعالیٰ نے اسی طرح سے

درست رکھی ہے۔ کہ اگلی نسل کو بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ پچھلی نسل پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ جگہ فارغ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور پھر وہ اپنے کمالات ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں آبادی ہوتی چلی جاتی ہے۔ رونق ہوتی چلی جاتی ہے۔ بڑے گئے چھوٹے بڑے ہو گئے چھوٹوں کے کمالات زندگی کے لیے بھی راحت۔ لیکن موت کو ایسا بناؤ کہ وہ ظاہری طور پر موت ہو لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ حیات ہو۔ وہ زندگی اسی طرح سے بنتی ہے کہ انسان کا عمل جاری ہے۔ اور انسان کا وہ فیض جو ہے۔ وہ جاری رہے۔ اور اس کی ایک بہت سی اچھی صورت ہے کہ انسان دین کی خدمت کرے اور ایسے کام کرے جس سے مخلوق کو فائدہ پہنچے۔ تو مرنے کے بعد بھی انسان انشاء اللہ العزیز ایسے ہوگا کہ گویا کہ زندہ ہے اور اس کے اعمال سارے کے سارے جاری ہیں۔

قطعی طور پر جنتی کا حکم لگانا درست نہیں

تو ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امیدوار ہیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں اور امید ہی کر سکتے ہیں۔ ورنہ اس کے اوپر قطعی حکم لگانا یہ کسی انسان کے بس میں نہیں۔ دیکھو! بات کرنے کا طریقہ یہ ہوا کرتا ہے۔ ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جو اپنی کتاب کا حافظ بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دین کا عالم بنایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی تھی کہ اللہ کی کتاب کی خدمت کرتے رہے۔ اللہ نے توفیق دی تھی حدیث پڑھاتے رہے۔ اس لیے ہم اللہ کی رحمت سے امید رکھتے ہیں کہ بہت مقبول شخصیت تھی۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں انہیں نوازے گا۔ اللہ کی رحمت سے امید ہے۔ اور قطعاً ایسا ہو جائے گا' ویسا ہو جائے گا یہ یقینی بات نہیں کر سکتے۔ اللہ کے علم میں ہے کہ کون کس درجے کا ہے۔ کون کس درجے کا تو جب بھی ذکر کریں تو امید کے ساتھ ذکر کریں کہ ہمیں اللہ کی رحمت سے امید ہے۔

مکہ معظمہ سے مہاجر ہجرت کر کے گئے (ایسے ایک واقعہ بیان کروں۔ آخری بات) تو ان میں ایک حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اور یہ شخص وہ ہے کہ

مدینہ منورہ جانے کے بعد سب سے پہلے وفات ان کی ہوئی ہے۔ اور جس کو ہم بقیع یعنی جنت البقیع کہتے ہیں۔ ہماری اصطلاح میں۔ ویسے تو بقیع ہے۔ تو سب سے پہلے قبر ان کی بنی ہے اس میں۔ قبرستان کے لیے جو میدان منتخب کیا تھا سب سے پہلی قبر انہی کی ہے۔ اور جب ان کی وفات ہوئی تھی تو یہ ایسے سعادت مند شخص ہیں کہ پوری تاریخ میں وفات کے بعد سرور کائنات ﷺ نے جن کا بوسہ لیا تو وہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ جب تشریف لے گئے ان کی وفات ہوگئی تھی تو آپ ﷺ نے وفات کے بعد عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو چوما ہے وفات کے بعد آپ ﷺ کے آنسو عثمان کے چہرے پر ٹپکے۔ اتنی بڑی اعلیٰ شخصیت پھر حضور ﷺ نے دفن کرنے کے بعد ایک صحابی سے فرمایا کہ وہ سامنے پتھر پڑا ہے وہ اٹھا کر لاؤ۔ میں اپنے بھائی کی قبر کے سرہانے اس کو رکھنا چاہتا ہوں تا کہ آئندہ کے لیے میرے خاندان میں کوئی شخص فوت ہو تو اسی کے آس پاس دفن کروں گا۔

تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ وہ صحابی گئے پتھر بھاری تھا اور ان سے اٹھا نہیں۔ جب اٹھا نہیں تو کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یوں کر کے بازو چڑھائے اور خود گئے اور جا کر پتھر کو اٹھا کر لائے۔ اور لا کر اس کے سرہانے رکھا بطور نشانی کے۔ تا کہ پتہ رہے کیونکہ اور قبریں بھی بنی تھیں۔ یہ پتھر نشان رہے کہ یہ میرے بھائی کی قبر ہے اور میں اپنے اہل میں سے جو بھی فوت ہوگا اس کے آس پاس دفن کروں گا۔ یہ ساری باتیں حدیث شریف میں آئی ہوئی ہیں۔ تو جب مہاجرین اور انصار کو آپس میں بھائی بنایا تھا۔ اور مہاجر تقسیم کیے تھے انصار پر۔ ام العلیٰ ایک عورت ہے۔ انصاریہ وہ کہتی ہیں کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہمارے حصے میں آئے۔ ہمارے گھر میں ان کی وفات ہوئی۔ جب وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ تو اس ام العلیٰ نے کہا کہ ان کے لیے جنت مبارک ہو اس طرح سے تعریفی جملہ حدیث شریف کے اندر آتا ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا (اس عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق) تجھے کیا پتہ؟ تجھے کیا پتہ؟ ہوسکتا ہے کہ

کبھی اس نے کوئی لایعنی بات کی ہو اور اللہ تعالیٰ اس بات کی بناء پر گرفت کرے تجھے کیا پتہ۔ بلکہ وہاں ایک جملہ اور آتا ہے۔ وہ انتہائی خوفناک جملہ ہے۔ لَا اَدْرِی وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَبِکُمْ لَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ. میں اپنے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا کہ میرے ساتھ ہونے والا کیا ہے۔ (بخاری ۱/۱۶۶)

تو تنبیہ فرمائی کہ حتمی طور پر فیصلہ کر دینا کہ یقیناً ایسا ہے۔ یقیناً ایسا ہے۔ یہ ذرا ادب کے خلاف ہے بات۔ ہم جب بات کریں گے یونہی کریں گے اللہ کی رحمت سے ہم امید رکھتے ہیں۔ کہ اللہ نے ان کے عمل کو قبول کیا ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے مغفرت کے اسباب بنائے گا۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے گا۔ ان کے ظاہری حالات کو جہاں تک ہم جانتے ہیں اس کی طرف دیکھتے ہوئے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی رحمت سے ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا انجام بہت اچھا کرے گا۔ ادب کا تقاضا اور احتیاط اس بات میں ہے۔ ایسے ہی ہم بہت امیدوار ہیں۔

نابینا ہونے پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا بے مثال طرز

ہمارے بزرگوں میں مرکزی شخصیت ہیں دیوبندی سلسلے کی۔ حضرت مولینا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بلکہ دیوبندی نسبت حقیقت میں گنگوہی نسبت ہے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال بہت جلدی ہو گیا تھا۔ انچاس سال کی عمر میں ۱۲۹۷ میں مولانا قاسم نانوتوی وفات پا گئے تھے اور ۱۳۲۳ تک دیوبند کی سرپرستی اور ان کی نگہبانی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ اور یہ دیوبند کے سارے بڑے بڑے حضرات حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں۔ تو حضرت گنگوہی آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے موتیا اتر آیا تھا۔ تو اس دور میں بھی آنکھوں کا آپریشن ہوتا تھا۔ تو ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ آپ آپریشن کروالیں۔ آپ ٹال مٹول کرتے رہے آپریشن نہیں کروایا۔ آخر شہرت تھی اچھے سے اچھے ڈاکٹر دوست تھے۔ انہوں نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا نہ بھائی! آپریشن کرنے کے بعد تم کتنے دن انسان کو سجدہ کرنے سے روک

دیتے ہو میرے لیے یہ برداشت کرنا بہت مشکل ہے کہ میں سجدہ نہ کروں۔ انہوں نے کہا جی! ہم آپ کی آنکھ کا آپریشن کر کے ایسے طور پر ٹانکے لگا دیں گے کہ آپ کو سجدہ کرنے کی بھی اجازت دے دیں گے پھر آخر میں حضرت گنگوہی نے وہ بات کی جس کو چھپائے بیٹھے تھے۔ کہنے لگے کہ بھائی حدیث شریف میں آتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جس کی میں آنکھیں لے لوں اور وہ صبر کرے تو میں اس کو جنت دوں گا۔ (بخاری ۲/۸۴۴) تو یہ اللہ کی طرف سے ایک بہانہ ملا ہے کہ اللہ نے آنکھیں لے لیں۔ ہم اس بہانے کو کیوں ختم کریں کون سا کام میرا اٹکا ہوا ہے آنکھیں نہ ہونے پر۔ اس لیے میں اس چیز کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔ اللہ نے میری آنکھیں لے لیں۔ میں صبر کرتا ہوں تا کہ یہ حدیث قدسی کے اندر جو کچھ آیا ہے کہ جس کی میں آنکھیں لے لوں وہ صبر کرے اس کو جنت دوں گا یہ اللہ کی طرف سے بہانہ ملا ہے میں کیوں اس کو ختم کروں۔ نہیں بنوائیں آنکھیں۔ بلکہ اسی طرح اس دنیا سے نابینے گئے۔ اور گویا ان کے دل میں یہ بات تھی کہ اللہ کی طرف سے رحمت کا معاملہ ہے اس بہانے سے ہمیں رحمت مل جائے گی۔

نابینا ہونے میں حکمت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی

حافظ صاحب کی بھی آنکھیں اللہ نے بچپن میں لے لی تھیں۔ مجھے معلوم ہے جب ہم پڑھتے تھے حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ نے مجھ سے آنکھیں لے لیں لیکن علم دے دیا۔

اگر میں بینا ہوتا تو اپنے خاندان کے دوسرے افراد کی طرح سکول و کالج میں جاتا، مجھے مسجد میں کون آنے دیتا۔ فرماتے تھے اللہ نے آنکھیں لے لیں، مجھے علم دین دے دیا، تو اس پر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ اس طرح صبر و شکر کے ساتھ انہوں نے وقت گزارا۔ یہ مستقل ایک چیز ہے جس کی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ان کو نوازا جائے گا۔ اور حضور ﷺ کے بیان کے مطابق، وعدے کے مطابق اس عمل کی بدولت بھی

جنت کی امید ہے اور باقی جوان کی زندگی کے خیرات اور نیکیاں اور علم۔ اور پڑھنا اور پڑھانا یہ مستقل عمل ہے۔ اللہ مقبولیت سے نوازے اور ہم سب کو اللہ تعالیٰ ان کی زندگی کے نمونے کے مطابق دین کی خدمت کی توفیق دے اور ان کے بنائے ہوئے اس گلشن کو اللہ تعالیٰ آباد رکھے اور یہ سلسلہ تعلیم کا مستقل جاری رہے۔ ان کے جانے کے بعد ان کے چھوٹے بڑے ہو گئے جیسا کہ میں نے سنا کہ حضرت کو شیخ الحدیث بنا دیا گیا مولانا شیر محمد صاحب کو۔ بڑے جاتے ہیں تو چھوٹے بڑے بنتے ہیں تو پھر ان کو اپنے کمالات ظاہر ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اللہ ان کی بھی حفاظت کرے اور ان کے سلسلے کو اللہ تعالیٰ اس طرح جاری رکھنے کی توفیق دے۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین.

er Demo

محدثین اور فقہاء کا مقام

بمقام: جامعہ مدنیہ۔ کریم پارک۔ لاہور

بموقع: تقریب ختم بخاری شریف

تاریخ: رجب۔۱۴۲۴ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ. وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَبِا السَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنَّا اِلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الْحَدِیْثِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمَاعِیْلَ الْبُخَارِیْ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَالَ
بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیَامَةِ وَاَنَّ اَعْمَالَ بَنِیْ آدَمَ وَقَوْلَهُمْ یُوْزَنُ وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْقِسْطَاسُ الْعَدْلُ بِالرُّوْمِیَّةِ وَیُقَالُ الْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ وَهُوَ الْعَادِلُ وَاَمَّا الْقَاسِطُ فَهُوَ الْجَائِرُ.
بِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَشْکَابٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَیْلٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِیْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَنْهُمْ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ.
اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ.

جامعہ مدنیہ میں پہلی حاضری

تقریباً آج سے اکتالیس سال ہے کی بات ہے کہ پہلی دفعہ جامعہ مدنیہ جو مسلم مسجد میں ہوتا تھا۔ حضرت مولانا احمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا تھا۔ دارالعلوم کبیر والا میں پہلا سال دورے کا تھا اور دورہ حدیث شریف کے سال کے آخر میں اسناد طبع کروانے کے لیے ہمارے استاذ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت میاں صاحب کے ذمہ یہ لگایا تھا۔ تو میں وہ مطبوعہ اسناد لینے کے لیے آیا تھا تو پہلی حاضری جامعہ مدنیہ میں آج سے اکتالیس سال پہلے ہوئی تھی۔ اور اس کے بعد مسلسل تعلق رہا۔ حضرت میاں صاحب کی زندگی میں بھی آنا ہوا۔ اور بعد میں بھی آنا جانا رہا۔ اور ہمارے حضرت شاہ صاحب زید مجدھم دامت برکاتہم اللہ ان کو صحت و عافیت سے نوازے اور عمر دراز نصیب فرمائے۔ جب سے تعلق ہوا۔ تو بار بار آنا جانا ہوا۔ دوست احباب کی بھی کثرت ہے لاہور میں۔

لاہور میں پہلا بیان

لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اکتالیس سال کے عرصہ میں آج تک کسی مسجد میں، کسی مدرسے میں، نہ درس دینے کی نوبت آئی، نہ بیان کرنے کی نوبت آئی۔ یہ پہلا اتفاق ہے کہ ان دوستوں نے پکڑ کر اس اتنے اونچے منصب پہ لا کر بٹھا دیا۔ ورنہ لاہور کی حدود میں اکتالیس سال سے آمدورفت ہے اور دوست احباب کی بھی کثرت ہے۔ مدارس میں بھی آنا جانا ہے۔ مساجد میں بھی آنا جانا ہے لیکن کبھی بھی بیان کا اتفاق نہیں ہوا۔ یہ آج پہلا موقع ہے۔ مدرسہ کے نام کی بھی نسبت ہے، عظمت ہے اور مدرسہ کے بانی کی بھی عظمت ہے۔ اس جگہ کی بھی عظمت ہے یہ ساری کی ساری چیزیں جتنی بھی ہیں دل دماغ کو مرعوب کرتی ہیں۔ اور صحت کا حال بھی ایسے ہی ہے۔ لیکن ان

حضرات کے محبت کے تقاضے سے جب آ کر بیٹھ گیا ہوں تو کوشش کروں گا۔ دو چار باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرنے کی اللہ مجھ کو توفیق دے۔

حضرت حکیم العصر کی اسناد حدیث

ہم کتاب کی عبارت پڑھتے وقت شروع میں جو لفظ بولتے ہیں۔ بالسند المتصل منا الی امیر المومنین فی الحدیث یہ طلباء اچھی طرح سے سمجھتے ہیں۔ اور شروع میں جب کتاب شروع کروائی جاتی ہے تو امام بخاری اور امام بخاری سے اوپر اپنی پوری سند اتصال کے ساتھ طلباء کے سامنے استاد بیان کردیا کرتے ہیں۔ صحیح بخاری جس نے پڑھائی ہے؟ تبرکاً اپنے اساتذہ کا تذکرہ جن کی وساطت سے یہ نعمت حاصل ہوئی ہے۔ شروع سال میں بھی کیا جاتا ہے اور جب ہم آخر میں کتاب کو ختم کرتے ہیں۔ تو ان اساتذہ کا تذکرہ اس وقت بھی اپنی زبان پر لایا کرتے ہیں۔ اساتذہ کی طرف سے نسبت اور ان سے جو نعمت حاصل ہوئی اس کا شکریہ ادا کرنے کا طریقہ ہے کہ ان کا ذکر خیر کیا جائے۔ اور ان کے لیے دعائیہ کلمات بولے جائیں۔

تو میں نے صحیح البخاری شوال ۱۳۷۴ھ میں شروع کی قاسم العلوم ملتان میں جب وہ کچہری روڈ پہ ہوتا تھا اور حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس تھے۔ جو دیو بند کے اساتذہ میں سے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد تشریف لائے تھے۔ صحیح البخاری اور جامع ترمذی دونوں وہ پڑھایا کرتے تھے تو میں نے یہ دونوں کتابیں شوال ۱۳۷۴ھ میں شروع کر کے رجب کے آخر ۱۳۷۵ھ میں یہ کتابیں میں نے ختم کی ہیں گویا کہ اب یہ جو رجب کا اختتام آ رہا ہے تو اس میں پورے اکاون ۵۱ سال ہو گئے۔ جب میں نے یہ کتاب اپنے استاذ سے پڑھی تھی۔ اور اکاون ۵۱ سال ہی الحمد للہ ہو گئے میری تدریس کے کیونکہ فارغ ہوتے ہی میں مدرس ہو گیا تھا۔ پندرہ سال تو میں کبیر والا میں رہا ہوں اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب آپ کے استاذ' اللہ ان کی عمر دراز فرمائے' یہ مخدوم ہیں ہمارے اور انہوں نے دورۂ حدیث شریف وہیں پڑھا تھا غالباً اس

سال میرے پاس سنن ابی داؤد تھی اور صحیح بخاری حضرت مولانا علی محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی تھی (ایسے ہی ہے نا؟) مفتی عبدالقادر صاحب جو دارالعلوم میں رہے وہ ان کے ہم سبق ساتھی ہیں۔ یہ اکٹھے ہی دورۂ حدیث شریف میں تھے تو یہ کتاب میں نے مولانا عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ سے اول سے آخر تک پڑھی۔

اور مسلم شریف حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی۔ وہ بھی مدرس تھے وہاں۔ لیکن صدر مدرس اور بڑے مدرس جو تھے وہ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اور حضرت مولانا عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دارالعلوم دیوبند میں پڑھی تھی۔ تو ایسے سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے دادا استاذ ہیں۔ اور وہاں سے نسبت پھر دیو بند میں چلی جاتی ہے۔ اور حضرت مفتی محمود صاحب نے یہ کتاب مسلم شریف اور باقی صحاح ستہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی۔ شاہی جامع مسجد مراد آباد میں۔ انہوں نے دورہ دیو بند میں نہیں کیا تھا۔ اور حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہ بھی حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے۔ اور سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے۔ اور باقی وہاں سے لے کر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تک۔ اور شاہ ولی اللہؒ سے امام بخاریؒ تک۔ اور امام بخاریؒ سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ یہ اساتذہ کی تفصیل سارا سال آپ کے سامنے آتی رہی۔ اسی کو ہم مسلسل سند کہتے ہیں جس کے ساتھ ہم کتاب کو نقل کرتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ ہمارا متصل ہے۔ الحمد لله علی ذلك.

علم کے اعتبار سے طبقات امت کی تقسیم

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب العلم میں اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی وساطت سے ایک روایت نقل کی ہے تبرکا اس کا تذکرہ کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ اس علم کا اور اس علم والے محدثین کا مقام بھی سامنے آ جاتا ہے اور ایک موجودہ دور کے بہت بڑے اشکال کا جواب بھی دور ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو علم و ہدایت دے کر بھیجا ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے آسمان سے بارش' آسمان سے جب بارش ہوتی ہے تو زمین کے مختلف طبقات بن جاتے ہیں۔ مختلف حصے ہو جاتے ہیں۔ ایک حصہ زمین کا وہ ہے جس کو ہم زرعی زمین کہتے ہیں۔ اور سب سے عمدہ حصہ زمین کا یہی ہوا کرتا ہے۔ جس میں فصل اُگتی ہے اور ہر قسم کے غلہ جات پیدا ہوتے ہیں۔ ہمارے لیے خوراک' ہمارے لیے ملبوسات' ہمارے لیے ادویات' یہ سب چیزیں زمین سے نباتات کے ذریعے مہیا ہوتی ہیں۔ ایک حصہ تو زمین کا یہ ہے اور اس حصے کی خاصیت ہے کہ آسمان سے برسے ہوئے پانی کو یہ زمین قبول کرتی ہے اور قبول کرنے کے بعد جو استعداد اور صلاحیت اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھی ہے۔ وہ پانی اور صلاحیت آپس میں ملتے ہیں۔ ملنے کے بعد یہ زمین باغ و بہار ہو جاتی ہے۔ نباتات اگتی ہیں' فصلیں اگتی ہیں' گھاس اگتا ہے۔ جانوروں کو بھی چارہ مہیا ہوتا ہے۔ اور انسانوں کو بھی ہر قسم کی خوراک اور ہر قسم کی ضروریات اس زمین سے مہیا ہوتی ہے' ایک تو یہ ٹکڑا ہے۔

اور ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ زمین سخت ہوتی ہے اور وہاں بارش ہوتی ہے وہ زمین پانی کو جذب نہیں کرتی اور نہ پانی کو ضائع کرتی ہے۔ بلکہ برسے ہوئے پانی کو اپنے ہاں محفوظ کر لیتی ہے اور بڑے بڑے تالاب پانی کے ساتھ بھر جاتے ہیں۔ زمین اس کو جذب نہیں کرتی اور اس پانی کے اندر کسی قسم کا تصرف نہیں کرتی۔ جیسا پانی برسا تھا۔ ویسا صاف ستھرا پانی وہ محفوظ کر لیتی ہے۔ پھر وہ جمع شدہ پانی جانور بھی پیتے ہیں۔ انسان بھی پیتے ہیں۔ اور وہاں سے پانی لے لے کر اپنی جگہ دوسری ضروریات کو بھی پورا کرتے ہیں۔ یہ پانی جو ہے وہ اس طرح سے استعمال میں آتا رہتا ہے۔ دوسرے نمبر پر آپ نے زمین کے اس طبقے کا ذکر فرمایا۔

اور تیسرے نمبر پر فرمایا کہ ایک زمین کا ٹکڑا ایسا بھی ہوتا ہے جو نہ پانی کو جذب کرتا ہے نہ پانی کو روکتا ہے۔ نہ جمع کرتا ہے بلکہ برسے ہوئے پانی کو ضائع کر دیتا

ہے۔ شوریلی زمین ہے، نمک والی ہے، کسی قابل نہیں۔ کوئی چیز اس میں اگتی نہیں، اگر کوئی چیز اگتی بھی ہے تو وہ کانٹے دار جھاڑیاں ہیں، جو کسی کام کی نہیں ہوتیں۔ یہ ایک ٹکڑا ہے زمین کا یہ بھی نمایاں ہے اور تینوں قسم کے زمین کے قطعات آپ حضرات کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ (بخاری ۱/۱۸)

یہ آپ نے مثال دی اور مثال دینے کے بعد پھر فرمایا کہ اس آسمان سے برسنے والے پانی سے جس طرح سے زمین کے مختلف طبقات نمایاں ہو گئے یہ علم و ہدایت جو اللہ تعالیٰ نے اتارا۔ یہ بارش جو علم و ہدایت کی ہوئی اور سرور کائنات ﷺ کی وساطت سے یہ علم اترا۔ اور اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ۔ کہ علم کو حضور ﷺ نے تقسیم کیا۔ تو اس کے بعد فرمایا کہ اس سے بھی انسانوں کے طبقات مختلف ہو گئے۔ دو طبقوں کو تو ایک ہی لفظ میں سمیٹا کہ ایک طبقہ تو وہ ہے جو سیکھتا ہے اور سکھاتا ہے۔ اور ایک طبقہ وہ جو شوریلی زمین کی طرح ہے جو اس علم کی طرف سر ہی اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ اور اس کو قبول ہی نہیں کرتا۔ یہ برسا ہوا علم، علم ہدایت، اس کو وہ ضائع کر دیتا ہے۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا۔ تو انسانوں کا ذکر کرتے ہوئے دو طبقوں کا ذکر کیا جب کہ زمین کا ذکر کرتے ہوئے تین طبقوں کا ذکر کیا۔

فقہاء کا تعارف اور منصب

اصل بات یہ ہے کہ پہلا طبقہ جو ذکر کیا ہے عَلِمَ و عَلَّمَ جو علم سیکھتا ہے، سکھاتا ہے، اس میں اب دو قسمیں بن گئیں۔ جو زمین کی دونوں قسموں کے مشابہ ہیں۔ ایک قسم وہ ہے کہ جنہوں نے اس علم کو لیا۔ سرور کائنات ﷺ نے۔ اللہ کی کتاب کی صورت میں دیا۔ اس کو بھی لیا اللہ کی کتاب کو پڑھا، یاد کیا۔ اور جو سرور کائنات ﷺ نے وحی خفی کے ذریعے سے اللہ سے علم لیا تھا اور اس کو اپنے اقوال کے ساتھ پھیلایا۔ اپنے افعال کے ساتھ اس کو واضح کیا۔ جس کو حدیث کے عنوان سے ہم ذکر کرتے ہیں۔ وہ علم بھی انہوں نے لیا۔ لیکن لینے کے بعد جیسے لیا تھا ویسے واپس نہیں لوٹایا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ

نے ان کے قلوب کے اندر قوت اجتہاد رکھی اور ان کو عجیب و غریب قسم کی صلاحیت دی اس صلاحیت کو انہوں نے علم کے ساتھ خلط ملط کیا۔ تو اس علم کو لوگوں کے لیے ساز گار بنایا تا کہ عامی سے عامی آدمی کو بھی اس کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ اس کو فقہ کی صورت میں مدون کر کے ایسے کر دیا جس طریقے سے پکا پکایا کھانا دستر خوان کے اوپر۔ تو قرآن آسان ہو گیا۔ حدیث آسان ہو گئی۔ عامی سے عامی آدمی کے لیے اس پر عمل کرنا آسان ہو گیا۔ ایک یہ طبقہ ہے اس طبقہ کا عنوان اہل علم کے نزدیک فقہاء کا ہے۔ تو جیسے زمین کا سب سے اعلیٰ طبقہ وہ ہے جو پانی کو اپنا ہے لینے کے بعد اسی شکل میں نہیں لوٹاتا۔ بلکہ مخلوق کے لیے زیادہ کار آمد صورت میں لوٹاتا ہے۔ تو فقہاء اس طبقہ کی مثال ہیں جنہوں نے علم لیا اور علم لینے کے بعد اسی طرح سے نہیں لوٹا دیا۔ بلکہ اپنی قوت اجتہادیہ کے ساتھ اپنی خدا داد استعداد کے ساتھ اس کو انسانوں کے لیے اتنا خوش گوار اور اتنا آسان کر دیا۔ کہ ایک عامی سے عامی آدمی، کم فہم سے کم فہم آدمی، بڑی آسانی کے ساتھ قران و حدیث پر عمل کر سکتا ہے۔ اس پر کسی قسم کی مشکل نہیں۔ اک اک بات کے احکام مرتب کر دیئے۔ وضو کے احکام، وضو کرنا کس طرح سے ہے۔ ٹوٹتا کس طرح سے ہے، بنتا کس طرح سے ہے، اس کے کیا احکام، کیا آداب ہیں؟ یہاں سے لے کر نکاح، طلاق، بیع، شراء تک آپ پڑھ چکے ہیں۔ سب کچھ آپ کے سامنے آ گیا۔ یوں فقہاء نے اپنی صلاحیتوں کو صرف کر کے اس علم ہدایت کو اتنا ساز گار کر دیا۔ کہ اب آنکھیں بند کر کے آپ اس سڑک کے اوپر چلتے جایئے۔ اب نئے سرے سے آپ کو محنت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن پر حدیث پر عمل کرنے کے لیے فقہاء نے جو کچھ تیار کر کے رکھ دیا اس کو لیں اس تفصیل سے یہ بات آپ کے سامنے آ گئی کہ جو شخص فقہ پر عمل کرتا ہے وہ حقیقت کے اعتبار سے قرآن و حدیث سے ہی فائدہ اٹھا کر عمل کرتا ہے۔ فقہ جو ہے یہ شکل ہے کتاب و سنت کی لیکن اس کو ہموار کر دیا ہے فقہاء نے۔

مثال سے بہترین وضاحت

جیسے یہ سارا فیض پانی کا ہے۔ جو آپ کو گندم کی شکل میں ملتا ہے، مکئی کی شکل میں ملتا ہے۔ آموں کی شکل میں ملتا ہے۔ دوسرے فروٹ کی شکل میں ملتا ہے۔ پھولوں کی شکل میں ملتا ہے۔ وہ آسمانی پانی کا ہی فیض ہے۔ اگر آسمان سے پانی نہ برستا تو اس زمین سے گرد اڑتی، ویرانہ ہوتا۔ یہ ساری آبادی اس پانی کے صدقے ہے۔ لیکن جو سمجھدار آدمی ہے وہ تو جانتا ہے کہ ہم جو ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ حقیقت کے اعتبار سے وہی نعمتیں جو آسمان سے برسی تھیں۔ اور زمین میں آ کے انسان کی ضروریات کے لیے وہ اس طرح سے ہموار ہوگئی، دوبالا ہوگئی۔ تو ہم تو سمجھتے ہیں کہ سارا اسی بارش کا فیض ہے۔ اسی پانی کا فیض ہے جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا۔ اگر آسمان سے پانی نہ اترتا تو زمین میں سوائے گرد و غبار کے کیا ہوتا۔ اس لیے سارا فیض اس پانی کا ہے ہم ان نعمتوں کو سمیٹتے ہیں اور اپنی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ تو اسی طرح سے سمجھدار آدمی جانتے ہیں جس کو ہم فقہ کے عنوان سے لیتے ہیں۔ اور فقہ کے عنوان سے ہم اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہ سارا قرآن و حدیث کا فیض ہے۔ حقیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے رجال پیدا کیے جنہوں نے محنت کر کے عوام کے لیے قرآن و حدیث پر عمل کرنا آسان کر دیا۔ اس لیے فقہاء کا طبقہ قرآن و حدیث کے اعتبار سے علماء کے طبقہ میں سے سب سے اعلیٰ طبقہ ہے۔ اور جن کی اس محنت سے مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے۔ اور فائدہ اٹھا کر قرآن و حدیث کے اوپر بہت آسانی کے ساتھ عمل کرتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ یہ طبقہ جو ہے علماء کا زرعی زمین کے مشابہ ہے۔ اس کو ہم اپنی اصطلاح میں فقہاء کہتے ہیں۔ یہ علماء میں اعلیٰ درجہ کا طبقہ ہے۔

محدثین اور حفاظ کا تعارف و منصب

اور دوسرا علماء کا طبقہ ایسا ہے جنہوں نے اس پانی کو سمیٹا، خوب سمیٹا، ایک قطرہ بھی ضائع ہونے نہیں دیا۔ یہ مثال حفاظ کرام کی۔ جنہوں نے قرآن کریم کو یاد کیا۔

بسم اللہ سے لے کر والناس تک اپنے سینے میں محفوظ کر لیا۔ جیسا اترا ویسے ہی محفوظ کر لیا۔ زیر اور زبر کا بھی فرق آنے نہیں دیا اور اس اترے ہوئے علم کو ضائع نہیں کیا۔ محفوظ کیا۔ اور آگے مخلوق تک اس کو جیسا لیا تھا ویسے ہی پہنچایا۔ اس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا۔ یہ وہ طبقہ ہے جس طرح پانی آسمان سے برساتھا۔ تالاب کی شکل میں جمع ہو گیا۔ اور وہ جمع شدہ پانی مخلوق کے لیے مفید ثابت ہورہا ہے۔ تو قرآن کریم کے حفاظ اس کی مثال ہیں۔ اور سرور کائنات ﷺ کے اقوال و افعال کو جمع کرنے والے محدثین اس کی مثال ہیں۔ محدثین کا کام ہے احادیث کا اکٹھا کرنا اور محفوظ کرنا۔ اور یہ فرض انہوں نے خوب اچھے طریقے کے ساتھ سرانجام دیا۔ کوئی بات ضائع نہیں ہونے دی اک اک بات کو محفوظ رکھا۔ نہ سرور کائنات ﷺ کا کوئی قول ضائع ہوا۔ نہ سرور کائنات ﷺ کا کوئی فعل ضائع ہوا۔ نہ ذاتی احوال ہی ضائع ہونے دیئے۔

حتیٰ کہ آپ کی شخصیت کے متعلق باتوں کو بھی اتنی باریک بینی کے ساتھ جمع کیا ہے کہ سر کے بالوں میں سفید بال کتنے تھے انہوں نے وہ بھی شمار کر کے لکھ دیئے ہیں۔ سر کے بالوں سے لے کر حضور ﷺ کے پاؤں کے تلوے تک کا تذکرہ آپ شمائل میں پڑھ چکے ہیں۔ کہ حضور ﷺ کے پاؤں کے نیچے کا جو تلواں تھا اس کی بناوٹ کیسی تھی۔ سر کے بالوں سے لے کر۔ آپ کی شخصیت کو اس طرح سے محفوظ کیا کہ آپ اگر ان سب چیزوں کو دیکھیں گے تو کوئی بات آپ کے سامنے مخفی نہیں۔ ہر ہر بات جو ہے اس کا تذکرہ آپ کے سامنے موجود ہے۔ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ محدثین میں جو نمایاں مقام رکھتے ہیں وہ آپ کے سامنے ہے اور ان کی کتاب جامع ترمذی آپ نے اول سے لے کر آخر تک پڑھی ہے۔ اور جہاں آپ نے ان کے حالات پڑھے ہوں گے اور اس جامع کتاب کے حالات پڑھے ہوں گے وہاں ان کی ایک بات نقل کی ہوئی ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین کی اس محنت کا کیا مقام ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں اپنی کتاب کے بارے میں کہ میری یہ کتاب جو میں نے لکھی ہے جس گھر میں موجود

ہو۔ فَكَاَنَّمَا فِيْ بَيْتِهٖ نَبِيٌّ يَتَكَلَّمُ۔ وہ ایسے ہے جیسے اس گھر کے اندر اللہ کا نبی بول رہا ہو باتیں کر رہا ہو۔ (البدایہ والنہایہ ۱۱/ ٦٧۔ سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۷۴) اللہ کے نبی باتیں کی ساری اس کتاب میں سمیٹ دیں تو یوں سمجھو گویا کہ حضور ﷺ آنکھوں کے سامنے نہیں ہیں۔ لیکن ان کا علم اور ان کے اقوال اور ان کے احوال دیکھو تو سارے محفوظ اور تصویر ایسی کھینچی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے شمائل ترمذی کے اندر سرور کائنات ﷺ کی کہ آج فوٹو بھی وہ صورت آپ کو نہیں دکھا سکتے جو امام ترمذی رحمہ اللہ نے روایات کے ساتھ نقشہ حضور ﷺ کا کھینچا ہے۔ اور آپ یہ سب کچھ پڑھ چکے ہیں۔ تو یہ ہیں وہ بڑے بڑے تالاب جو اللہ تعالیٰ نے علم دیا تھا ان کو محفوظ کیا۔ ان دونوں مثالوں کو سامنے رکھنے کے بعد محدثین اور فقہاء کا مقام آپس میں ممتاز ہو جاتا ہے۔ محدثین کا کام ہے روایات کو جمع کرنا اور فقہاء کا کام ہے اس میں سے احکام نکال کر لوگوں کی عملی زندگی کے لیے سامان مہیا کرنا۔ اس لیے محدثین اور فقہاء کی کوئی لڑائی نہیں ہے یہ ہماری جہالت اور حماقت ہے اس دور میں جو ہم سمجھتے ہیں کہ محدثین اور فقہاء آپس میں لڑتے ہیں۔ آپس میں لڑتے نہیں ان کا اپنا اپنا مقام ہے۔ اور وہ اپنے مقام کو سمجھتے ہیں۔

امام بخاری کا مقام

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے متعلق سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ ہمارے دادا استاذ انہوں نے فیض الباری میں ذکر کیا ہے کہ اگرچہ ان کو طبقات شافعیہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کا مقلد بتایا گیا ہے۔ طبقات حنابلہ میں ان کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مقلد بتایا گیا ہے۔ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ میری تحقیق کے مطابق راجح یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ مجتہد تھے۔ باقی جتنے بھی محدثین ہیں سب کے متعلق آپ کو معلوم ہے ان کی سوانح میں موجود ہے کوئی کسی فقہ کے امام کا مقلد ہے۔ کوئی کسی فقہ کے امام کا مقلد

ہے۔ روایات ان کے پاس ہیں لیکن ان میں سے احکام استنباط کر کے فقہاء دیتے ہیں۔ اس لیے روایات ہم ان سے لیں گے روایت کا حکم اور اس پر عمل کرنے کی صورت فقہاء سے پوچھیں گے۔ اگر ان دونوں کو ان کے منصب کے اوپر رکھا جائے تو لڑائی کیا ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا دوٹوک فیصلہ

آپ تو طالب علم ہیں۔ آپ یہ پڑھ چکے ہیں ترمذی غالباً کتاب الجنائز میں (کیونکہ مجھے ترمذی جلد اول پڑھائے ہوئے کئی سال ہو گئے۔ اور یہ بخاری تو تقریباً اٹھائیس سال سے مسلسل پڑھا رہا ہوں) تو ایک روایت نقل کرتے ہیں جیسے ان کی عادت ہے کہ روایت کو نقل کرنے کے بعد بتاتے ہیں کہ اس پر کس کس فقہاء کا عمل ہے۔ کس کس فقہاء کا اس پر عمل نہیں ہے۔ فقہاء کا عمل بتاتے ہیں۔ فقہاء کے اقوال اور ان کے مذاہب حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کثرت کے ساتھ بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ ایک روایت نقل کی فقہاء جو مسئلہ بیان کرتے ہیں وہ بظاہر اس روایت سے جوڑ نہیں کھاتا۔ کچھ آپس میں مخالفت نظر آتی ہے۔ اور وہ مسئلہ متفق علیہ ہے فقہاء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تو فقہاء کا مسلک ذکر کرنے کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فقرہ لکھا اور آپ نے اپنی کتاب میں پڑھا کَذٰلِكَ قَالَتِ الْفُقَهَاءِ وَهُمْ اَعْلَمُ بِمَعَانِي الْحَدِيْثِ۔ (ترمذی ۱/۱۹۳) فقہاء یوں کہتے ہیں اور حدیث کے معنی کو وہی زیادہ سمجھتے ہیں۔ بات سمجھ گئے؟ فقہاء نے یوں کہا ہے اور حدیث کے معنی کو وہی بہتر سمجھتے ہیں۔ تو فقہاء کی سمجھی ہوئی بات اگر ظاہری طور پر امام ترمذی کو حدیث کے لفظوں کے ساتھ جوڑ کھاتی ہوئی نہیں نظر آئی۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ فقہاء حدیث سے ٹکراتے ہیں۔ حدیث کا انکار کرتے ہیں فقہاء ایسے ہیں۔ وہ کہتے ہیں مطلب وہی ہے جو فقہاء نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ حدیث کا معنی یہی بہتر سمجھتے ہیں کتنا ادب ہے اور کتنا احترام ہے۔ اور کتنی عظمت ہے ان محدثین کے دلوں کے اندر فقہاء کی۔

فقہاء کی عظمت امام اعمش کی زبانی

اور وہ تو مشہور لطیفہ آپ کے سامنے ہے ہی کہ حضرت اعمش ؒ حدیث بیان کرتے تھے۔ اور ابوحنیفہ ؒ کے یہ اساتذہ میں سے ہیں تو کسی نے آ کر مسئلہ پوچھا تو حضرت امام اعمش ؒ نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ مجھے یاد ایسے پڑتا ہے مرقاۃ کے شروع میں ملاعلی قاری ؒ نے جہاں حالات بیان کیے ہیں حضرت ابوحنیفہ ؒ کے غالباً اس میں اس کا تذکرہ آتا ہے تو ابوحنیفہ ؒ نے سوال کا جواب دیا۔ تو حضرت اعمشؒ نے پوچھا کہ آپ نے یہ مسئلہ کہاں سے لیا تو کہا کہ حضرت اسی روایت سے جو آپ نے کل بیان کی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ حیض کی حالت میں کوئی شخص بیوی کو طلاق دیدے تو کیا طلاق واقع ہوتی ہے۔ یا نہیں؟ امام اعمش ؒ نے لاعلمی کا اظہار کیا اور ابوحنیفہ ؒ نے کہا کہ واقع ہو جاتی ہے۔ جب یہ پوچھا گیا کہ یہ مسئلہ کہاں سے لیا؟ تو آپ نے فرمایا اسی روایت سے جو آپ نے کل بیان کی ہے۔ وہ حدیث یہ تھی کہ عبداللہ بن عمر ؓ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دیدی۔ اور حضرت عمر ؓ نے سرور کائنات ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے کہو کہ رجوع کرے۔ فرمایا رجوع تب ہی تو کرنا ہے کہ طلاق واقع ہوگئی ہو اگر طلاق واقع نہ ہوئی تو رجوع کیسا' تو یہ ہوتا ہے اپنا اپنا فہم تو یہ دونوں طبقے آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ فقہاء میں سے کوئی حافظ ہو وہ آیت پڑھے گا تو آیت کا معنی کرے گا لیکن محض حافظ پورا قرآن آپ کو دو رکعتوں میں سنا دے گا لیکن آپ اگر اس سے پوچھیں کہ فلاں چیز کے ساتھ وضو ٹوٹ گیا کہ نہیں؟ تو وہ کہہ دے گا کہ مفتی سے پوچھو۔ قرآن سارا یاد ہے۔ اگر کوئی نکاح طلاق کا مسئلہ پوچھے گا تو وہ کہے گا کہ یہ میرا کام نہیں ہے یہ مفتی سے پوچھو۔ مفتی نے آیت حافظ سے لے کر مسئلہ بیان کرنا ہے آیت حافظ پڑھے گا اور فتویٰ مفتی دے گا اور مفتی کے اس فتویٰ پر ہی حافظ عمل کرے گا۔ اور یہی حال ہے محدثین کا۔ محدثین روایت بیان کرتے ہیں۔ فقہا، مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔

امام بخاری کا فقہاء کے اقوال سے استدلال

اور جب محدثین کو عمل کرنے کی نوبت آتی ہے تو مسئلہ فقہاء سے لیتے ہیں۔ آپ نے پڑھا ہے اس بخاری شریف کے اندر کون سا باب ایسا ہے جہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے اسلاف کے، تابعین کے، تبع تابعین کے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال نقل نہیں کیے اور ان اقوال کے ساتھ مسئلے کی وضاحت نہیں کی۔ اگر حجت صرف اللہ اور اللہ کے رسول کا قول ہے صراحتاً اور دوسرا کوئی قول حجت نہیں ہے تو دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو آپ کی رہنمائی کر سکے سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری ہے اور امام بخاریؒ خود مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے ان اسلاف کے قول سے استدلال کرتے ہیں۔ جو باب نکال کر دیکھ لو آپ کو معلوم ہوگا کہ ترجمۃ الباب میں تابعین کے اقوال نقل کیے ہوئے ہیں فتاویٰ نقل کیے ہوئے ہیں۔ صحابہ کے نقل کیے ہوئے ہیں۔ وہ نقل کر کے یہی بتاتے ہیں۔ کہ ان حضرات نے یہاں سے یہ مسئلہ سمجھا ہے۔ اور وہی مسئلہ جو ہے وہ آگے نقل کرتے ہیں۔ اگر صرف قرآن اور حدیث کا قول ہی صراحتاً چاہیے تو پھر امام بخاری تو ایسا نہیں کرتے۔ امام بخاری نے تو راستہ یہ دکھایا ہے کہ علماء اور اسلاف کے اقوال کے ساتھ ہی حدیث کو سمجھا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا طرز عمل بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے۔

علماء دیوبند میں ختم بخاری کا اہتمام

یہ جو میں نے کہا تھا کہ اس کے ساتھ ایک بہت سے معروف اشکال کا جواب بھی مہیا ہو جائے گا۔ اب میں صرف اس کی طرف اشارہ کر دیتا ہوں۔ یہ کوئی زیادہ دیر کی بات نہیں میرا خیال ہے کہ بیس بائیس سال ہوئے یہ ختم بخاری کے اشتہار چھپنے لگے ہیں۔ ورنہ مدارس میں ختم بخاری ہوتی تھی طلباء اور اساتذہ جمع ہوتے۔ بخاری ختم کر لیتے اور زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ دوست احباب آ جاتے۔ شرکت ہو جاتی اتنا اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ دیوبند میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کے متعلق سنا ہے کہ جب انہوں نے بخاری

ختم کرنی ہوتی تھیں تو دور دور سے احباب معلومات رکھتے تھے اور دور دور سے جمع ہو جاتے تھے۔ شرکت کے لیے اور یہ دعا میں شرکت کے لیے کیوں جمع ہوتے تھے۔

یہ معمولی سی بات نہیں ہے ہمارے اکابر نے اس کتاب کی عظمت کے طور پر اپنا ایک تجربہ ذکر کیا ہے۔ کہ ختم بخاری پر جو دعا کی جائے اللہ قبول فرماتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مظاہرہ حق کے اندر اس کے متعلق بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ کہ حل مشکلات کے لیے اور اس قسم کی چیزوں کے لیے اسلاف میں طریقہ چلا آتا ہے۔ کہ بخاری تلاوت کر کے اس کو ختم کرنے کے بعد دعا کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس دعا کی قبولیت کی توقع رکھی جاتی ہے۔ یہ ایک تجربہ ہے (یہ مسئلہ قرآن و حدیث کا نہیں ہے) کہ ایسا کرنے سے یہ اتنا مقبول عمل ہے کہ اس مقبول عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ دعا قبول کرتے ہیں۔ اس لیے دوست احباب کو بلا لیتے ہیں کہ طلباء نے بخاری پڑھی ہے۔ سارا سال پڑھی ہے۔ استاذ نے پڑھائی ہے اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی ہے۔ چلو اس برکت والی مجلس میں آپ بھی آ جائیں۔ لیکن سادگی کے ساتھ آ جاتے تھے اس طرح سے اشتہار بازی' جو شروع ہوئی ہے' کوئی قصبہ' کوئی شہر خالی نہیں کوئی گلی اور کوئی کوچہ خالی نہیں۔ جس کے اندر صحیح بخاری کے ختم کے اشتہار نہیں لگے ہوئے۔ پورے ملک میں' مجھے یہ سال دو سال پہلے کی بات ہے اور اس کے بعد پھر تو مسلسل یہ اشکال سامنے آتا رہا یہ کیا کرنا شروع کر دیا۔ ان مدارس والوں نے بدعت شروع کر دی کہ ختم بخاری کا اتنا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ ہمارے اسلاف میں ایسا نہیں تھا یہ تو ایک بدعت شروع ہوگئی۔

کیا ختم بخاری بدعت ہے؟

اب بعض طرف سے آوازیں آتی ہیں کہ اس کو بند ہونا چاہیے۔ اس طرح سے اشتہار بازی' اس طرح سے اس کا اہتمام مناسب نہیں ہے کئی لوگوں کے دلوں کے اندر یہ شبہات پیدا ہوتے ہیں اور اس کا تذکرہ زبانوں پر آنے لگ گیا۔ مجھے یاد ہے کہ سب

سے پہلے میرے اوپر یہ سوال جامعہ ربانیہ جو ضلع ٹوبہ میں ہے جہاں میں بھی ابتداءً پڑھتا رہا تو مولانا نذیر احمد صاحب جامعہ امدادیہ والے وہ اور ہم سب ایک ہی جماعت میں ہوتے تھے تو وہاں میں گیا ہوا تھا تو وہاں کے اساتذہ نے سب سے پہلے یہ سوال کیا تھا اور پھر اس کے بعد جامعہ رحیمیہ ملتان میں قاری ادریس صاحب کا مدرسہ ہے۔ تو وہاں ختم بخاری میں نے بیان کیا تھا میرے سامنے بات آئی تھی۔ تو میں نے اس کی تھوڑی سے وضاحت کی تھی اس کے بعد پھر مسلسل تین جگہ اس کے تذکرے کی نوبت آئی ہے میں نے کہا کہ یہ اللہ کی رحمت کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے جہاں امتحان کے طور پر کوئی فتنہ آنے والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے صلحاء کے ذہن میں، علماء کے ذہن میں، جن کے ذمے مخلوق کی ہدایت ہوتی ہے۔ اس کا کوئی نہ کوئی علاج بھی ذہن میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ فتنہ اٹھنے والا تھا اور دیکھا آپنے کہ شدت کے ساتھ اٹھا کہ حنفیوں کو حدیث نہیں آتی۔ حنفیوں کو حدیث نہیں آتی۔ اور بخاری شریف لے کر حنفیوں کے اوپر اعتراض کہ جی! بخاری شریف میں یوں آتا ہے حنفی یوں کہتے ہیں۔ بخاری میں یوں آتا ہے حنفی یوں کہتے ہیں۔ یہ فتنہ اٹھا اور شدت کے ساتھ یعنی ابھی وہ فتنہ موجود ہوگا لیکن اتنا زور و شور نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب ایسا مہیا فرمایا ہے۔ کہ در و دیوار بول رہے ہیں کہ بخاری پڑھنا پڑھانا حنفیوں کا کام ہے۔ غیر حنفیوں کا کام نہیں اب بھی کوئی انکار کر سکتا ہے کہ حنفی بخاری نہیں پڑھتے اور نہیں پڑھاتے۔ یہ کسی جگہ تمہیں اشتہار لگے ہوئے نظر آجائیں گے اور یہ سوائے حنفیوں کے کسی کے نہیں ہیں۔

بخاری شریف پر عمل کیوں نہیں؟

لیکن اس پر وہ کہتے ہیں کہ ایک اگلا اشکال ہے کہ آپ لوگ صحیح بخاری کی عظمت اتنی بیان کرتے ہیں، اتنی بیان کرتے ہیں کہ دوسرا فریق بخاری کی ایک روایت لے کر ایک عامی آدمی کو گمراہ کرتا ہے۔ کہ آپ نے رات جلسہ میں سنا تھا کہ قرآن کریم کے

بعد سب سے زیادہ بخاری صحیح ہے تو دیکھو بخاری میں یہ لکھا ہوا ہے تو پھر آپ اس پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ یہ اشکال پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ لوگ آپ لوگوں کی ان تقریروں سے جو آپ بخاری کی عظمت پہ بیان کرتے ہیں۔ یہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں کہ جی! اتنی بخاری کی عظمت بیان کرتے ہو اور دیکھو بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ اور اس پر تم عمل کیوں نہیں کرتے۔ میں نے کہا اس کی وضاحت کرنے کی ضرورت ہے کہ امام بخاری محدث ہیں۔ فقیہ نہیں اس لیے محدث کا کام ہے حدیث بیان کرنا فقہ بیان کرنا محدث کا کام نہیں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا منصب ان کے چہیتے شاگرد کی نظر میں

یہ ساتھ واضح کرو کہ ٹھیک ہے بخاری بہت بڑے محدث ہیں۔ لیکن بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا چہیتا شاگرد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جب وہ روایت نقل کرتا ہے۔ تو کوئی صفحہ خالی نہیں جس میں فنون حدیث کے متعلق وہ اپنے استاذ کی بات نقل نہیں کرتا۔ سَئَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمَاعِيلَ الْبُخَارِىَّ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ. سَئَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمَاعِيلَ الْبُخَارِىَّ عَنْ هٰذَا

- ایک شخص کے متعلق میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے پوچھا۔
- اس متن کے متعلق میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے پوچھا۔
- اس راوی کے متعلق میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے پوچھا۔

ان کے اقوال نقل کر کے استدلال کرتے ہیں فنون حدیث میں لیکن کسی ایک جگہ بھی فقہاء کے مسئلے کو بیان کرتے ہوئے امام بخاری کا مذہب بیان نہیں کیا۔ یہ خود علامت ہے کہ امام ترمذی ان کو فقہاء کہ فہرست میں نہیں سمجھتے۔ اور نہ ان کی فقہ مدون ہوئی ہے۔ اور پھر انہوں نے جو روایتیں نقل کی ہیں خود بخاری کے اندر بعض روایتیں ایسی ہیں۔ صحیح سند کے ساتھ نقل کی ہیں بار بار نقل کی ہیں۔ لیکن حضرت امام بخاری خود کہتے ہیں کہ اس کے اوپر عمل نہیں ہے۔

حدیث صحیح کا معمول بہ ہونا ضروری نہیں

اس سے معلوم ہوگیا کہ عمل اور چیز ہے اور کسی بات کا صحیح ہونا اور بات ہے۔ اس کو سمجھانے کے لیے میں آپ کو مثال دیتا ہوں کوئی دور جانے کی ضرورت نہیں چند دن پہلے آپ کے یہاں پانچ کا نوٹ چلتا تھا۔ چلتا تھانہ؟ چند دن پہلے اور آج وہی نیا نوٹ کہیں گھر میں رکھا ہوا ہو۔ آج آپ دکان میں لے جائیں۔ دکاندار کہے گا۔ اس کا کچھ نہیں ملے گا کہتا ہے کیوں؟ میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ نوٹ صحیح ہے جعلی نہیں ہے۔

میں قرآن سر پر رکھ کر کہتا ہوں کہ نوٹ صحیح ہے جعلی نہیں ہے۔

میں غلاف کعبہ پکڑ کر کہتا ہوں کہ نوٹ صحیح ہے میرا بنایا ہوا نہیں ہے۔

جعلی نہیں ہے اصلی نوٹ ہے۔ تو پھر آپ اس کو کیوں نہیں قبول کرتے وہ کہے گا باتیں ساری صحیح ہیں جیسے تو کہتا ہے صحیح ہے اصلی ہے۔ میں بھی کہتا ہوں اصلی ہے۔ بات سمجھ آئی کہ نہیں؟ میں بھی کہتا ہوں کہ یہ اصلی ہے۔ لیکن اس کا وقت گزر گیا ہے۔ اب اس کی جگہ جو نیا سکہ آیا ہے وہ چلے گا یہ صحیح ہونے کے باوجود اصلی ہونے کے باوجود اس کی مارکیٹ ختم ہوگئی' مالیت ختم ہوگئی۔ تو ان دو باتوں میں کیا تضاد ہے؟ امام بخاری ایک روایت نقل کرتے ہیں اور کم از کم تین چار جگہ نقل کرتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ کو ایک دفعہ گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے چوٹ آگئی اور آپ گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے بالاخانے میں (آپ کو یاد ہے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیمار پرسی کے لیے گئے نماز کا وقت آگیا۔ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ پیچھے کھڑے ہوگئے تو آپ نے اشارہ کیا ان کو کہو کہ بیٹھ جاؤ تو وہ بیٹھ گئے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ امام کی اقتداء کرنی چاہیے اذاجلس فاجلسوا۔ امام بیٹھ کے نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھا کرو۔ (بخاری ۱/۵۵۔ ۱۰۱۔۹۶۔۱۱۱) صحیح سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے امام بخاری کے پہلے استاذ حمید ہیں حَدَّثَنَا الْحُمَیْدِیُّ جہاں آپ نے بخاری شروع کی تھی وہاں پہلا استاذ امام بخاری کا حمیدی ہے بخاری میں ہے میرے استاذ حمیدی کہتے تھے یہ پرانہ

واقعہ ہے۔ اس پہ عمل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کے بعد ایک واقعہ پیش آیا کہ حضور ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ نے کھڑے ہو کر پڑھی اور حضور نے بیٹھنے کے لیے نہیں کہا تو ہم الآخر فالآخر کو اختیار کریں گے جو پچھلا عمل ہے حضور کا۔ اس کو اختیار کرنے کے لیے۔ پہلے عمل کو چھوڑ دیں گے۔ (بخاری ۱/۹۶)

یہ خود صحیح بخاری میں موجود ہے تو معلوم ہو گیا کہ صحیح روایات کو کسی تاویل کے تحت اگر کوئی چھوڑتا ہے اور اس کے خیال کے مطابق یہ منسوخ ہے دوسری ناسخ موجود ہے۔ تو اس کو حدیث کی مخالفت کون کہے گا۔ اگر یہ حدیث کی مخالفت ہے تو سب سے پہلے امام بخاری ہی اپنی کتاب کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس لیے جہاں بخاری کی عظمت بیان کی جائے وہ ہے صحت روایات کے اعتبار سے۔ لیکن جہاں بات ہوگی حدیث بخاری کے معنی کی تو وہ پوچھیں گے ابو حنیفہ سے۔ عمل کریں گے فقہاء کی بات پر۔ مواد لیں گے محدثین اور حفاظ سے۔ اس بات کو لوگوں کے ذہن میں اتار [illegible] اپنی جگہ صحیح ہو جائیں گی۔ محدثین کی عظمت بھی آ گئی، فقہاء کی عظمت بھی آ گئی، اور پھر حضور ﷺ نے سب سے پہلے فقہاء کو زرعی زمین کے ساتھ مشابہت دے کر ذکر کیا تو اس کا راز سمجھ میں نہیں آتا کیا؟۔ تو جب یہ باتیں ہو جائیں گی تو ان شاء اللہ العزیز ذہنوں میں یہ اشکال بھی ختم ہو جائے گا۔ اس لیے اب اگر یہ ضرورت پوری ہو گئی اور لوگوں کے علم میں آ گیا۔ کہ حنفی بخاری پڑھتے ہیں، پڑھاتے ہیں، ان کو پڑھنی بھی آتی ہے۔ پڑھانی بھی آتی ہے۔ اور یہ بخاری سے جاہل نہیں ہیں اگر یہ ضرورت پوری ہو گئی تو اشتہار بازی بند کر دو۔ ہم اس کو کون سا کہتے ہیں کہ یہ مقاصد میں داخل ہے اور ضرور اشتہار بازی کرو۔ اس لیے اس کے ساتھ بدعت کا کوئی تعلق نہیں۔ ضرورت تھی اللہ نے ذہن میں ڈالی اگر آپ کے خیال کے مطابق یہ ضرورت پوری ہو گئی ہے تو بند کر دو ہم اس کی کب سختی کرتے ہیں۔ لہٰذا اس میں کوئی بدعت والا معنی نہیں۔

علم حدیث احناف کے حصے میں

اس میں یہ فائدہ ہے کہ معلوم ہو جاتا ہے حضور ﷺ کی حدیث حنفیوں کے مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ اور ساری حدیثوں کے اوپر عبور کروایا جاتا ہے اور اتنا عبور کروایا جاتا ہے کہ میرا خیال یہ ہے کہ شاید یہ ہمارے ملک اور خاص طور پر ہمارے مدارس کی خصوصیت ہے۔ اور اہل عرب بھی اس بات سے محروم ہیں۔ ان کے ہاں بھی منتخبات' کچھ کتابوں کے کچھ کچھ حصے پڑھائے جاتے ہیں اور پڑھنے کے بعد وہ اپنے آپ کو جو کہ دولت مند طبقہ ہے اور بعض جماعتیں جو بادشاہوں کی سرپرستی میں ہیں۔ جو ان کی دولت سے فائدہ اٹھاتی ہیں وہ گردن اٹھا اٹھا کر چلتے ہیں کہ ہم بڑے مجتہد ہیں ہم بڑے عالم ہیں۔ اور یہ پتہ نہیں کہ یہ مساکین ان مدرسوں میں پڑھنے والے۔ صحاح ستہ کے اوپر عبور کرتے ہیں۔ صحاح ستہ کے ساتھ ساتھ مُؤطّین ہے۔ صحاح ستہ کے ساتھ ساتھ طحاوی ہے سارا سال حدیث کے پڑھنے پڑھانے میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن یہ مساکین ہیں کسی بادشاہ کی سرپرستی نہیں اور قدرتی طور پر جو ہمارے بڑے ہیں' ہمارے سرپرست ہیں' وہ ہمیں اور کچلنے کے لیے تیار ہوئے بیٹھے ہیں۔ بیچارے کیا کریں۔ اس لیے مسکنت کے اندر یہ مارے جارہے ہیں۔ ورنہ جتنا علم حدیث ان مدارس میں ہے پاکستان میں ہے۔ اتنا علم حدیث عرب میں بھی نہیں ہے۔ اور وہ مسلسل سند کے ساتھ کچھ نہیں رکھتے۔ میری کوئی حیثیت نہیں لیکن جب میں وہاں جاتا ہوں تو طالب علم میرے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں کہ ہمیں حدیث کی اجازت دیدو۔ وہاں تو مسلسل سند کا تصور ہی نہیں ہے۔ اور ہم اوپر سے لے کر آخر تک حضور ﷺ کی ہر ہر حدیث مسلسل سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

حدیث پر عمل کرنے کا صحیح طریقہ

بہرحال یہ ایک بات تھی جو میں نے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث کی روشنی میں آپ کے سامنے ذکر کردی۔ اور میرے خیال کے مطابق یہ وقت کی ضرورت بھی

ہے۔ اور میں اس بات کی تلقین کرتا ہوں کہ جہاں بھی صحیح بخاری کا ختم ہو اس بات کو ضرور واضح کیا جائے تا کہ عوام کے ذہن کے اندر بخاری کی عظمت کے ساتھ ساتھ فقہاء کی عظمت کو ٹھیس نہ پہنچے۔ بلکہ فقہاء کی عظمت اجاگر ہو اور ذہن یہ بنائیں کہ حدیث کی عبارت پڑھ کر قطعاً اس پر عمل نہیں کرنا جب تک کہ فقہا سے اس کا معنی نہ پوچھ لیں۔ حدیث کی کتاب کا اُردو ترجمہ اٹھا کر کبھی بھی اس پر عمل نہ کرو۔ اور جو اس طرح سے کرتا ہے وہ ذہنی الجھن میں پڑ جاتا ہے۔ حدیث پڑھو پڑھنے کے بعد مفتی کے پاس آؤ اس سے پوچھو کہ فقہاء کی اس حدیث کے بارے میں کیا رائے ہے۔ کیا یہ مرجوح تو نہیں؟ کیا یہ منسوخ تو نہیں؟ کیا اس کے متبادل کوئی دوسرا عمل تو نہیں آیا ہوا۔ تو مفہوم آپ کے سامنے فقہاء بیان کریں گے۔ جو شخص اس رستے پہ چلے گا ان شاء اللہ العزیز وہ ہدایت کے رستے پر رہے گا۔ اور جس نے اُردو کی کتاب لے کر گھر رکھ لی اور اُردو کی کتاب پڑھ پڑھ کر اسکے مطابق عمل کرنا شروع کر دیا۔ تو صبح کچھ ہوگا شام کچھ ہوگا' آج کچھ ہوگا' کل کچھ ہوگا۔ کیونکہ جب وہ کتابوں کا مطالعہ کرے گا روایات اس کو مختلف نظر آئیں گی۔ اور کبھی کہے گا کہ کیا کروں۔ وضو ٹوٹا ہے یا نہیں ٹوٹا۔ وہ روایت کہتی ہے ٹوٹ گیا۔ وہ روایت کہتی ہے کہ نہیں ٹوٹا۔ جہاں ضرورت ہوگی وضو کرنے کو جی نہیں چاہے گا وہ کہے گا نہیں ٹوٹا اور جہاں وضو کرنے کو جی چاہے گا وہ کہے گا ٹوٹ گیا۔ تو پھر اپنی خواہشات پر چلیں گے۔ پھر حدیث پر چلنا نہیں ہوگا جب جی چاہے گا وضو ٹوٹا ہوا ہو جائے گا۔ جب جی چاہے گا نہیں ٹوٹا ہوا ہوگا۔ تو یہ خواہشات کی پیروی ہو جائے گی حدیث کی پیروی نہیں ہوگی۔ تو اس لیے اس بات کو واضح کرنا ضروری ہے۔ اُردو والی حدیث کی کتاب دیکھ کر کبھی اس کے اوپر عمل نہ کرو۔ بلکہ جو حدیث آپ کے سامنے آئے علماء سے آ کر اس کا مطلب پوچھو کہ فقہاء نے اس کا کیا مطلب بیان کیا ہے۔ اس کے اوپر عمل کرنے کی کیا صورت ہے؟ عمل کرنا ہے۔ یا نہیں کرنا۔ یہ فیصلہ فقہاء کریں گے۔

بخاری شریف کا تعارف

بہر حال یہ بہت بڑا ذخیرہ، پاکیزہ ذخیرہ پانی کا صاف ستھرا۔ جو حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے جمع کیا ہے۔ جو اس کتاب کی شکل میں آپ حضرات کے سامنے موجود ہے۔ مکررات کا خیال کرتے ہوئے حضرات کہتے ہیں کہ مجموعہ اس میں ہے نو ہزار بیاسی اقوال۔ تو نو ہزار بیاسی روایات واقوال ہیں اس میں۔ اور امام بخاری کے خیال کے مطابق انہوں نے کوئی حدیث مکرر نقل نہیں کی۔ کیونکہ محدثین کے نزدیک حدیث ہوتی ہے سند اور متن کا مجموعہ اور اگر ایک راوی بھی بدل جاتا ہے۔ تو وہ حدیث بدل جاتی ہے۔ انما الاعمال بالنیات۔ بخاری میں سات جگہ موجود ہے۔ کیونکہ سند علیحدہ ہے متن کے لفظ علیحدہ ہیں۔ امام بخاری اس کو سات حدیثیں شمار کرتے ہیں۔ ایک نہیں شمار کرتے اور یہی روایت آپ کے سامنے جو آئی دو جگہ اور آئی ہوئی ہے تو کل تین جگہ یہ آئی ہوئی ہے۔ (بخاری ۲/ ۹۴۸۔۹۸۸) لیکن سند مختلف اور بعض الفاظ مختلف جس کی بناء پر ہر حدیث نئی کہلائے گی۔ وہی نہیں کہلائے گی۔

بخاری کی آخری حدیث کا درس

تو یہ اس کتاب کی آخری روایت ہے جو آپ کے سامنے پڑھی گئی اور اس پر اس کتاب کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ جہاں تک ختم صحیح البخاری کا تعلق ہے۔ وہ عبارت پڑھنے کے ساتھ حضور ﷺ کے اقوال کے تحت بخاری ختم ہوگئی اور آگے اس کا ترجمہ یا مفہوم بیان کرنے کے ہمارے اپنے الفاظ ہوں گے۔ ورنہ جہاں تک ختم کی فضیلت کا تعلق ہے۔ وہ الفاظ پڑھنے کے ساتھ ختم ہوگئی۔ اب چونکہ ہر ہر مدرسہ میں ختم پر تقریب ہوتی ہے اس روایت پر تقریر ہوتی ہے۔ اس لیے اس میں مباحث ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ صرف اجمال کے طور پر ذکر کرتا ہوں۔ کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے سب سے پہلے ذکر کیا تھا بدء الوحی کو اور اس میں سب سے پہلی روایت نقل کی تھی۔ انما

اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

جس میں تصحیح نیت کی تلقین۔ کی جو کے پورے دین کی بنیاد ہے کہ آگے دینی مسئلہ جو بھی آئے گا حتیٰ کہ ایمان لانا بھی اگر صحیح نیت کے ساتھ ہوگا تو وہ قابل قبول ہے۔ اگر صحیح نیت کے ساتھ نہیں ہوگا تو وہ قابل قبول نہیں ہے۔ آخر منافق بھی نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ کہتے ہیں لیکن اللہ کہتا ہے وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ پڑھتے وہ بھی ہیں نشهد انك لرسول الله جیسا کہ سورة المنافقون میں آیا اِذَا جَاءَ كَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ۔

یہ منافق آپ کے پاس آتے ہیں کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو اللہ کا رسول ہے۔ اللہ کہتا ہے وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ مجھے پتہ ہے کہ تو اللہ کا رسول ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے لیکن وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ۔ اللہ گواہ ہے کہ جھوٹے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو اللہ کا رسول ہے۔ ان کی نیت کی خرابی کی وجہ سے ان کا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ یہ بھی جھوٹ کی فہرست میں آ گیا۔ اس لیے ایمان بھی معتبر تب ہوگا جب نیت صحیح ہوگی اور اگر نیت صحیح نہیں ہوگی تو نہ ایمان قبول ہے نہ کسی قسم کا عمل قبول ہے۔ بنیاد یہیں سے اٹھتی ہے۔ آگے پورا دین تفصیل سے بیان کیا۔ عقائد آ گئے' اعمال آ گئے' سب کچھ آ گیا۔ آخر میں جا کر کتاب التوحید اور پھر آخری باب نقل کیا ہے۔ وزن اعمال کا۔ کیونکہ وزن اعمال آخرت میں جا کر عمل کا نتیجہ نکلنا ہے۔ اخلاص کے ساتھ عمل کیا ہوا گا تو وزن ہوگا اخلاص کے ساتھ عمل نہیں کیا ہوا ہوگا تو وزن نہیں ہوگا۔

اب اس وزن کے بارے میں معتزلہ کیا کہتے ہیں اہل سنت کیا کہتے ہیں۔ یہ ہر جلسے میں ہر جگہ چیزیں بحث میں آتی ہیں۔ ان کو اور زیادہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ بات ضائع جاتی ہے' نہ عمل ضائع جاتا ہے۔ ہر قول' ہر فعل محفوظ ہے اور ان کی محفوظیت آج کل مشاہدہ میں ہے دلائل دینے کی ضرورت ہی نہیں۔ آج کی یہ مجلس اگر

اس کو کوئی محفوظ کرے تو دس سال کے بعد بھی کیسٹ سنے گا تو یہی الفاظ سامنے آ جائیں گے۔ یہی حال سامنے آ جائے گا۔ اگر انسان اللہ کی دی ہوئی عقل کے ساتھ ان سب چیزوں کو محفوظ کر سکتا ہے۔ تو اللہ کی کائنات کے ذرے ذرے میں اثر ہے محفوظ کرنے کا سب کچھ محفوظ ہو گا۔ کن کے اعمال وزن کیے جائیں گے کن کے نہیں کیے جائیں گے۔ نامہ اعمال تولے جائیں گے۔ یا اعمال کی شکل دی جائیں گی اگر اس کو پھیلایا جائے تو بحث لمبی ہو جائے گی لیکن اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

فکرِ آخرت کی ترغیب:

تو وزن اعمال کے تذکرے کے ساتھ گویا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو فکر آخرت کی طرف متوجہ کر دیا ہے۔ اس بات کو ہمیشہ پیش نظر رکھا کرو۔ منہ سے نکلا ہوا کوئی لفظ ضائع نہیں جاتا اور کیا ہوا کام ضائع نہیں جاتا وہ سب محفوظ ہے اور اللہ کے ہاں اس کو میزان میں رکھا جائیگا اور وہاں جا کر اس کا نتیجہ نکلے گا۔ جب آپ یہ بات ذہن میں لائیں گے تو فکر آخرت پیدا ہو گی۔ اور آپ اپنے اقوال اور افعال کا جائزہ لیتے رہیں گے۔ کہ اللہ کے ترازو میں جانے کے بعد یہ ہمارے حق میں جائے گا یا ہمارے خلاف جائے گا۔ تو اس کے ساتھ فکر آخرت پیدا ہوتی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں فکرِ آخرت

صحابہ ان باتوں کو سمجھتے تھے ترمذی میں روایت موجود ہے کہ آدمی آیا۔ بدو آ کر کہتا ہے یا رسول اللہ! میرے پاس غلام ہیں۔ وہ میرے ساتھ خیانت کرتے ہیں میرے ساتھ جھوٹ بولتے ہیں۔ میرے کام خراب کرتے ہیں۔ تو میں ان کو مارتا بھی ہوں۔ اور گالیاں بھی دیتا ہوں۔ تو آخرت میں کیا بنے گا ہمارا۔ تو آپ نے فرمایا کہ کیا بنے گا ان کی خیانت، ان کا جھوٹ، ان کی بددیانتی، وہ بھی لائی جائے گی۔ تیرا ان کو مارنا، تیرا ان کو گالیاں دینا بھی لایا جائے گا۔ دونوں کو وزن کیا جائے گا۔ اگر تو تیرا مارنا کم ہوا ان کی خیانت زیادہ ہوئی تو تیرے فائدے میں جائے گی۔ ان کا نقصان ہو گا۔ اور اگر

تیرا مارنا، گالیاں دینا زیادہ ہوا۔ ان کی خیانت کم ہوئی تو ان کے فائدے میں جائے گا تیرا نقصان ہوگا۔ جب یہ کہا تو ایک طرف ہو کے چیخیں مار مار کر رونے لگ گیا۔ یہ کیسے حساب ہوگا؟ کیسے پتہ چلے گا کہ میں ان پر زیادتی کرتا ہوں یا وہ مجھ پر زیادتی کرتے ہیں۔ یہ فکر آخرت ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس میں کون سی بات ہے تو نے قرآن نہیں پڑھا قرآن کریم میں اللہ نہیں کہتا نضع الموازین القسط۔ یہ ساری روایت آپ نے بیان کی کہ ہم قیامت کے دن انصاف کا ترازو قائم کریں۔ وہ کہتا ہے کہ یارسول اللہ اس سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے آپ گواہ ہو جائیں گے میں نے سارے غلام آزاد کیے (ترمذی ۲/۱۴۹) نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ سیدھا حساب۔

یہ فکر آخرت ہے اس کو فکر آخرت کہتے ہیں کہ جب انسان یہ سوچنے لگ جائے کہ یہ بات میرے حق میں جائے گی یا میرے خلاف جائے گی تو یہ فکر آخرت پھر انسان کی اصلاح کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور آخرت میں جو روایت نقل کی وہ یوں سمجھو کہ اللہ کے ذکر کی تلقین کرتی ہے ذکر اللہ ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ یہ دو کلمے اللہ کو بڑے پیارے ہیں۔ زبان پر ہلکے پھلکے ہیں میزان میں بڑے بھاری ہیں۔ میزان میں بھاری ہیں اس کے ساتھ مدعا ثابت ہوگیا کہ قیامت کے دین چیزیں تولی جائیں گی۔ یہ اگر چہ اقوال کے درجے کے بات ہے لیکن قول اور فعل میں فرق نہیں۔ یہ عدم القائل بفصل والا اصول جو آپ فقہ میں پڑھتے ہیں۔ کہ دونوں میں فصل کا کوئی قائل نہیں ہے۔ جو قول کا وزن مانتا ہے۔ وہ فعل کا بھی مانتا ہے۔ اور جو فعل کا مانتا ہے قول کا بھی مانتا ہے۔ ایسا کوئی نہیں جو کہے کہ قول تو تولا جائے گا۔ فعل نہیں تولا جائے گا اس لیے دونوں میں سے ایک کی دلیل دوسرے کے حق میں بھی دلیل بنتی ہے۔ تو یہاں صرف قول کی دلیل ہے اور یہ فعل کی دلیل بھی ہے۔ یہ بات تولی جائے گی وزن میں رکھی جائی گی۔ تو اس طرح سے یہ روایت جو آگے نقل کی جارہی ہے یہ گویا کہ ترجمۃ الباب کے مطابق ہوگئی۔ ایک مطابقت اس کی قریب ہے ترجمۃ الباب کے ساتھ

اور ایک یہ کتاب التوحید کی آخری روایت ہے تو گویا کہ یہ روایت توحید کو بھی ثابت کرتی ہے۔ توحید کو ثابت کس طرح سے کرتی ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ یہ خلاصہ ہے اس کلمے کا جو حضور نے فرمایا کہ احب الکلام اِلَی اللّٰہِ اَرْبَعٌ۔ اللہ کے نزدیک چار کلمات محبوب ہیں۔ سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ اللہ اکبر۔ (مسلم ۲/ ۲۰۷) اور یہ اللہ کو محبوب ہیں اور ان کی قدر و قیمت کتنی ہے۔ ہم نہیں پہچانتے۔ اللہ کا نبی جانتا ہے ان کلمات کی کیا قدر و قیمت ہے اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ صوفیاء ہمارے اکابر جب کسی کو بیعت کرتے ہیں تو اسی کلمے کی کثرت سے پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں تو سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں۔ لَاَنْ اَقُوْلَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ پوری کائنات جس کے اوپر سورج چمکتا ہے اگر وہ مجھے مل جائے تو مجھے خوشی نہیں۔ جتنا یہ کلمات اللہ مجھے کثرت سے پڑھنے کی توفیق دیدے۔ تو مجھے زیادہ خوشی ہے۔ (مسلم ۲/ ۳۴۵) تو اس کو معمولی نہ سمجھیں۔ سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ یہ کلمہ پوری کائنات کے مقابلہ میں زیادہ وزن رکھتا ہے۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول کو زیادہ محبوب ہے۔ تو اس کا یہ خلاصہ ہے کہ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ سبحان اللہ میں اللہ کی تنزیہ ہے کہ اللہ میں کوئی عیب نہیں۔ جس میں عیب ہو...... وہ الہ نہیں ہوسکتا...... اللہ کی ذات بے عیب ہے تو جس میں کوئی نقص آ جائے اس میں الوہیت نہیں ہوا کرتی۔ تو یہ تنزیہ ہے اور حمد کے اندر اللہ کو موصوف کیا جاتا ہے۔ صفات کمال کے ساتھ۔ کہ ساری کمال کی صفتیں اس میں موجود ہیں یعنی نقص کی کوئی بات نہیں۔ تو بہر موضوع اس ذات کی عظمت ہمارے قلب میں آئے گی۔ اور اس جیسا کوئی دوسرا نہیں ہوگا جس کے سامنے سر جھکائیں۔ اس طرح سے یہ کلمات توحید پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ اور کتاب التوحید کے ساتھ اس کی مناسبت یوں نکل آتی ہے۔ اس کو بھی بہت پھیلایا جاسکتا ہے۔ لیکن اب گنجائش نہیں ہے۔ تو حضرت امام بخاری

عشائیہ نے ذکر کی فضیلت اور ذکر کی طرف متوجہ کیا اخلاص عمل نیت میں آ گیا' فکر آخرت وزن اعمال میں آ گیا' اور خاتمہ جو ہے وہ اللہ کے ذکر پر کر دیا۔ اور سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم اس پر اپنی کتاب کو ختم کر دیا۔ اور اس میں ایک اشارہ بھی ہو سکتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے ہاں جب مجلس کا اختتام ہوتا تھا آپ اٹھنے لگتے تھے تو آپ کچھ الفاظ زبان سے پڑھا کرتے تھے۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ مجلس کے اختتام میں کیا پڑھا کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں پڑھتا ہوں۔ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ یہ پڑھتا ہوں۔ اور فرمایا کہ کفارۃ المجلس ہے۔ کہ اگر اس مجلس کے اندر کسی قسم کی کمی بیشی کوتاہی ہو جائے۔ قول و فعل میں۔ تو یہ کلمہ اس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کمی بیشی کو اس کلمے کی برکت سے معاف فرما دیتے ہیں۔ (نسائی ۱/۱۵۰) بلکہ تفسیر عزیزی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی۔ تیسویں پارے کی تفسیر چھپی ہوئی ہے۔ اور انتیسویں پارے کی تفسیر بھی چھپی ہوئی ہے۔ تیسویں پارے میں جہاں وان علیکم لحافظین کراماً کاتبین۔ کا ذکر آیا ہوا ہے۔ تو وہاں وہ ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ کہ فرشتے دو قسم کے ہیں۔ کاتب حسنات اور کاتب سیئات اور جو کاتب حسنات فرشتہ ہے۔ وہ حاکم ہے کاتب سیئات پر تو جب مجلس میں بیٹھے ہوتے ہیں تو کسی آدمی سے کوئی بات ادھر ادھر کی غلط موقع محل کے خلاف آئے تو کاتب سیئات پوچھتا ہے کاتب حسنات سے کہ میں یہ لکھ لوں۔ تو کاتب حسنات کہتا ہے کہ جلدی نہ کر۔ ابھی نہ لکھ یہ استغفار کر لے۔ (تفسیر قرطبی ۱۷/۱۰)

حضرت حکیم العصر کو مختلف اکابر سے اجازت حدیث:

اور ویسے جس طرح سے ہمارے مشائخ میں اکابر میں در؟ کا اکابر سے اجازت لی جاتی ہے برکت کے طور پر۔ الحمدللہ مجھے میرے وقت کے جتنے بڑے بڑے محدث

موجود تھے۔ سب کی طرف سے دعا اور یہ نسبت حاصل ہے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مجھے تحریراً اجازت دی تھی۔ اور حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مجھے اجازت ہے۔ مولانا رسول خان صاحب سے بھی ہے اور مدینہ منورہ میں حضرت مولانا شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ان سے بھی اجازت ہے۔ اور ہمارے حضرت بہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے جو شیخ الہند سے نسبت رکھنے والے ہیں ان کی طرف سے بھی مجھے اجازت ہے۔ اور موجودہ دور میں آپ حضرات کو متوجہ کرتا ہوں اس نسبت کی طرف جس سے مجھے بھی اجازت ہے۔ لیکن چونکہ خود صاحب اجازت حیات ہیں۔ ان سے مل کر اگر آپ نسبت حاصل کریں گے تو بہت باعث برکت ہوگی۔ حضرت مولانا سرفراز خان صاحب دامت برکاتہم ان کو اجازت ہے حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حسین علی صاحب نے حدیث پڑھی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے گویا کہ حضرت اور حضرت گنگوہی کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے۔ اور یہ سند عالی ہے حضرت حیات ہیں اور جو جاتا ہے اس کو اجازت بھی دیدیتے ہیں۔ تو مجھے بھی ان سے اجازت ہے میں نے دو تین دفعہ ان سے استعادہ بھی کروایا ہے۔ ہمارے ہاں تشریف لائے تھے باب العلوم میں۔ اور مکہ معظمہ میں ملاقات ہوئی میں نے دوبارہ ان سے اجازت لی۔ تو مولانا سرفراز خان صاحب سے بھی اجازت ہے اور ہمارے بہاولپور میں تھے مولانا مفتی فاروق احمد صاحب۔ مولانا صدیق احمد کے صاحبزادے جو حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ تھے۔ یہ مولانا محمد احمد تبلیغ والوں کے والد ان کے پاس سند تھی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی۔ اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سفر کر کے گنج مراد آباد جا کر مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی سے اجازت لے کر آئے تھے۔ اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کو شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت تھی۔ پرانے بزرگوں میں سے تھے تو شاہ عبدالعزیز اور مولانا فضل الرحمان صاحب گنج مراد آبادی۔ اور حکیم الامت اور مولانا فاروق احمد صاحب۔

یہ درمیان میں شاہ عبدالعزیز صاحب کے واسطے آجاتے ہیں۔ سند اس سے بھی زیادہ عالی ہو جاتی ہے۔ تو مفتی فاروق صاحب ؒ نے بھی مجھے تحریراً اجازت دی تھی۔ تو اس طرح سے جو ہمارے وقت کے بزرگ ہیں بڑے بڑے محدث ان سب نے شفقت فرماتے ہوئے مجھے اجازت دی ہے۔ اور یہ محض برکت کے لیے ہوتی ہے ورنہ اصل سند وہی ہے جو جس کو ہم سلسلۃ السند کہتے ہیں۔ اور آپ کے لیے اصل سند وہی ہے جو مولانا اجازت دیں گے اور مولانا نے پڑھی تھی یہ کتاب حضرت مولانا علی محمد ؒ صاحب سے کبیر والہ میں جو مہتمم ہوئے شیخ الحدیث بھی تھے۔ میرے بھی وہ استاذ ہیں میں نے ان سے سنن ابی داؤد پڑھی ہے۔ اور انہوں (مولانا قاسم) نے مجھ سے سنن ابی داؤد پڑھی ہے۔ دارالعلوم کبیر والہ میں اور بخاری انہوں نے مولانا علی محمد صاحب ؒ کے پاس پڑھی ہے اور مولانا علی محمد صاحب نے یہ کتاب سید حسین احمد مدنی ؒ سے دارالعلوم دیو بند میں پڑھی تھی۔ تو یہ نسبت اس طرح ہو جاتی ہے۔ مجھے ان سے بھی اجازت ہے۔ پڑھا بھی ہے میں نے ان سے مسلسل تو حضرت مدنی ؒ سے ہمارا سلسلہ مولانا محمد ابراہیم ؒ صاحب سے جس سے نسائی پڑھی تھی وہ بھی دیو بند کے پڑھے ہوئے تھے۔ تو یہ ساری نسبتیں ہماری حضرت شیخ الہند سے ہوتی ہوئیں حضرت شاہ ولی اللہ تک جاتی ہیں۔ تو ان سب سلسلوں کے ساتھ آپ حضرات کو اجازت دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس نسبت کو میرے لیے بھی باعث سعادت بنائے اور آپ حضرات کے لیے بھی باعث برکت بنائے۔ اپنے اکابر کے ساتھ محبت اور اپنے اکابر کے ساتھ شدت تعلق جتنا بھی رکھو گے۔ اور اس مسلسل سند کی رعایت جتنی کرو گے۔ سرور کائنات ﷺ سے اتنا ہی فیضان اسی سلسلے کے ساتھ پہنچتا ہے۔ حدیث کی سند بھی ہماری مسلسل ہے۔ اور ہمارے اکابر کی تصوف کی سند بھی مسلسل ہے۔ یہ صوفیا کے ہاں جو شجرہ پڑھا جاتا ہے شجرہ یہ سارا کا سارا مسلسل سند ہے۔ تصوف کی سند جو ہے وہ بزرگ دیتے ہیں شجرہ کی شکل میں۔ اور محدثین اور علماء کے اندر یہ طریقہ مروج ہے جس طرح سے میں نے آپ

کے سامنے ذکر کیا۔ اکابر سے تعلق رکھ کر شجرہ بھی حاصل کرو اور علماء سے تعلق رکھ کر جس طرح یہ نسبت حدیث کی حاصل ہوگئی۔ تصوف کی نسبت بھی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اپنے اکابر کے ساتھ اس سلسلے کو مسلسل کرنا چاہیے۔ اللہ ہم سب کو اس کی برکتیں نصیب فرمائے۔ اور مولانا کہتے ہیں کہ تخصص والے پچیس ساتھی وہ بھی ہیں وہ بھی اجازت چاہتے ہیں۔ تو یہی جو میں نے تفصیل ذکر کی ہے۔ اسی تفصیل کے تحت ان تخصص کے ساتھیوں کو بھی میں اجازت دیتا ہوں۔ اللہ قبول فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

عظمتِ قرآن

بمقام: مدرسہ ابوبکر صدیق۔ چوک کمہارا۔ ملتان

بموقع: سالانہ تقریب

تاریخ: اگست ۲۰۰۳ء

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ. وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ.

وقال النبی ﷺ اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَةُ الْقُرْآنِ وَاَصْحَابُ اللَّيْلِ.

(معجم الکبیر ۱۲/۱۲۵، مشکوۃ ۱/۱۱۰)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ. وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ وَعَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

قرآن بے ریب کتاب ہے

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کلام ہے کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں۔ سورہ بقرہ کی پہلی آیت میں ہی یہ دعویٰ کیا گیا ذالك الکتاب لا ریب فیه کہ یہ کتاب ہے اور اس کے اللہ کی جانب سے ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے "اَیْ لَا رَیْبَ فِیْ کَوْنِهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی" اس کے اللہ کے کلام ہونے میں کسی قسم کا شک شبہ نہیں۔ سورۃ بقرہ کی پہلی آیت کی اندر ہی یہ دعویٰ کیا گیا۔

ایک سوال اور جواب

لیکن جس وقت آپ اس بات کو اپنی زبان سے کہیں گے۔ تو سننے والوں کے دماغ میں خواہ مخواہ کا ایک سوال ابھرتا ہے کہ آپ کیسے کہتے ہیں کہ اس کے اللہ کی جانب سے ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے؟ حالانکہ کروڑوں انسان شبہ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب نہیں ہے تو پھر آپ کی یہ بات کیسے صحیح ہے؟

ایک نہیں ہزار نہیں، لاکھ نہیں، کروڑوں آدمی اس بات کو نہیں مانتے اور شبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے۔ تو پھر یہ بات کیسے درست ہوئی۔

اس شبہ کا ازالہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے چند آیتوں کے بعد ایک بات فرمائی "اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ"، یعنی اگر تم شبہ میں پڑے ہوئے ہو، تم شک میں ہو تو اس شک کو اس ترتیب کے ساتھ زائل کر دیجیے..... اگر آپ اس انداز میں سوچیں گے جیسے ہم کہہ رہے ہیں تو وہ شک آپ کا دور ہو جائے گا۔ اس بات کا انکار نہیں کہ تم شک میں پڑے ہوئے ہو لیکن دیکھو کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ بات صحیح ہوتی ہے دماغ کج ہے اس لیے وہ دماغ میں سماتی نہیں اور کبھی بات غلط ہوتی ہے دماغ صحیح ہوتا ہے اس لیے نہیں سماتی۔ سمجھانے کے لیے مثال دوں کہ جیسے ایک ڈنڈا ہے بالکل سیدھا ہے اور ایک نلکی بھی بالکل سیدھی ہو

اور آپ سے کہا جائے اس ڈنڈے کو نلکی میں داخل کرو تو بلا تکلف آپ داخل کر لیں گے۔ کیونکہ ڈنڈا بھی سیدھا ہے اور نلکی بھی سیدھی ہے۔ لیکن اگر ڈنڈا ٹیڑھا ہو نلکی سیدھی ہو تو بھی ڈنڈا اندر نہیں جائے گا۔ اور اگر ڈنڈا سیدھا ہے نلکی ٹیڑھی ہے تو بھی فٹ نہیں آئے گا۔

بالکل اسی طرح اگر کوئی آدمی کہے دو دونی چار اور ایک شخص کہتا ہے میری تو سمجھ میں نہیں آتی کہ دو دونی چار ہوتے ہیں۔ آپ کہیں گے بات صحیح ہے تیرا دماغ ٹھیک نہیں۔ بات میں شبہ نہیں کہ دو دونی چار ہوتا ہے لیکن اگر تیری سمجھ میں نہیں آتی تو تیری سمجھ خراب ہے۔ اور اگر کوئی کہے دو دونی پانچ اور ایک آدمی کہے کہ میری تو سمجھ میں نہیں آتی کہ دو دونی پانچ ہوتے ہیں۔ تو جس کو یہ سمجھ میں نہیں آتی اس کا دماغ صحیح ہے بات غلط ہے۔ اسی طرح سے یہاں دیکھ لیجیے قرآن کریم اللہ کا کلام ہے یہ بات بالکل صحیح ہے تم شک میں پڑے ہوئے ہو تو تمہارے دماغ میں کجی ہے اور اس کو ایک طریقے کے ساتھ اگر سیدھا کرنا چاہو۔ تو تمہارا دماغ سیدھا ہو سکتا ہے۔ پھر یہ بات بالکل دماغ میں فٹ آ جائے گی۔ وہ کیا ہے کہ آپ اس مخلوق کے اندر غور کریں۔

انسانی اور خدائی مصنوعات میں بنیادی فرق

دنیا کے اندر جتنی چیزیں موجود ہیں۔ اس کائنات میں جو چیزیں مشاہدے میں آتی ہیں۔ وہ دو قسم کی ہیں ایک قسم وہ ہے جو انسان کی بنائی ہوئی ہے۔ چھوٹی سے لے کر بڑی چیز تک جس میں انسان کی کارگری کا' اس کی صنعت کا' اس کے فن کا دخل ہو۔ اس چیز کی نقل اتارنا آسان ہے۔ اور دوسرا آدمی اس سے بڑھ کے بھی اس چیز کو بنا سکتا ہے۔ کوئی مثال آپ نہیں دے سکتے کہ بنائی ہوئی ہو انسان کی اور وہ کہے کہ اس جیسی کوئی آدمی نہیں بنا سکتا۔

- ایک کمپنی کار بناتی ہے...... دوسری اس سے اچھی بنا لیتی ہے۔
- ایک کمپنی جہاز بناتی ہے...... دوسری کمپنی اس سے اچھا بنا لیتی ہے۔

- ایک کمپنی نے رائفل بنائی...... دوسری نے اس سے زیادہ قوت کی بنالی۔
- کسی نے میزائل بنایا' ...... دوسرے نے اس سے اچھا بنالیا۔
- کسی نے بم بنایا' ...... دوسرے نے اس سے اچھا بنالیا۔

ایک مستری عمارت کتنی خوش نما بنالے لیکن دوسرا مستری اس سے نقل اتار کر اس سے اچھی بھی بنا سکتا ہے۔ چھوٹی چیز سے لے کر بڑی چیز تک آپ غور کرتے چلے جائیں۔ جس چیز میں انسان کی صنعت کا دخل ہو اس کی نقل اتاری جاسکتی ہے وہ انسان کی قدرت میں ہے۔

- ایک مل کپڑا بناتی ہے' ...... دوسری اس سے اچھا بنالیتی ہے۔
- ایک دواساز ادارہ ایک دوا بناتا ہے' ...... دوسرا اس سے اچھی دوا بنالیتا ہے۔
- مقابلہ آپس میں جاری ہے۔ ...... اس مقابلے میں ترقی ہوتی ہے۔

لیکن بعض چیزیں ہمارے سامنے ایسی ہیں جو انسان کی بنائی ہوئی نہیں تو ان کی نقل بھی کوئی نہیں اتار سکتا۔ سورج کسی انسان نے نہیں بنایا یہ براہ راست اللہ نے بنایا ہے اگر کوئی شخص چاہے کہ میں اس کی نقل اتار کر ایسا ہی ایک سورج بنا دوں۔ تو آپ جانتے ہیں کہ ساری دنیا اکھٹی ہو جائے' بڑے بڑے سائنسدان' بڑے بڑے صنعت کار جتنے بھی اکھٹے ہو جائیں اس سورج جیسا دوسرا سورج نہیں بنا سکتے۔ یہاں آ کے ان کو اپنے عجز کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ اور یہ علامت ہے اس بات کی کہ سورج کے بنانے میں انسان کی صنعت کا دخل نہیں ہے۔

چاند آپ دیکھتے ہیں۔ چاند کی کوئی نقل اتارنا چاہے۔ ساری دنیا کے سائنسدان' اور ساری دنیا کے صنعت کار' ساری دنیا کے فنکار اکھٹے ہو جائیں اور کہیں کہ ہم اس جیسا دوسرا چاند بنا کے آسمان پہ چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح سے گردش کرے گا جیسے یہ کرتا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے اور یہ علامت ہے اس بات کی کہ اس چاند میں انسان کی صنعت کا دخل نہیں۔ یہ براہ راست اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ انسان اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

اس زمین جیسی کوئی زمین بنانا چاہے، ان پہاڑوں جیسے کوئی پہاڑ بنانا چاہے تو نقل نہیں اتار سکتا۔ تو یہ ضابطہ آپ کی سمجھ میں آ جائے گا۔ استقراء کے اصول سے جو منطق میں آپ پڑھتے ہیں استقرائی قیاس۔ تو اس استقراء سے آپ کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ ہمارے سامنے جو چیز بھی ہے۔ اگر تو انسان کی بنائی ہوئی ہے تو اس کے متعلق کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ایسی چیز کوئی نہیں بنا سکتا بلکہ جو انسان کی بنائی ہو بلکہ اس کی نقل دوسرا انسان اتار سکتا ہے اور اس کے لیے یہ ناممکن نہیں ہے۔ اور بعض چیزیں ایسی ہیں جو انسان کی بنائی ہوئی نہیں ہیں۔ تو اس کی نقل بھی نہیں اتاری جا سکتی۔ یوں کہہ لو کہ جس کی نقل نہ اتاری جا سکے وہ انسان کی بنائی ہوئی نہیں اور جس کی نقل اتاری جا سکے یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ انسانوں کی بنائی ہوئی ہے۔

کفار کو کھلم کھلا چیلنج

اب یہ اصول نکل آیا تو اللہ تعالیٰ نے یہی اصول بتایا کہ اگر تم شبہ میں پڑے ہوئے ہو تو بات تو بلاشبہ صحیح ہے۔ بات کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن اگر تم شک میں پڑے ہوئے ہو تو یوں سوچو تو تمہارا شک دور ہو جائے گا کہ اس کلام پاک کا تم مقابلہ کرنے کے لیے آ جاؤ۔

- ایک جگہ چیلنج ہے کہ اس کتاب جیسی کوئی کتاب لے آؤ۔
- ایک جگہ چیلنج ہے کہ اس کی دس سورتوں کے برابر دس سورتیں بنا کے لے آؤ۔
- دو جگہ چیلنج ہے کہ اس کی سورتوں جیسی ایک سورت بنا کے لے آؤ تو کل چار جگہ قرآن کریم کے اندر یہ چیلنج ہے۔ اگر تم یہ کر لو تو یہ علامت ہوگی کہ یہ انسان کی بنائی ہوئی کلام ہے یہ اللہ کی براہ راست بنائی ہوئی نہیں ہے اور یہ دلیل بن جائے گی۔ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے وَلَنْ تَفْعَلُوْا اور کرو گے بھی نہیں۔ چودہ سو سال پہلے سے یہ اعلان گونج رہا ہے اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک گونجتا

رہے گا۔ آج تک یہ چیلنج کسی نے قبول نہیں کیا جس کے مقابلے میں پوری دنیا اس کتاب کی مثل لانے سے عاجز ہے تو کیا یہ دلیل اس شبہ کو دور کرنے کے لیے کافی نہیں ہے کہ یہ بلاشک شبہ اللہ کی کلام ہے؟ بہت سادے طریقے سے جو فطرت کے عین مطابق ہے اس دلیل کے ساتھ اللہ نے اس دعوے کو ثابت کیا ذالك الكتاب لاريب فيه۔

تو یہ متعین ہوگیا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ شبہ دور ہوگیا۔ کوئی گھر بیٹھ کے اندر بیٹھ کے بات نہیں۔ ریڈیو پہ ساری دنیا میں گونجتی ہے۔ اور اب تو کائنات کا کوئی کونہ ہے ہی نہیں جہاں یہ کتاب نہ سنی جاتی ہو۔ پورے طریقے سے پڑھی جارہی ہے' علی الاعلان پڑھی جارہی ہے' برملا پڑھی جارہی ہے' ہر زبان میں ترجمہ ہو کے بیان کیا جارہا ہے' اس لیے کوئی آدمی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے پتہ نہیں۔ اگر مجھے پتہ چل جاتا تو میں اس کے چیلنج کو قبول کر لیتا۔ یہ بات بھی کسی کی زبان پر نہیں آسکتی۔

اس لیے بلاشبہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ یہ اللہ کی جانب سے آئی ہے۔ جب یہ اللہ کی جانب سے آئی تو اب اس کے آگے دو رخ ہیں۔ ایک رخ تو اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عقل سے' ہمارے فہم سے' ہمارے حواس سے' آنکھوں سے' کانوں سے' ہمارے مس کرنے سے ہر چیز سے ماوراء ہے۔ نہ ہماری عقل وہاں تک پہنچتی ہے' نہ ہمارا قیاس وہاں تک پہنچتا ہے۔ نہ ہم آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں' نہ براہ راست کان سے سن سکتے ہیں' نہ چھو کے اس کو معلوم کر سکتے ہیں۔

تو اللہ ہمارے ان تمام احساسات سے وراء ہے۔ سُلّم کے اندر آپ پہلا سبق یہی پڑھتے ہیں سُبْحَانَهٗ مَا اَعْظَمَ شَانَهٗ لَا يُحَدُّ وَلَا يُتَصَوَّرُ (اب تو یہ پڑھنی چھوڑ دی گئی) مخلوق اپنے خالق کو کیسے پہچانے۔

رب کی کلام رب کی معرفت کا بنیادی ذریعہ

جب وہ نہ عقل کی گرفت میں آتا ہے' نہ آنکھ کی گرفت میں آتا ہے' نہ کان کی

گرفت میں آتا ہے۔ تو ہم خالق کو کیسے پہچانیں تو ایک ؟ خالق کو پہچاننے کے لیے ذریعہ اس کی کلام ہے۔ اس کے علاوہ خالق کو پہچانا نہیں جاسکتا، ممکن ہی نہیں اس لیے مولانا رومی کہتے ہیں:

چیست قرآن اے کلام حق شناس
رونما رب ناس آمد بناس

قرآن کیا چیز ہے۔ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ اللہ کا تعارف کرانے کے لیے لوگوں کے سامنے کتاب آئی ہے۔ اللہ کے لیے رونما ہے یعنی اللہ کا تعارف کرانے والی ہے۔ رونما کا لفظی معنی تو ہے یہ اللہ کا چہرہ دکھانے کے لیے ایک آئینہ ہے۔ کہ اگر تم اللہ کو دیکھنا چاہتے ہو تو اس کتاب میں دیکھ لو۔ یہ اللہ کے لیے رونما ہے اور یہ رونما انسانوں کے پاس آ گیا۔

لیکن اس بات کو ذرا تھوڑا سا اور سادے الفاظ میں سمجھا دوں کہ انسان کی کلام جو ہوا کرتی ہے وہ انسان کے باطنی جذبات جو چھپے ہوئے ہوتے ہیں ان کے ظاہر کرنے کا ذریعہ ہے جیسے شیخ سعدی کہتے ہیں:

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

جب تک انسان نے بات نہ کی ہو تو اس کے عیب بھی چھپے رہتے ہیں، ہنر بھی چھپے رہتے ہیں انسان بولتا ہے تو اس کی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں کہ اس کے اندر کیا جذبات چھپے ہوئے ہیں۔ باطن کو نمایاں کرنے کا طریقہ صرف کلام ہے۔ کلام کے ساتھ انسان کے باطنی جذبات کا پتہ چلا کرتا ہے۔

کلام کی اہمیت پر تاریخی دلچسپ واقعہ

تاریخی کتابوں میں آتا ہے اور حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وعظ میں بھی ذکر کیا ہوا ہے (اس کی تفہیم کے لیے یہ بات عرض کر رہا ہوں) کہ ہندوستان کی

مغلیہ حکومت کے ایران کی حکومت کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے۔ اگر آپ لوگوں نے تاریخ پڑھی ہے یا سنی ہے تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ہمایوں تو بھاگ گیا تھا یہاں چھوڑ کے۔ شیر شاہ نے اس کو شکست دے دی تھی۔ اور دوبارہ ایرانی حکومت کی مدد سے ہندوستان میں آ کے اس نے بادشاہت سنبھالی تھی۔

اس لیے مغلیہ خاندان ایران کی حکومت کا بہت ہی زیر احسان تھا۔ تو آپس میں ان کے بڑے تعلقات تھے۔ وہ شعر و شاعری کا زمانہ بھی تھا درباری شاعر بھی ہوتے تھے اور دل بہلانے کے لیے یہ محفلیں، مجلسیں لگتی تھیں۔ تو ایران کے بادشاہ کی زبان پر ایک فقرہ جاری ہو گیا کہ:

دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود

جس کا لفظی معنی یہ بنتا ہے چت کبری موتی کسی نے شاید ہی موجود دیکھا ہو گا۔ اب ایک مصرعہ تو زبان سے نکل گیا اس نے اپنے درباری شاعروں سے کہا کہ اس کے اوپر دوسرا مصرعہ لگاؤ تا کہ یہ کام کا شعر بن جائے۔ کہتے ہیں ایران کے شاعر ایسا کوئی کام کا مصرعہ دوسرا اس کے ساتھ نہ جوڑ سکے۔ تو انہوں نے اپنے اس فقرے کو ہندوستان میں بھیجا اورنگزیب کا زمانہ تھا۔ اور کہا کہ اپنے شاعروں سے کہہ کے یہ شعر مکمل کرواؤ میری زبان سے ایک فقرہ نکلا ہے۔ کہیں ایسے بے کار نہ جائے اس کے ساتھ دوسرا مصرعہ جوڑ دیا جائے تا کہ شعر مکمل ہو جائے۔

کہتے ہیں اورنگزیب کی بہن تھی زیب النساء اور وہ بھی شاعرہ تھی۔ اس تک بھی یہ فقرہ پہنچ گیا۔ جب اس تک یہ فقرہ پہنچا تو جیسے عورتوں کی عادت ہوتی ہے۔ اپنا منہ وغیرہ دھو کے سرمہ لگانے کے لیے بیٹھی۔ آئینے کے سامنے تو جب اس نے سرمہ اپنی آنکھ میں لگایا اور آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا جیسے سرمہ لگائیں تو ذرا سا چبھتا ہے تو پانی ٹپکتا ہے۔ اور وہ جو آنسو ٹپکا اس میں کچھ پانی کی سفیدی تھی اور کچھ سرمہ کی سیاہی تھی تو اس کا ذہن فوراً اس مصرعے کی طرف منتقل ہو گیا اس نے شعر پورا کر دیا۔ کہنے لگی

دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود
مگر اشکِ بُتاں سُرمہ آلود

یعنی محبوب کا آنسو جس میں سرمہ کی ملاوٹ ہو۔ وہ درابلق کی مثال ہے۔ اب شعر پورا ہوگیا۔ اب اورنگزیب کو خوشی ہوئی کہ جس کو ایرانی شاعر پورا نہ کر سکے۔ ہندوستان کی ایک شاعرہ نے اس کو پورا کر دیا اور لکھ کر بھیج دیا۔ تو وہ بادشاہ بہت خوش ہوا کہ میری زبان سے نکلا ہوا وہ فقرہ بے کار نہیں گیا۔ بلکہ وہ شعر پورا بن گیا۔ اس نے اورنگزیب کو لکھا کہ اس شاعر کو جس نے یہ فقرہ پورا کیا ہے۔ میرے پاس بھیجو تا کہ میں اس کو انعامات سے نوازوں۔

اب اورنگزیب کو فکر ہوئی کہ اپنی بہن کو کیسے بھیجوں؟ تو اس نے اپنی بہن سے کہا کہ تو نے اچھی شاعری کی ہے۔ اب یہ مطالبہ آ گیا بتا میں کیا کروں؟

تو وہ کہنے لگی کوئی بات نہیں میرا ایک شعر بھیج دو وہ خود ہی سمجھ جائیں گے خود ہی۔ تو اس نے شعر کہا ہے:

دَرْ سخن مخفی مَنَم چوں بُوئے گل در برگ گل
ہَر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مُرا

میں اپنی کلام کے اندر چھپی ہوئی ہوں۔ جیسے گلاب کی پتی کے اندر اس کی خوشبو چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ جس کو مجھے دیکھنے کا شوق ہے۔ وہ میری کلام کو دیکھے تو میں سمجھ میں آ جاؤں گی۔ جب دیکھو گے پتہ چل جائے گا کہ عورت ہے۔ تو اس شعر کو اس نمونے میں پیش کیا جا سکتا ہے کہ متکلم اپنی کلام میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اب اگر آپ اللہ کو پہچاننا چاہیں تو اس کی کلام کے علاوہ ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ اللہ کو پہچاننے کا کہ اللہ کی ذات کیا ہے' اس کی صفات کیا ہیں' اس کے افعال کیا ہیں۔ اس کی قدرت کیسی ہے' اس کا علم کیا ہے' عقل کے ساتھ کوئی شخص سوچ کے نہیں بتا سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا تعارف ہوتا ہے تو اس کی کتاب کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ اس لیے ایک شان تو

قرآن کریم کی یہ پہلو ہے کہ یہ اللہ کی معرفت کا ذریعہ ہے۔ معرفت اللہ کی وہی صحیح ہے جو قرآن کے ذریعے سمجھ آئے اور قرآن کے آئینے کے طور پر ہو۔ اگر اس کلام کا واسطہ درمیان میں چھوڑ دیا جائے تو اللہ کو پہچانا نہیں جاسکتا۔ تو یہ اللہ کے لیے رونما ہے۔

ہر مشینری کے ساتھ گائیڈ بک

اور قرآن کریم کا ایک دوسرا پہلو ہے۔ اس دوسرے پہلو کو آپ یوں سمجھ لیجیے کہ آج صنعت کا دور ہے۔ (سادی سی بات سمجھانے کے لیے عرض کرتا ہوں۔) کہ آج صنعتی دور ہے۔ نئی سے نئی مشینریاں بن کے آرہی ہیں۔ آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ جب بھی ہم کوئی نئی چیز خریدیں۔ مشین کی شکل کی۔ تو اس کے ساتھ کارخانے والے ایک لٹریچر بھیجا کرتے ہیں' کاپی ساتھ ہوتی ہے۔ حتی کہ قیمتی گھڑی بھی آپ خریدیں گے تو اس کے ساتھ بھی کاپی ہوگی۔ اور اس کاپی کا کیا مطلب ہوتا ہے کہ اس چیز کو آپ نے ویسے استعمال کرنا ہے جیسے اس میں لکھا ہوا ہے۔ اور اگر کسی جگہ کوئی گڑ بڑ ہو جائے تو اس کو دور کرنے کا یہ طریقہ ہے۔

اس لیے آج کی اصطلاح میں اس لٹریچر کو یا اس کاپی کو گائیڈ بک کہتے ہیں یعنی راہنما کتاب' اس مشینری کے بارے میں وہ راہنمائی مہیا کرتی ہے۔ اس لیے جب ہم کوئی نئی چیز' مثلاً پچھلے دنوں میری شوگر کی مشین' خراب ہوگئی میں نے دکان پر بھیجی۔ تو ان کا فوراً مطالبہ آیا کہ اس کے ساتھ اگر کوئی کتاب ہے تو بھیجو۔ تب تو ہم اس کو سمجھ سکیں گے ورنہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ تو کتاب بھیجو۔ اس کو ہم پڑھیں گے۔ تو اندازہ ہوگا کہ خرابی کیا ہو سکتی ہے اور اگر ہو جائے تو اس کو دور کرنے کیا طریقہ ہے۔

تو جو مشینری بھی آپ خریدیں گے اس کے ساتھ جو لٹریچر آتا ہے وہ اس کی راہنمائی کے لیے ہوتا ہے۔ اس کو گائیڈ بک کہتے ہیں۔ جو ماہر ہوتا ہے وہ اس کتاب کو پڑھتا ہے اور اس کے مطابق مشین کو استعمال کرنے کا طریقہ بتاتا ہے۔

اور اگر اس میں کوئی کسی قسم کی گڑ بڑ ہو جائے تو اس کتاب کی روشنی میں اس کو

ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس نے مشین بنائی ہے۔ اس کی حقیقت کو وہی زیادہ سمجھتا ہے۔ وہی لکھ کے بھیجے گا۔ اس کی راہنمائی میں یہ مشین استعمال کی جائے گی تو فائدہ ہوگا۔ اگر اس کی راہنمائی کی بغیر آپ اس بگڑی ہوئی مشین کو ٹھیک کرنا چاہیں تو ٹھیک نہیں کر سکتے۔ استعمال کرنا چاہیں تو استعمال نہیں کر سکتے۔

انسانی مشینری کی گائیڈ بک

تو آخر اللہ نے جو یہ مشین انسان والی بنائی ہے۔ اب اگر اس پر بحث شروع کی جائے کہ سر کے بالوں سے لے کے پاؤں کے ناخنوں تک اس کے اندر کتنے پرزے ہیں اور ان کو اللہ تعالٰی نے کس طرح سے بنایا ہے۔ اور کیسے کیسے جوڑا ہے تو الا یعلم من خلق۔ کیا اللہ کو نہیں پتا جس نے بنایا ہے۔ **وھو اللطیف الخبیر**۔ وہ تو سب کچھ جانتا ہے اس لیے تم اپنی بات چھپا کے کرو یا ظاہر کر کے کرو سب کچھ جانتا ہے۔

اس لیے اللہ نے جہاں یہ مشین بنائی تو اس مشین کے ساتھ اپنی کتاب کو لٹریچر بنا کر بھیجا۔ اور اس کے لیے کامل نمونہ اور پوری مہارت رکھنے والے بھیجے۔ وہ ہیں انبیاء علیہم السلام کی جماعت' اس لیے مطالبہ یہ ہے۔ کہ ایسے بنو جیسے یہ کتاب بتاتی ہے۔ اور اگر تمہارے اندر کوئی نقص پیدا ہو جائے تو اس کے زائل کرنے کا طریقہ بھی یہی کتاب بتائے گی۔ اور یہ اس کے ماہرین ہیں جو اس سے راہنمائی لے کر تمہاری راہنمائی کریں گے۔ یہ سلسلہ سارے کا سارا انبیاء کا اور علماء کا اس لیے ہے کہ یہ کتاب پڑھو۔ پڑھنے کے بعد عمل کرو۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ایک صحابی نے کہ یَا اُمَّ اَنْبِئِنِی عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ'' اماں! مجھے بتاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق کیسا تھا؟'' انہوں نے کہا کہ تو قرآن نہیں پڑھتا؟ **کان خلقه** ''حضور کا خلق تو قرآن تھا۔ (مسلم ۱/۲۵۵) کیا مطلب؟ کہ اول سے لے کے قرآن کو پڑھو۔ قرآن جو مطالبہ کرتا

ہے کہ انسان ایسا ہونا چاہیے۔ اس کا ظاہر ایسا ہو‘ اس کا باطن ایسا ہو‘ اس کے خیالات ایسے ہوں‘ اس کے جذبات ایسے ہوں۔ قرآن جس قسم کا مطالبہ کرتا ہے رسول اللہ ﷺ ویسے ہی تھے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ کتاب لفظی قرآن ہے اور سرور کائنات ﷺ کے پورے کا پورا وجود ظاہر اور باطن کے اعتبار سے ایک عملی قرآن ہے۔

تو جیسے قرآن چاہتا ہے کہ انسان کو ایسا ہونا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ ایسی تھی۔ اور انسان سے مطالبہ یہی ہے کہ وہ ایسا ہی بن کے رہے۔ لہٰذا اس کتاب کو پڑھو اور اس کے مطابق اپنے ظاہر کو بناؤ۔ اور اس کے مطابق اپنے باطن کو بناؤ اور اگر تمہارے اندر کوئی روحانی بیماری آ گئی یا کوئی کجی پیدا ہوگئی۔ تو یہی کتاب اس کا علاج بتائے گی۔ اور اس کے ماہرین سے پوچھو وہ تمہیں اسی کتاب سے اس کا علاج نکال کے بتائیں گے۔ آپ اس کے مطابق عمل کرو گے تو آپ کو صحت حاصل ہو جائے گی۔ اس لیے یہ دوسرا رخ ہے کہ انسان کی تکمیل بھی اگر ہو سکتی ہے تو اسی کتاب کے ذریعے سے ہو سکتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا تعارف ہو سکتا ہے تو اسی کتاب کے ذریعے سے ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں پہلو آپ کے سامنے رکھ دیے ہیں اب جتنی چاہو تفصیل کر لو۔ یہ ایک عنوان میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے۔ کہ قرآن انسان کی اصلاح کا باعث بھی ہے تکمیل کا باعث بھی ہے اور رب الناس کے تعارف کا باعث بھی ہے اس سے بڑھ کے اس کتاب کے حیثیت اور آپ کیا دیکھنا چاہتے ہیں۔

قرآن والے امت کے شرفاء

اب رہا اس کے پڑھنے والے اور اس کے پڑھانے والے جو اس شعبے میں لگے ہوئے ہیں ان کے بارے میں سرور کائنات ﷺ کہتے ہیں اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَۃُ الْقُرْآنِ. میری امت کے شرفاء (دنیا کے اندر شرافت مال کے ساتھ‘ دولت کے ساتھ‘ جائیداد کے ساتھ ہوتی ہے۔ جیسے جب ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ اشراف لوگ اس کے پیروکار ہیں یا ضعفاء؟ تو انہوں نے کہا ضعفاء۔ ضعفاء ان کو کہتے ہیں جن

کو دنیا کے اسباب حاصل نہ ہوں۔ اور اشراف ان کو کہتے ہیں جن کو دنیا کے اسباب حاصل ہیں تو وہ تو اشراف بنتے ہیں اقتدار کے ساتھ' دولت کے ساتھ) لیکن حضور ﷺ فرماتے ہیں میری امت کے اشراف وہ ہیں جو قرآن کے حامل ہیں۔ قرآن پڑھتے ہیں' قرآن یاد کرتے ہیں' قرآن کو سمجھتے ہیں' قرآن سمجھاتے ہیں' یہ ہیں حملۃ القرآن' اور اس کے ساتھ دوسرا گروہ ذکر کیا۔ واصحاب اللیل اور وہ لوگ جو راتوں والے ہیں یعنی جب ساری دنیا غافل ہو کے سوئی ہوتی ہے۔ وہ اٹھ کے اللہ کے سامنے کھڑے ہو کے اللہ کا قرآن پڑھتے ہیں' اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ تو اصحاب اللیل اور حملۃ القرآن یہ میری امت کے اشراف ہیں۔

مدارس والے امت میں جڑ کی طرح ہیں

آخری بات! کہ درجہ تو اتنا اونچا کہ اللہ کی رونما کتاب بھی آپ کے پاس اور انسان کی تکمیل کے لیے جو کتاب ہے وہ بھی آپ کے پاس۔ لیکن بظاہر دیکھنے میں دنیا کے اندر دنیوی اسباب سے بظاہر یہ طبقہ محروم نظر آتا ہے۔ غریب ہیں' چٹائیوں پہ بیٹھنے والے ہیں' پرانے کپڑے ہیں اور مدرسے میلے کچیلے ہیں۔ اس وقت اس دنیا کے اندر یوں سمجھا جاتا ہے کہ یہ طبقہ دنیا کے عیش و عشرت اور دوسری چیزوں سے محروم ہے۔ اور اسی چیز کو دیکھ کے بسا اوقات ہم لوگ بھی دل چھوڑ دیتے ہیں کہ کس رستے پہ پڑ گئے۔ انگریزی پڑھتے' ملازمت ملتی' کوئی عہدہ ملتا۔ یا کوئی اور ہم کام کرتے تو یوں ہو جاتے۔ تو ہمارے دماغوں میں بھی یہ خیالات آنے لگ جاتے ہیں۔

لیکن یاد رکھیے! امت مسلمہ کے لیے آپ حضرات کی حیثیت کیا ہے۔ اگر اس کو آپ سمجھنا چاہیں تو اس مثال کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں کہ یہاں سب آپ کے اردگرد باغات نظر آتے ہیں' خوبصورت قسم کے پھولوں والے پودے نظر آتے ہیں' پھلوں والے درخت آپ کو نظر آتے ہیں۔ بڑی ان کی بہار ہوتی ہے۔ لیکن آپ کو یہ نہیں معلوم کہ ان کی ساری بہار اور ان سب سے فائدہ جو ہم اٹھاتے ہیں۔ یہ برکت ہے اس

جڑ کی جو زمین کے اندر دھنسی ہوئی ہے۔

وہ میلی کچیلی ہوتی ہے لیکن بہار اسی کی برکت سے ہے۔ اگر وہ نکل کے اوپر آجائے کہ مجھے بھی شوق ہے ہوا کھانے کا تو کیا پھر وہ پھولوں کی بہار رہ جائے گی؟ اور یہ پھلوں کے ڈھیر آپ کے سامنے آجائیں گے؟ نہیں اس کا منصب یہی ہے کہ زمین کے اندر دھنس کے رہے۔ تب جا کے یہ بہار دنیا کے اندر آئے گی۔

بالکل اسی طرح سے قرآن کریم کے حاملین اس امت کے لیے جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ساری کی ساری امت کے اندر بہار جتنی بھی ہے اسی کتاب کی برکت سے ہے۔ جو اس کتاب کو پڑھتے ہیں، پڑھاتے ہیں، باقی رکھتے ہیں، جب تک قرآن باقی اسلام باقی ہے۔ اسلام باقی ہے تو مسلمان باقی ہے۔ تو مسلمانوں کی زندگی کیا بلکہ پوری دنیا کی زندگی اس پر منحصر ہے۔ جب اللہ کا نام باقی ہے تو دنیا باقی ہے۔ اور اللہ کا نام باقی رکھنے والی یہی کتاب ہے۔ جس دن اللہ کا نام ختم ہو جائے گا...... دنیا ہی ختم ہو جائے گی۔ یوں سمجھو کہ جڑ اکھڑ گئی۔

اس لیے اپنے میلے کچیلے ہونے پر...... یا اپنے غریب ہونے پر...... یا ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں رہنے پر آپ کبھی بھی اس افسوس میں مبتلا نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس امت کے لیے بنیادی حیثیت دی ہے۔

اپنی اس حیثیت کو سمجھتے ہوئے اپنی حیثیت کی قدر کی جائے۔ اور خوب اچھی طرح سے اس پہ محنت کیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کا مقام بہت رکھا ہے۔ یہ آپ کو پتہ چلے گا جس وقت دوسرے جہان میں اللہ تعالیٰ سارے کے سارے معاملات باطن ظاہر پر غالب کر کے نمایاں کر دیں گے۔ آپ کو اپنی حیثیت کا پتہ اس وقت چلے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کتاب کی اور اس علم کی قدر کرنے کی توفیق دے۔ اور اس کو اچھی طرح سے اپنانے کی توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

سب سے اعلیٰ خدمت خلق

بمقام: جامعہ مفتاح العلوم۔ سرگودھا

بموقع: تقریب افتتاح بخاری شریف

تاریخ: شوال۔ ۱۴۲۴ھ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ. وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

اَمَّا بَعْدُ

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اَللّٰهُ اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِيْ آدَمَ ثُمَّ اَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِيْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَ.

(مشکوۃ ۱/۳۷)

عن انس و عبدالله رضی اللہ عنہما قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ.

(مشکوۃ ۱/۴۲۵، مسند ابی یعلی ۶/۶۵)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ. وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ وَعَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ. اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

مفتاح العلوم میں دورۂ حدیث کی خواہش

غالباً آپ میں سے بہت سارے لوگوں کو یہ بات یاد ہوگی اور طلباء کو تو یقیناً یاد ہوگی کہ اس شعبان سے پچھلے شعبان میں جو تعلیمی سال کا اختتام تھا یہی جلسہ تھا اور مشکوٰۃ المصابیح کا ختم تھا اور مجھے یہ موقع دیا گیا تھا کہ میں مشکوٰۃ المصابیح کا آخری سبق پڑھاؤں۔ تو میں نے جب طلباء کی رونق دیکھی تھی اور مدرسہ کے ماحول کو دیکھا تھا تو اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اس مدرسہ میں دورہ حدیث شریف ہونا چاہیے۔ آپ حضرات کو یاد ہوگا۔ صرف خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ اپنے محترم دوست مولانا طاہر مسعود صاحب کی خدمت میں درخواست بھی کی تھی کہ آپ شروع کروائیں۔ کیونکہ علاقہ سارا خالی ہے اور حدیث شریف کا دورہ بہت باعث برکت ہے۔ درس نظامی کی تکمیل اس سے ہوتی ہے تو یہ بہت خوشی کی بات ہوگی کہ اس مدرسہ میں یہ آخری درجہ بھی شروع کر دیا جائے۔ الحمدللہ گزشتہ سال کے دوران میں (جو ہمارا تعلیمی سال ہے وہ شوال سے شروع ہوتا ہے۔ اور رجب کے آخر میں ختم ہوتا ہے) تو سال کے دوران میں مجھے مولانا طاہر مسعود صاحب نے اطلاع دی کہ جیسے آپ نے مشورہ دیا تھا ہم نے اور بھی اپنے اکابر سے مشورہ کیا ہے اور ہم نے اب ارادہ کر لیا ہے کہ ہم دورہ حدیث شریف شروع کریں گے اور جیسے آپ نے مشورے کی ابتداء کی ہے تو آپ نے ہی آ کے اس سال کی ابتداء کرنی ہوگی تو میں نے وعدہ کر لیا تھا۔ الحمد للہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج وہ دن دیکھنا نصیب ہو رہا ہے کہ اس مدرسہ میں حدیث شریف کے دورے کی ابتداء کی جا رہی ہے۔

بخاری شریف کی اہمیت و تعارف

اور دورہ حدیث شریف میں ہمارے ہاں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ اہم کتاب امام بخاری رحمہ اللہ کی صحیح البخاری ہے جو اس وقت طلباء

اپنے سامنے لیے بیٹھے ہیں۔ علماء کے اندر یہ بات مشہور ہے اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری۔ ذخیرہ حدیث میں سب کتابوں کے مقابلہ میں صحت کے لحاظ سے امام بخاری رحمہ اللہ کی اس بخاری کو فوقیت حاصل ہے۔ کتب حدیث میں سب سے زیادہ اہم اور بڑی کتاب یہی سمجھی جاتی ہے۔ آج شیخ الاسلام مولانا محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم تشریف لا رہے ہیں۔ وہ پہلا سبق پڑھائیں گے اور پڑھانے کے ساتھ اس تعلیمی سال کا آغاز ہو جائے گا اور سارا شہر اس بات کا مستحق ہے کہ ہم ان کو مبارک باد دیں۔ کہ اس شہر میں صبح و شام رات دن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا تکرار ہو گا اور اللہ کی رحمت کا نزول ہو گا۔ یہ بہت بڑا خوشی کا موقع ہے۔ تشریف لانے والے ہیں وہ حضرات ابھی آپ کے سامنے آ جائیں گے۔

صفات الٰہیہ کی بے مثال وضاحت

ان کے آنے سے پہلے میں ذرا تھوڑا سا اس علم دین کی اہمیت بیان کرنا چاہتا ہوں آپ کے سامنے تاکہ آپ کو اس کی قدر و قیمت معلوم ہو۔ یہ دو روایتیں میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہیں۔ ایک روایت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ دونوں نقل کرتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الخلق عیال اللہ یہ مخلوق اللہ کے عیال ہیں۔ اہل و عیال کا لفظ آپ کی زبان میں عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جس کا مفہوم ہم اپنے الفاظ میں بیان کر سکتے ہیں جس طرح ہمارے اہل و عیال یعنی ہمارا کنبہ ہوتا ہے تو مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے لیے اس کی شان کے لائق الفاظ استعمال کرنا یہ انسان کے بس میں نہیں۔ سمجھانے کے لیے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم الفاظ بولا کرتے تھے اور ان سے بات کو سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ بات ذہن میں رکھی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ جب بھی آئے تو اس کو اپنے پہ قیاس نہ کیجیے کہ شاید یہ صفت ایسی ہے جیسے کہ ہماری صفت۔ اللہ کے دیکھنے کا ذکر آئے گا اللہ بصیر ہے اور ہم بھی بصیر ہیں، ہم بھی دیکھتے ہیں لیکن اللہ کے

بصیر ہونے کو اپنے جیسا نہ سمجھئے۔ اللہ سمیع ہے سننے والا ہے اور ہم بھی سننے والے ہیں ہم بھی سنتے ہیں، لیکن اللہ کے سننے کو اپنے سننے پر قیاس نہ کیجیے۔ تشبیہ دینا جائز نہیں ہے۔ لیس کمثلہ شیء اللہ کی ذات کی طرح کوئی شی ء نہیں جسے ہم کہہ سکیں کہ اللہ ایسا ہے۔ تشبیہ نہیں دی جا سکتی اس لیے اللہ تعالیٰ کی صفات کو بیان کرتے ہوئے جب الفاظ بولے جاتے ہیں تو ساتھ یوں کہا جاتا ہے کہ اللہ سننے والا ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ اللہ دیکھنے والا ہے جیسے اس کی شان کے لائق مثلاً حدیث شریف میں آتا ہے کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ آسمان اول پہ تشریف لاتے ہیں اور آسمان اول پر تشریف لا کر بندوں کو خطاب کرتے ہیں۔ رات کے آخری تیسرے حصے میں بندوں کو خطاب کرتے ہیں۔ کوئی ہے مانگنے والا؟ کہ میں اسے دوں۔ کوئی ہے مجھ سے معافی طلب کرنے والا؟ کہ میں اسے معاف کر دوں۔ کوئی ہے مجھ سے رزق طلب کرنے والا؟ کہ میں اسے رزق دوں۔ (بخاری ۱/۱۵۳، مشکوۃ ۱/۱۰۹)

اس طرح سے طلوع فجر تک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خطاب کرتے رہتے ہیں۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ جو جاگنے کا وقت ہے ہم اس میں سوتے ہیں۔ اور جو سونے کا وقت ہے عشاء کے بعد اس میں ہم جاگتے ہیں۔ اس لیے ہم اس رحمت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ورنہ وہ وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کو لوٹنے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوٹنے کی توفیق دے۔ اس وقت اس تصور کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں خطاب کر رہے ہیں کہ مجھ سے مانگو میں دیتا ہوں۔ معافی مانگو۔ میں معاف کرتا ہوں۔ رزق مانگو۔ میں رزق دیتا ہوں۔ صحت مانگو۔ میں صحت دیتا ہوں۔ اس تصور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلا کے دعا کی جائے تو جو مزہ اس وقت دعا کرنے میں آتا ہے دوسرے اوقات میں نہیں آتا۔ بشرطیکہ اپنے دل میں یقین ہو کہ سرور کائنات ﷺ نے جو کچھ فرمایا بالکل صحیح فرمایا۔ اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔ اس یقین کے ساتھ آپ دامن پھیلائیں اللہ کے سامنے رات کے آخری حصے میں تو ان شاء اللہ العزیز ہر طرح سے آپ کو سکونِ قلب

نصیب ہوگا اور اطمینان نصیب ہوگا اس وقت سے فائدہ اٹھاؤ لیکن میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اس میں ہے کہ اللہ آتے ہیں۔ آسمان اول پر آتے ہیں۔ تشریف لاتے ہیں۔ وہ آنا کیسا ہے؟ ہم بھی آتے ہیں۔ قیاس نہیں کریں گے میں سمجھانے کے لیے ایک مثال دے رہا ہوں کہ ایک لفظ آنا ہے یہ ایک صفت ہے اس کی حقیقت کو جاننے کے لیے موصوف کی حقیقت کا جاننا ضروری ہے۔ جب تک موصوف سمجھ میں نہ آئے صفت کی حقیقت سمجھ میں نہیں آیا کرتی۔ میں کہتا ہوں کہ مولانا صاحب آگئے۔ اس کا مفہوم آپ کے ذہن میں ہے کہ دروازے سے آگئے۔ یوں آرہے ہیں جس طرح سے ہم آیا کرتے ہیں۔

جب ہم انسان کو جانتے ہیں تو انسان کا آنا بھی جانتے ہیں۔ اور جب میں کہوں کہ بادل آگیا۔ اب بادل کا آنا جو ہے وہ آپ اس طرح سے نہیں سمجھ سکتے کہ دروازے سے دونوں قدموں پہ چلتا ہوا آرہا ہے۔ جیسے انسان آتا ہے۔ بادل کو پہچانتے ہیں تو بادل کا آنا بھی آپ پہچان جائیں گے کہ بادل کیسے آیا کرتا ہے اگر آپ کہیں بخار آگیا۔ آنا تو بخار کا بھی ہوگیا۔ لیکن بخار نہ بادل کی طرح آتا ہے نہ انسان کی طرح آتا ہے۔ آپ کہتے ہیں نہر میں پانی آگیا۔ اب اس کا آنا کسی اور طرح سے ہے۔ ہاتھی آگیا' پرندہ آگیا۔ سانپ آگیا۔ ہر کسی کا آنا فوراً سمجھ آتا ہے کہ کس طرح سے آتا ہے چونکہ آپ موصوف کی حقیقت کو جانتے ہیں۔ میرے دل میں خیال آگیا' غصہ آگیا' مجھے پیار آگیا۔ دیکھو آنا ہر جگہ بولا جاتا ہے لیکن اس آنے کا مطلب آپ اس موصوف کے ساتھ لگا کر سمجھتے ہیں کہ کون آیا۔ اس کی آپ حقیقت کو جانتے ہیں تو اس کا آنا بھی آپ کی سمجھ میں آجاتا ہے۔ اور جس کا پتہ ہی نہ ہو۔ اس کی حقیقت ہی معلوم نہ ہو۔ ہم اس کی حقیقت کو ہی نہ پہچانیں۔ اس کی ہم صفت کو نہیں پہچان سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے جو ہماری عقل سے بالاتر ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے جو

صفات بولی جائیں گی تو چونکہ اللہ کی حقیقت ہمارے سامنے نہیں۔ ہم اس کی حقیقت کو پہچانتے نہیں۔ اس لیے اس کی صفات کا بھی مفہوم ہم متعین نہیں کر سکتے۔ اللہ آتا ہے لیکن کیسے؟ جیسے اس کی شان کے لائق اللہ دیکھتا ہے لیکن کیسے؟ جیسے اس کی شان کے لائق۔ اللہ بولتا ہے لیکن کیسے؟ جیسے اس کی شان کے لائق۔ اللہ کے ہاتھ کا ذکر قرآن میں ہے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ اللہ کا ہاتھ کیسا ہے؟ جیسے اس کی شان کے لائق۔ چہرے کا ذکر ہے اللہ کا چہرہ کیسا ہے؟ جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ یہ اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق یہ لفظ ساتھ ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

اللہ کی صفات کا تذکرہ جب بھی آئے تو ذہن میں یوں آنا چاہیے کہ جیسے اس کی شان کے لائق۔ ہم تشبیہ نہیں دیتے اور ہم اس صفت کی نفی نہیں کرتے۔ صفات ساری ثابت ہیں۔ لیکن ان صفات کی حقیقت کیا ہے؟ جیسے اس کی شان کے لائق۔ یہ اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی صفات کی تعبیر کا ایک طریقہ ہے۔

اپنے کنبے کے بارے میں فطری جذبات

اب اس طرح سے یہاں سمجھنے میں ایک بات سمجھانا چاہتا ہوں آپ کے اہل و عیال ہیں۔ بیوی ہے' بچے ہیں' پوتے ہیں' نواسے ہیں۔ بھائی ہیں بہنیں ہیں' وہ کنبہ ہے۔ انسان کا مزاج یہ ہے کہ جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اچھا سلوک کرے وہ اچھا لگتا ہے اور جو اس کے خاندان کے ساتھ برا برتاؤ کرے' تکلیف پہنچانے کی کوشش کرے' نقصان دینے کی کوشش کرے' وہ برا لگتا ہے۔

آپ اپنے گھر میں دیکھ لیں دو بھائی ہوں اور ایک بہن ہو اور وہ بہن صاحب اولاد ہے۔ ایک بھائی جو ہے وہ بہن کے بچوں کے ساتھ پیار کرتا ہے بہت محبت کرتا ہے۔ اور ایک بھائی جو ہے وہ بچوں کو سیدھے منہ بلاتا ہی نہیں۔ بچے اس ماموں کو یاد کریں گے جو ماموں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے۔ اور ان بچوں کی ماں بھی اسی

بھائی کا رستہ دیکھے گی جو بھائی اس کے بچوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے اور جو اس کے بچوں سے محبت نہیں کرتا' پیار نہیں کرتا۔ لازمی بات ہے کہ بہن کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا تو یہ ایک انسان کی فطرت ہے اس فطرت کو سامنے رکھ کر یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ جیسے آج لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جو تمہارے اہل وعیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔

دیکھو! ہم مدرسوں میں رہتے ہیں' دور دور سے بچے ہمارے پاس پڑھنے کے لیے آتے ہیں۔ یہ روزمرہ کا تجربہ ہے کہ جو بچہ گھر جا کے اپنے والدین کو یہ بتاتا ہے کہ فلاں استاد کا میرے ساتھ برتاؤ اچھا ہے۔ میری تکلیف میں میرے کام آتا ہے۔ میرے سبق کا خیال کرتا ہے' میری ضرورت پوچھتا ہے۔ تو نہ والدین نے استاد کو دیکھا ہوتا ہے اور نہ استاد نے والدین کو دیکھا ہوتا ہے۔ لیکن غائبانہ والدین کو اس بچے کے استاد سے محبت ہو جاتی ہے۔ ان کا سلام آنا شروع ہو جائے گا۔ ان کا پیام آنا شروع ہو جائے گا اور کبھی ملاقات ہو تو انتہائی محبت سے ملیں گے کہ یہ ہمارے بچے کا استاد ہے اور ہمارے بچے کے ساتھ یہ محبت کرتا ہے اور بہت شفقت کرتا ہے۔ اور اگر وہی بچہ گھر میں جا کے شکایت کرے کہ مدرسہ کا فلاں استاد میرے سے ضد کرتا ہے۔ مجھے تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ تو دور بیٹھے والدین جنہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ استاد کون ہے؟ اس کی شکل کیسی ہے؟ کبھی دیکھا بھی نہیں ہے لیکن اس استاد کے متعلق ان کے دل میں رنج آ جائے گا اور وہ اس کے متعلق غصہ محسوس کریں گے۔ جس کے متعلق ان کو ان کا بچہ جا کر اطلاع دیتا ہے کہ استاد میرے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتا۔

یہ ایک حقیقت ہے۔ آپ جس طرح جس وقت چاہیں اس کو سمجھ لیں۔ جو آپ کے اہل وعیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا آپ کو اچھا لگے گا۔ اور جو آپ کے اہل کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرے گا وہ آپ کو اچھا نہیں لگے گا۔ یہ جو فطری جذبہ ہے اس جذبہ کو سامنے رکھ کر حضور ﷺ نے بات سمجھائی کہ یہ اللہ کی مخلوق جو ہے وہ ایسے ہے

جس طرح سے یوں سمجھو تمہارے اہل و عیال تمہارے لیے۔ احب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ

کتے کو پانی پلانے پر مغفرت

جو اللہ تعالیٰ کے کنبے پر اللہ کی مخلوق پر احسان کرتا ہے اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو بڑا محبوب ہے مخلوق پر احسان کرنے والا اللہ کو بہت محبوب ہے پھر اس بات کو سرور کائنات ﷺ نے مختلف مثالوں سے سمجھایا۔ حدیث شریف میں صحیح بخاری میں روایت موجود ہے اور کئی جگہ آئی ہوئی ہے آپ نے فرمایا کہ ایک کتا پیاسا تھا' اور ایک آدمی جا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کتے کی زبان لٹکی ہوئی ہے اور یہ گیلی مٹی کو چاٹتا ہے اپنی پیاس بجھانے کے لیے۔ پریشان ہے۔ تو اس نے خیال کیا کہ میں اس کو پانی پلاؤں۔ کنواں تھا لیکن ڈول رسی نہیں تھی جس کے ساتھ وہ پانی نکالتا۔ اس نے اپنا موزہ اتارا۔ موزہ اتار کر کنویں میں اترا۔ اور موزے میں پانی بھر کر منہ کے ساتھ پکڑا۔ اور اوپر چڑھ آیا۔ اور پانی کتے کو پلایا۔ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ اس عمل کی برکت سے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ اب یہ کتا اللہ کی مخلوق پیاسا ہے اس پر ترس آ گیا اس کو پانی پلا دیا تو یہ بھی مغفرت کا باعث بن گیا۔ (بخاری۔۱/۳۱۸)

شاخ کاٹنے پر جنت مل گئی

اور آپ نے فرمایا کہ میں نے جنت میں (خواب میں یا لیلۃ المعراج میں) جنت میں ایک شخص کو ٹہلتا ہوا دیکھا وہ جنت میں کیسے چلا گیا کہ ایک رستہ تھا رستے کے اوپر درخت کی کانٹے دار جھاڑی جو تھی وہ جھکی ہوئی تھی۔ گزرنے والوں کو تکلیف دیتی تھی۔ اس نے اس جذبے کے تحت کہ میں شاخ کو ہٹا دوں تاکہ گزرنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔ اس نے وہ شاخ کاٹ دی اور مخلوق کو اتنا سا اس نے فائدہ پہنچایا کہ کانٹے ان کو تکلیف نہ دیں۔ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ اس شاخ کے کاٹنے کی بناء پر میں نے اس شخص کو جنت میں ٹہلتا ہوا دیکھا۔ (مسلم ۲/۳۲۸)

بلی کو تکلیف دینے پر عورت جہنم میں

اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کو بلی نوچ رہی تھی اور وہ جہنم میں اس بلی کی وجہ سے گئی تھی۔ اس نے اس بلی کو باندھ رکھا تھا اور وہ بلی بھوکی پیاسی مرگئی۔ نہ اس نے اس کو کچھ کھلایا' نہ پلایا' نہ اس کو چھوڑا تا کہ وہ خود کیڑے مکوڑے تلاش کر کے اس کو کچھ کھا کے اپنا گزارا کر لیتی۔ یہ اس نے ظلم کیا اس جاندار چیز پر کہ وہ بھوکی پیاسی مرگئی اس کی زیادتی کی وجہ سے۔ تو میں نے اس عورت کو اس بلی کے سبب سے جہنم میں دیکھا اور یہ بلی اس کو نوچ رہی تھی جہنم میں۔ (بخاری ۱/ ۳۱۸) تو یہ کتا ہو یا بلی ہو۔ اگر اس کا راحت پہنچانا بھی اللہ کو پسند ہے۔ تو ان کو تکلیف دینا بھی بہت ناپسند ہے۔ اسی طرح جب جانور کو ذبح کیا جائے تو فرمایا کہ بلاوجہ ان کو پریشان نہ کرو ذبح کرنا ہے آپ نے اپنی چیز کو۔ اللہ نے اجازت دے دی ذبح کر لو۔ لیکن سرور کائنات ﷺ نے فرمایا چھری تیز کر لیا کرو تا کہ اس کی رگیں کاٹتے ہوئے جانور کو تکلیف نہ ہو۔ فَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهٗ انسان کو چاہیے اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔ (مسلم ۲/ ۱۵۲) اللہ کے حکم کے تحت ذبح کرنے کی اجازت ہے لیکن ذبح ایسے طور پر کرو کہ ذبیحہ کو زیادہ تکلیف نہ ہو چھری تیز کر لیا کرو۔ کند چھری کے ساتھ ذبح کرنا جانور کے لیے باعث تکلیف ہے۔ یہ ساری گفتگو اس حقیقت کو نمایاں کرنے کے لیے ہے کہ مخلوق کو راحت پہنچانا اللہ کو کتنا پسند ہے۔

ایک عجیب حدیث قدسی

اور یہ حدیث میں روایت موجود ہے۔ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک بندے سے کہے گا کہ میں بیمار تھا۔ تو میری بیمار پرسی کے لیے نہیں آیا۔ وہ کہے گا یا اللہ! تو تو رب العالمین ہے تو بیمار کیسے ہو گیا؟۔ اور میں تیری بیمار پرسی کے لیے کیسے آتا؟۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تیرے پاس فلاں میرا بندہ بیمار تھا۔

تو نے اس کا حال نہیں پوچھا۔ اگر تو اس کا حال پوچھتا تو اس کا اجر آج میرے پاس پاتا۔ ایسے ہی بھوکے متعلق کہیں گے۔ ایسے ہی پیاسے کے متعلق کہیں گے۔ (مسلم ۲/۳۱۷) تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سرور کائنات ﷺ کی وضاحتیں سب یہ بتاتی ہیں کہ اللہ کی مخلوق کو راحت پہنچانے کی کوشش کرو اللہ کی مخلوق کو تکلیف نہ پہنچایا کرو۔ اس روایت کا تو مفہوم یہ ہے جو میں نے آپ کے سامنے بیان کی۔ الخلق عیال اللہ۔ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ واحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ ساری مخلوق میں سے اللہ کو پسند وہ شخص ہے جو اللہ کی مخلوق پر احسان کرے۔ اور ان کو فائدہ پہنچائے۔

خدمت خلق کی وضاحت

اب دوسری بات کہ مخلوق کو فائدہ پہنچانا یہ بھی ہے کہ رستے سے کانٹا ہٹا دیا۔ مخلوق کو فائدہ پہنچانا یہ بھی ہے کہ کسی درخت کی شاخ کاٹ دی۔ جو انسان کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ جس کو ہم خدمت خلق کے عنوان کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں۔ خدمت خلق یہ بھی ہے کہ آپ سڑکیں بنا دیں۔ خدمت خلق یہ بھی ہے کہ آپ نالیاں بنوا دیں۔ خدمت خلق یہ بھی ہے کہ کسی ننگے کو کپڑا دے دو۔ خدمت خلق یہ بھی ہے کہ کسی بھوکے کو روٹی دے دو۔ جتنی بھی چیزیں ہیں یہ ساری کی ساری خدمت خلق میں داخل ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کی جائیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خوشی کی بات ہے اور اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کا باعث ہے۔

سب سے اعلیٰ خدمت خلق

لیکن ایک بات اس سے آگے بڑھ کر ذرا سوچ لیجیے کہ اسلام نے ہمیں جو عقیدہ دیا ہے ان میں سے اللہ کی توحید کا عقیدہ سرفہرست ہے اور توحید کے ساتھ پھر رسالت کا عقیدہ دوسرے نمبر پر ہے یعنی اللہ کے رسولوں پر اور نبیوں پر ایمان لانا۔ جس طرح سے

اللہ تعالیٰ کی توحید کا عقیدہ ضروری ہے اور انبیاء علیہم السلام کی رسالت کا عقیدہ ضروری ہے۔ بالکل اسی کی برابر کی سطح کا عقیدہ ہے کہ ہماری زندگی صرف یہی نہیں ہے جو ہم نے دنیا کے اندر گزارنی ہے۔ اور جس کا خاتمہ بظاہر موت کے ساتھ ہو جاتا ہے بلکہ اس مرنے کے بعد پھر اگلی زندگی شروع ہوتی ہے۔ برزخ کی زندگی برزخ کے بعد آخرت کی زندگی وہ ایسی زندگی ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں۔ اس زندگی کا خاتمہ تو موت کے ساتھ ہو جاتا ہے لیکن اُس زندگی کا خاتمہ نہیں ہوگا۔

آخرت کی زندگی۔ قبر کی زندگی' مرنے کے بعد کی زندگی' اگلے جہاں کی زندگی یہ عقیدہ اسلام میں اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ توحید کا عقیدہ ضروری ہے۔ جتنا کہ رسالت کا عقیدہ ضروری ہے۔ توحید کا انکار کرنے والا کافر ہے' رسالت کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ بالکل اسی طریقے سے جو شخص یہ کہے بس زندگی یہی ہے آگے کوئی زندگی نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں حساب و کتاب کے لیے پیش نہیں ہونا۔ اور آخرت نہیں آنی۔ وہ بالکل برابر سرابر اسی طریقے سے کافر ہے۔ یہ تین ارکان ہیں دین کے توحید' رسالت' معاد۔ معاد کا معنی دوبارہ لوٹنا زندگی کی طرف کہ موت کے بعد اللہ پھر زندگی دیں گے' پھر حساب و کتاب ہوگا' پھر اس کے بعد جنت دوزخ کا فیصلہ ہوگا' یہ عقیدہ توحید و رسالت کی طرح ضروری ہے اب ایک محدود زندگی اس میں ہم ایک دوسرے کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اور اتنا اجر و ثواب اور اس خدمت خلق کے اوپر ہماری تقریریں ہوتی ہیں' مضمون چھپتے ہیں' انکار نہیں ہے' بہت ضروری ہے' بہت اہم ہے' یہ خدمت' جس کو اللہ توفیق دے دے اللہ کی رضا کے لیے کسی کو پانی پلا دے' یہ بھی باعث ثواب ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ یہ دیکھئے کہ آخرت کی زندگی کا بنانا اور آخرت کی زندگی کا بگاڑنا مسلمان کے نزدیک یہ سب سے زیادہ اہم ہیں۔ کیونکہ وہ زندگی چند روزہ نہیں بلکہ وہ زندگی ایسی ہے جس کی پھر کوئی انتہا نہیں۔ اگر تکلیف شروع ہوگئی تو ختم نہیں ہو گی راحت شروع ہوگئی تو ختم نہیں ہوگی۔ وہ آخرت کی زندگی ختم ہونے والی نہیں ہے۔

تو اگر یہ چند روزہ زندگی میں آپ نے کسی کو کپڑا دے دیا۔ کسی کو روٹی دے دی تو یہ باعث اجر ہے۔ تو کسی کی آخرت کی زندگی کو بنانا جو ہے۔ وہ کتنا زیادہ باعث ثواب ہوگا۔

سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والا

اب اس پر آپ یہ دیکھئے کہ میں نے پہلی روایت پڑھی کہ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا

تمہیں پتہ ہے کہ سب سے زیادہ جود والا کون ہے؟ جود اس کا ترجمہ ہم سخاوت سے کر دیتے ہیں لیکن یہ لفظ سخاوت سے عام ہے مطلقاً فائدہ پہنچانے کو کہتے ہیں جود۔ تو سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والا دوسرے کو کون ہے۔ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سوال کیا رسول اللہ ﷺ نے۔ ایک بات کو سمجھانے کے لیے کہ هل تدرون من اجود جودا تمہیں پتہ ہے کہ سب سے زیادہ جود کے اعتبار سے کون ہے۔ سب سے زیادہ فائدہ کون پہنچاتا ہے؟ صحابہ نے کہا کہ الله ورسوله اعلم اللہ اور اللہ کا رسول ہی بہتر جانتا ہے کہ اجود جود کون ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ الله اجود جودا اللہ سب سے زیادہ جود والا ہے۔ اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ اللہ سے جتنا فائدہ پہنچا بلکہ مخلوق کا تو سب کچھ ہی اللہ کی جانب سے ہے۔ اس میں تو کسی کے مقابلے میں آنے کی بات ہی نہیں ہے الله اجود جودا جود کے اعتبار سے اللہ سب سے زیادہ ہے۔ اور پھر فرمایا۔

انا اجود بنی آدم پھر آدم کی اولاد میں سے مخلوق کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والا میں ہوں۔ مخلوق کو میری ذات سے سب سے زیادہ فائدہ پہنچا ہے۔ اَنَا اَجْوَدُ بَنِیْ آدَمَ بنی آدم میں سے سب سے زیادہ صاحب جود میں ہوں۔ اور پھر فرمایا ثُمَّ اَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِیْ بنی آدم میں سے سب سے زیادہ جود والا سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والا وہ شخص ہے مَنْ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَهٗ جو علم سیکھے اور علم سیکھنے کے بعد علم

پھیلائے۔ علم سیکھنے کے بعد جو علم پھیلاتا ہے۔ وہ بنی آدم میں میرے بعد سب سے زیادہ صاحب جود ہے۔ یہ بات سرور کائنات ﷺ نے فرمائی۔

(شعب الایمان ۲/۲۸۱، مشکوۃ ۱/۳۷)

ایمان کی اہمیت وعظمت

اب اس کی تھوڑی سے وضاحت آپ سن لیں۔ آخرت کی زندگی جو ہے اس کا بننا بگڑنا اس کا دارومدار ایمان و کفر پر ہے اگر کوئی شخص ایمان لے کر چلا گیا تو کامیاب ہے۔ اور اگر خدانخواستہ ایمان نہیں لے کر گیا ایمان کو نقصان پہنچ گیا کفر ہے تو ناکامی ہی ناکامی ہے۔ اور اس ایمان کا بدل کوئی دوسری چیز نہیں۔ نجات اگر ہو گی آخرت میں تو ایمان کی برکت سے ہو گی آج ہم اس ایمان کو کوڑیوں کی قیمت بیچ دیتے ہیں۔ ٹکوں کے حساب سے ہم اس کو ضائع کر دیتے ہیں لیکن جب اگلی زندگی ہو گی تو پتہ چلے گا کہ ایمان کتنی قیمتی چیز ہے۔ قرآن کریم میں بار بار اس حقیقت کو ظاہر کیا گیا۔ کہ جس وقت کافر لوگ اللہ کی گرفت میں آجائیں گے۔ اور اللہ کا عذاب سامنے آجائے گا تو ان کے پاس اگر زمین کا بھراؤ سونا ہو۔ یعنی اتنا سونا ہو جس کے ساتھ زمین بھر جائے اب آپ اندازہ کریں زمین کا بھراؤ سونا۔ کیا مقدار ہے۔ آج دنیا کے اندر کتنے بڑے بڑے پہاڑ ہیں اور کتنا طویل یہ پہاڑوں کا سلسلہ ہے لیکن زمین بھری ہوئی نہیں وہ سارے ایسے ہیں جیسے ایک کونے میں لگا رکھے ہیں ساری زمین خالی پڑی ہے اس وقت جتنے بھی پہاڑ ہیں انہوں نے زمین کو نہیں بھرا ہوا بلکہ وہ تو ایسے ہیں جیسے کونے میں لگے ہوئے ہیں۔ تو سارے پہاڑوں سے زیادہ سونا اتنا کہ اس سونے کے ساتھ زمین بھر جائے اگر اتنا سونا کسی کے پاس موجود ہو اور وہ چاہے کہ مجھ سے یہ لے لیا جائے اور مجھے اللہ کے عذاب سے نجات مل جائے۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہو گا۔ آخرت کی نجات جو ہے وہ زمین کا بھراؤ سونا دینے کے ساتھ بھی حاصل نہیں ہو گی۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں جا

کے پتہ چلے گا کہ ایمان کتنا قیمتی ہے۔ جس کو ہم یہاں کوڑیوں کی قیمت لٹا دیتے ہیں اور ٹکوں کے پیچھے روپوں کے پیچھے اس ایمان کو ضائع کر دیتے ہیں وہ کتنی قیمتی چیز ہے۔ اس کا وہاں جا کے پتہ چلے گا۔ قرآن کریم کا بیان ہے ملء الارض ذهبا زمین کا بھرا ہوا سونا۔

باقی کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا کہ آپ کہیں کہ شاید باپ کام آجائے گا' بیٹا کام آجائے گا' بھائی کام آجائے گا' چچا کام آجائے گا' کوئی کام نہیں آئے گا۔ وہاں پر نجات ملے گی تو ایمان کی برکت سے ملے گی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ جہنم کی لپیٹ میں

قرآن کریم نے اس حقیقت کو ہمارے سامنے بہت نمایاں کیا ہے۔ او یہ بات سمجھنے کی ہے۔ واقعات جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کیے ہیں وہ یہی حقیقت سمجھانے کے لیے کیے ہیں۔ کہ اپنے ایمان کی قیمت کو پہچانو۔ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا تذکرہ کیا کہ ان کا باپ جو تھا وہ ایمان نہیں لایا۔ بیٹا نبی ہے لیکن باپ ایمان نہیں لایا۔ جب باپ ایمان نہیں لایا تو بیٹے کا نبی ہونا باپ کے کام نہیں آئے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے صحیح روایت ہے کہ قیامت کے میدان میں ابراہیم علیہ السلام کا سامنا اپنے باپ کے ساتھ ہو جائے گا۔ آزر کے ساتھ اور وہاں جو الفاظ آتے ہیں۔ عَلٰی وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌ وَغَبَرَةٌ آزر کے منہ پر گرد و غبار اور ظلمت چھائی ہوئی ہو گی۔ جب ابراہیم علیہ السلام اس کو دیکھیں گے کہیں گے کہ اے ابا! میں تجھے کہا نہیں کرتا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر۔ تو وہ کہیں گے بیٹا! اب وعدہ کرتا ہوں کہ نافرمانی نہیں کروں گا۔ لیکن اب وعدہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کی طرف متوجہ ہوں گے۔ وہاں لفظ یہ ہے کہ اللہ سے کہیں گے کہ یا اللہ تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا میرے ساتھ کہ میں تجھے رسوا نہیں کروں گا۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعا قرآن میں ہے لَا تُخْزِنِی یَوْمَ الْقِیَامَةِ قیامت کے دن مجھے رسوا نہ کرنا۔ تو اس سے بڑھ کر میری رسوائی کیا ہو گی کہ

میرے باپ کا یہ حال ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کہیں گے کہ ابراہیم! میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ ممنوع کر دیا ہے۔ کافر جنت میں نہیں جا سکتا۔ باقی یہ ہے کہ رسوائی کو ختم کرنے کا ایک اور طریقہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ آپ کی رسوائی تب ہے کہ آپ کو پتہ ہو کہ یہ فلانے کا رشتہ دار ہے جو اس حال میں پھر رہا ہے۔

دیکھو! اس کے باپ کا کیا حال ہے۔ دیکھو! اس کے بیٹے کا کیا حال ہے۔ اور اگر وہ ایسے حال میں ہو کہ پہچانا ہی نہ جائے کسی کو پتہ ہی نہ ہو کہ کون ہے تو پھر اس پر رسوائی کی نسبت نہیں ہوتی۔ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس آزر کو بجو کی شکل میں مسخ کر کے گندگیوں میں نجاستوں میں آلودہ کر کے اس کو اٹھا کر جہنم میں پھینک دیں گے کوئی پہچانے گا ہی نہیں کہ یہ ابراہیم کا رشتہ دار ہے۔ (بخاری ۱/۴۷۳)

بغیر ایمان کے نسبتیں فضول ہیں

اب اندازہ کیجیے کہ ایمان ایک ایسی چیز ہے کہ بیٹا نبی بھی ہو...... اگر جانے والے کے پاس ایمان نہیں...... تو بیٹا جو ہے باپ کے کام نہیں آئے گا۔ کیا آپ نے قرآن کریم کے اندر نوح علیہ السلام کے بیٹے کا ذکر نہیں پڑھا؟۔ نوح علیہ السلام کا بیٹا جو کافر تھا اور ایمان نہیں لایا۔ قرآن کریم نے اس کا تذکرہ کیوں کیا ہے۔ کوئی شخص اس مان میں نہ رہے کہ میرا باپ پیر تھا۔ میرا باپ بزرگ تھا' میرا باپ ایسا تھا۔ قیامت کے دن وہ مجھے چھڑوا لے گا۔ نوح علیہ السلام سے بڑھ کے کسی کا باپ نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر بیٹے کے پاس ایمان نہیں تو نوح علیہ السلام بھی بیٹے کو نہیں چھڑا سکے۔ یہ ہمارے ہاں ایک بہت بڑا مغالطہ ہے جاہلوں میں۔ فلانے بزرگ سے نسبت ہے' فلانے بزرگ کی اولاد ہیں' ہمیں کوئی پرواہ نہیں' وہ ہمیں چھڑا لیں گے' چھڑانے والا کوئی نہیں۔ اگر اللہ کی گرفت میں آ گئے تو نہ باپ بیٹے کے کام آئے گا' نہ بیٹا باپ کے کام آئے گا۔ نوح علیہ السلام کی بیوی کا ذکر قرآن نے کیا۔ لوط علیہ السلام کی بیوی کا ذکر قرآن نے کیا۔ سورۃ التحریم کے اندر دونوں کا ذکر ہے کہ یہ دونوں کافرہ تھیں تو قرآن میں ہے کہ ان کو بھی کہہ دیا جائے گا کہ جہنم میں

داخل ہو جاؤ۔ اگر بیوی کے پاس ایمان نہ ہوا تو بیوی کو خاوند نہیں چھڑا سکے گا' چاہے خاوند نبی کیوں نہ ہو۔ تو کہاں گنجائش ہے یہ سوچنے کی؟ کہ فلاں شخص چونکہ فلاں بزرگ کی اولاد میں سے ہے لہٰذا بخشا بخشایا ہے۔ بہت بڑا مغالطہ ہے جو کہ ان پڑھ جاہل لوگوں میں چلتا ہے۔ یا پیر پرست قسم کے لوگ اپنے متعلق اس قسم کے مغالطے رکھتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہیے اس بات کو۔ کہ آخرت کی نجات میں اپنا ایمان کام آئے گا کسی کا ایمان کسی اور کے کام نہیں آئے گا۔

ایمان والوں کے لیے سفارش برحق ہے

ہاں ایمان کی دولت آپ کے پاس ہو' دنیا سے با ایمان جائیں' خاتمہ ایمان پہ ہو پھر اگر کسی بزرگ سے تعلق ہے' کسی بزرگ سے نسبت ہے' پھر وہاں یہ نسبتیں کام آئیں گی۔ اور فرشتے بھی سفارش کریں گے۔ حافظ بھی اپنے باپ کی' بھائیوں کی' دوسروں کی سفارش کریں گے۔ علماء بھی کریں گے۔ شہداء بھی کریں گے۔ لیکن یہ سفارش کا باب تب ہو گا۔ جبکہ پہلے اس کے پاس ایمان کی دولت ہو۔ باقی بد اعمالیوں کی بناء پر سزا جو ہے وہ سفارش سے معاف ہو سکتی ہے کہ ایک آدمی کے پاس ایمان ہے اور گناہ بھی ہے جس کی بناء پر اس کو سزا ہو رہی ہے۔ اگر اس کا بیٹا حافظ ہے۔ اس کا بیٹا عالم ہے۔ اس کا بیٹا شہید ہے یا اس کا کسی بزرگ سے تعلق ہے یا آخر کار سرور کائنات ﷺ کی سفارش جس کے ساتھ بہت سارے گناہ گاروں کو جہنم سے نکالا جائے گا اور ایسے ایسے بھی ہوں گے جو جل کے کوئلہ ہو چکے ہوں گے۔ لیکن ہوں گے سارے وہ جو یہاں دنیا سے دولت ایمان لے کر گئے ہیں۔ اگر ایمان کی دولت پاس ہو گی تو سفارش چلے گی۔ بیٹا باپ کو بھی چھڑا لے گا' باپ بیٹے کو بھی چھڑا لے گا' پیر مرید کو بھی چھڑا لے گا۔ مرید پیر کے بھی کام آ سکتا ہے اور اس طرح کی نسبتیں جتنی ہیں وہ سب کام آئیں گی۔ وہ نسبتیں بے کار نہیں ہیں۔ لیکن پہلے شرط یہ ہے کہ جانے والے کے پاس ایمان ہو۔ اگر ایمان نہیں تو کوئی نسبت کام نہیں آئے گی نہ باپ ہونے کی نسبت کام آئے گی' نہ بیٹا

ہونے کی نسبت کام آئے گی' اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کیے ہیں۔ تو نبی کے بعد کون ہے۔

حضور ﷺ کا خدمتگار چچا جہنم میں

کوئی بزرگ کیا نبی کے مقابلہ میں آ سکتا ہے؟ یہ واقعات قرآن نے کیوں سنائے ہیں؟ اور سرور کائنات ﷺ افضل الانبیاء سید الانبیاء اپنی زبان کے ساتھ حضور ﷺ نے بیان فرمایا۔ کسی نے پوچھا (بخاری میں روایت ہے) کہ یارسول اللہ! ابو طالب آپ کے ساتھ بہت ہمدردی کرتے تھے تو کیا اس کا یہ تعلق' اس کی خدمت' اس کے کچھ کام آئے گی؟ آپ نے فرمایا کہ اگر میں نہ ہوتا تو وہ اسفل السافلین میں ہوتا۔ لیکن اب رہے گا تو وہ جہنم' میں نکلنا نصیب نہیں ہوگا کیونکہ جہنم سے نکلنا ہے ایمان کی برکت سے۔ لیکن چونکہ ہر برائی سے بچار ہا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے۔ تو تمام اہل جہنم میں سے ہلکا پھلکا عذاب اس کو ہوگا هُوَ فِيْ ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ تمام اہل نار میں سے ہلکا عذاب اس کو ہوگا۔ (بخاری ۱/ ۵۴۸) لیکن جہنم سے نکلنا نصیب نہیں ہوگا وہ ہلکا عذاب کیا ہے۔ اس کی تفصیل بھی حدیث میں موجود ہے وہ ہلکا عذاب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو صرف آگ کی جوتی پہنائی جائے گی ایک روایت میں ہے کہ صرف دو ٹخنوں تک آگ میں ہوگا باقی سارا بدن اس کا آگ سے باہر ہوگا لیکن اس آگ کی جوتی کی وجہ سے اور اس ٹخنوں تک آگ کے ہونے کی وجہ سے اس کا دماغ ایسے کھولتا ہوگا جس طرح سے ہانڈی پکتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہوگا کہ شاید جتنی سزا مجھے ہے کسی کو بھی نہیں۔ یہ وہ ہے جس کو اهون الناس اهل النار قرار دیا گیا کہ جہنم کے اندر تمام اہل جہنم سے جو ہلکا پھلکا عذاب ہے وہ اس کو ہوگا۔ (مسلم ۱/ ۱۱۵) اب بتائیے کس قسم کا تعلق' اب یہ چچا بھتیجے کا تعلق ہے' باپ بیٹے کا تعلق ہے' خاوند بیوی کا تعلق ہے' یہی ہیں تعلقات جو دنیا میں ہوا کرتے ہیں۔ یہ سارے کے سارے تعلق ایمان کے بغیر بے کار ہیں۔ ایمان ہوگا تو یہ تعلقات کام آ سکتے ہیں ورنہ

نہیں۔ ایمان اتنی قیمتی چیز ہے کہ پھر اگر اپنے پاس نہ ہو تو کسی اور طرف سے اس کو حاصل نہیں کیا جا سکے گا۔ کوئی کسی کا ایمان دوسرے کے کام نہیں آئے گا۔ دیکھو! میں سفارش کا قول کر رہا ہوں اور یہ حقیقت سمجھا رہا ہوں کہ سفارش برحق ہے۔ سرور کائنات ﷺ کی بھی' اولیاء کی بھی' علماء کی بھی' شہداء کی بھی۔ لیکن یہ ہوگی تب کہ وہ شخص جس کی سفارش کرنی ہے وہ ایمان والا ہو۔ ایمان کی دولت پاس ہوگی تو سفارش چلے گی۔ وہاں پھر گناہ گاروں کو معافی بھی ملے گی' درجات بھی بلند ہوں گے' ان نسبتوں کی قدر جو ہے ساری کی ساری آئے گی۔ لیکن اگر ایمان پاس نہ ہوا تو پھر نہیں۔

ایمان کی دولت کہاں سے ملتی ہے؟

یہ ایمان کی دولت آپ کو کہاں سے ملتی ہے؟ وہ شخص جو آپ کو ایمان کی حقیقت سمجھاتا ہے آپ کے ایمان کی حفاظت کرتا ہے۔ آپ کے لیے اس سے بڑھ کر محسن اور آپ کے لیے اس سے بڑھ کر خدمت گار کوئی نہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی سے یہ بات معلوم ہوئی۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ آخرت کی کامیابی کی بات بتانے والا۔ ایمان کا راستہ دکھانے والا' سب سے زیادہ محسن ہے مخلوق کا اور سب سے زیادہ احسان کرنے والا ہے آپ پر۔ جو آپ کو آخرت کی جہنم سے بچاتا ہے۔ دنیا کی تکلیف سے بچانا اس کے مقابلہ میں کوئی بات ہی نہیں۔ اس لیے خدمت خلق دنیا کے اندر جو آپ کرتے ہیں یہ بھی باعث اجر ہے۔ لیکن آپ کی آخرت کو سنوارنا اور آخرت کے عذاب سے آپ کو بچانا یہ سب سے بڑا احسان ہے جو وہ کرتا ہے اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایمان کی حفاظت جو ہے وہ علم کے بغیر نہیں ہوتی۔ اور علم اللہ تعالیٰ کا' قرآن و حدیث کا' جو آپ کے ایمان کا محافظ ہے وہ اگر ملتا ہے آپ کو تو ان مدارس سے ملتا ہے۔ کسی دوسری جگہ سے نہیں ملتا۔ اس لیے یہ مدارس آپ کے لیے ایک بہت بڑا اللہ کا احسان اور ان مدارس کے اندر بیٹھ کر پڑھانے والے' آپ کو دین کی حقیقت سمجھانے والے قرآن وحدیث کی حقیقت سمجھانے والے' آپ کے سب سے بڑے محسن ہیں۔

جو آپ کو آخرت کی کامیابی کا رستہ دکھاتے ہیں۔

مدارس کی اہمیت

تو اس لیے ان کو آپ معمولی نہ سمجھیں یہ بہت بڑی بات ہے۔ آج کل آپ حضرات کو معلوم ہوگا کہ ساری دنیا کا کفر مجتمع ہو کر اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہے۔ یہ کامیاب نہیں ہوں گے اس میں خود مٹ جائیں گے۔ نہ اسلام مٹے گا' نہ مسلمان مٹیں گے' آنے والا وقت آپ کے سامنے بالکل اس حقیقت کو واضح کر دے گا۔ لیکن آپ کا فرض ہے کہ آپ اس بات کو سمجھیں کہ پوری قوت اس وقت امریکہ کی اور اس کے ہم نواؤں کی اس بات پہ ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے ان مدارس کو ختم کر دیا جائے۔ روز پڑھتے رہتے ہیں۔ یہ کون سی ایسی بات ہے جو اخباروں میں نہیں آتی؟ ہر روز آپ کے سامنے آتی رہتی ہے۔ مدارس کو مٹانے کے لیے' بند کرنے کے لیے' پورا کفر مجتمع ہے۔

مدارس کے خلاف شوشے

لیکن آپ سے یوں کوئی کہہ دے کہ مدرسے بند کر دو ایسے تو کوئی نہیں کرتا۔ پورا انہوں نے کر کرا کے دیکھ لیا ہے اب وہ مختلف قسم کے شوشے چھوڑ کر لوگوں کا دماغ خراب کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں میں پڑھا ہوگا کہ یہ بات آئی تھی اخباروں میں کہ یہ مدارس جو ہیں یہ صرف خطیب پیدا کرتے ہیں۔ یہاں سے انجینئر بھی نکلنے چاہئیں۔ یہاں سے ڈاکٹر بھی نکلنے چاہئیں۔ ان مدارس سے انجینئر بھی نکلنے چاہئیں' ڈاکٹر بھی نکلنے چاہئیں اب آپ لوگوں کے دماغ میں یہ بات آ جائے کہ واقعی مدرسے والوں کو چاہیے کہ انگریزی بھی پڑھائیں۔ اور یہ ڈاکٹری بھی سکھائیں۔ اور یہ انجینئرنگ بھی سکھائیں۔ یہ معمولی بات نہیں یہ بھی مدارس کو لائن سے اتارنے کے لیے ایک شیطانی شوشہ ہے تا کہ مدارس کی حقیقت ختم ہو جائے

منہ توڑ جواب

آپ جانتے ہیں ہر چیز کے لیے ایک ادارہ علیحدہ ہوتا ہے۔ آپ کے ملک میں انجینئرنگ کالج میں انجینئر بنتے ہیں۔ اگر آپ نے بچے کو انجینئر بنانا ہے تو انجینئر کالج میں داخل کروادو۔ آپ نے ڈاکٹر بنانا ہے تو اس کو میڈیکل کالج میں داخل کروادو۔ وہاں ڈاکٹر بنے گا یہاں انجینئر بنے گا۔ اب آپ نے بچے کو بنانا تو ہے ڈاکٹر اور لے جائیں آپ انجینئر کالج میں اور کہیں کہ بچے کو داخل کرلو اس کو ڈاکٹر بنانا ہے۔ وہ کہیں گے کہ آپ نے غلط رستہ اختیار کیا اگر آپ نے ڈاکٹر بنانا ہے تو اس کو میڈیکل کالج میں داخل کروادو۔ وہاں ڈاکٹر بنے گا یہاں انجینئر بنے گا۔

میڈیکل کالج میں آپ چلے جائیں اور کہیں کہ میرے بچے کو آپ انجینئر بنادو وہ کہیں گے یہ ادارہ انجینئر بنانے کا نہیں ہے۔ اگر آپ نے انجینئر بنانا ہے تو ڈگری کالج علیحدہ ہیں وہاں اس بچے کو داخل کروادو۔ تو کتنی ایک واضح بات ہے جس میں کوئی اخفاء نہیں اب ہمارے مدرسے جو ہیں یہ نہ ڈاکٹر بنانے کے لیے ہیں۔ نہ انجینئر بنانے کے لیے ہیں۔ یہ تو بچوں کو حافظ بنائیں گے' قاری بنائیں گے' عالم بنائیں گے' مفتی بنائیں گے' شیخ الحدیث بنائیں گے۔ دین پڑھنے والے بنائیں گے' پڑھانے والے بنائیں گے' یہاں اگر آپ نے دیکھنا ہے تو یہ دیکھو اس مقصد میں مدرسے کامیاب ہیں یا نہیں۔ آپ یہاں آ کر پوچھیں کہ اتنے سال ہو گئے اس مدرسے کو اس نے کتنے حافظ بنائے ہیں؟ یہ آپ کو ایک لمبی فہرست دے دیں گے کہ اتنے سولڑ کا ہم نے حافظ بنایا۔ آپ ان سے پوچھیں کہ آپ نے کتنے بچوں کو حدیث پڑھائی ہے؟ تو آپ کو یہ لمبی فہرست دے دیں گے کہ ہم نے اتنے بچوں کو حدیث پڑھائی ہے اور یہاں آ کر پوچھنا تم ڈاکٹر بناتے ہو یا نہیں بناتے۔ یہ تو ایسے ہے جیسے میڈیکل کالج میں کوئی جا کر پوچھے کہ آپ کے ہاں کتنے قاری بنے ہیں؟ کتنے حافظ بنے ہیں؟ میڈیکل کالج کے اندر آپ حفظ کی کلاس کیوں نہیں جاری کرتے کیا حافظ بننا مسلمان کی ضرورت نہیں ہے؟ میڈیکل کالج

نے کتنے مفتی بنائے ہیں۔ کیا مفتی بننا مسلمان کی ضرورت نہیں ہے؟ وہاں جا کے پوچھو تو وہ کہیں گے کہ جی ذرا آگے آ جاؤ ذرا ہسپتال میں داخلہ لے لو۔ شاید تمہارا دماغ خراب ہے کہ میڈیکل کالج سے آ کر پوچھتے ہو مفتی کتنے بنائے ہیں؟ حافظ کتنے بنائے ہیں؟ یہ پوچھنا ہے تو جا کے مدرسے والوں سے پوچھو۔ جہاں مفتی بنتے ہیں۔ جہاں حافظ بنتے ہیں۔ اس قسم کے بے تکے مشورے جو دیے جا رہے ہیں۔ ان مشوروں کا حاصل یہی ہے تا کہ ان مدارس کی حقیقت ختم ہو اور اس میں قرآن وحدیث کے اوپر صحیح طور پر جو محنت ہوتی ہے اس کا خاتمہ ہو جائے اس قسم کے شوشے اس لیے چھوڑے جا رہے ہیں۔ کمپیوٹر کی تعلیم ہونی چاہیے' فلانی ہونی چاہیے' فلانی ہونی چاہیے' ہر چیز کے کالج موجود ہیں

دارالعلوم دیوبند کا مقصد وخدمات

مجھے یاد ہے اچھی طرح سے جس وقت دیوبند کی بنیاد رکھی جا رہی تھی اس وقت ہمارے بزرگوں کے دل میں لوگوں کے ایمان کی حفاظت کا جذبہ تھا۔ مسلمانوں کی حکومت ختم ہوگئی تھی۔

عیسائیوں کی یلغار ہوگئی تھی اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کی جا رہی تھی تو ہمارے بزرگوں نے سر جوڑ کے مشورہ کیا۔ کہ دین کو محفوظ کرو اور لوگوں کے ایمان کو محفوظ کرنے کے لیے مدرسے کی بنیاد یہ دیوبند میں رکھی گئی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس مدرسے کی جو بنیاد رکھی گئی تھی دیوبند کی۔ اس کا فیضان پوری دنیا میں ہے اور آج میں یہ بات کہتا ہوں کہ اگر میں مومن ہوں یا آپ مسلمان ہیں یا دین کا نام کہیں لیا جا رہا ہے۔ یہ صدقہ ہے ان بزرگوں کی خدمت کا اور ان کی اس محنت کا اور ان کی اس بنیاد رکھنے کا جو انہوں نے دیوبند سے شروع کی تھی۔ آج وہ شجرہ طوبیٰ پوری دنیا کے اوپر طاری ہو یا ہوا ہے۔ اور ہر جگہ اس کا فیضان جاری ہے۔ تو اس وقت مشورے میں یہ بات آئی تھی مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کتاب ابھی چھپ کے آئی ہے انڈیا

سے۔ تو اس میں یہ لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھ جو حضرات شامل کیے تھے ان میں سے بعض نے یہ رائے دی کہ اس مدرسہ کے اندر نصاب ایسا رکھا جائے کہ پڑھنے کے بعد وہ سرکاری ملازمت کر سکے‘ سکول میں لگ سکے‘ کالج میں لگ سکے‘ امتحان دے کے۔ تو مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جس نے ملازمت اختیار کرنی ہے وہ سرکاری ادارے گلی گلی میں بنے پڑے ہیں وہاں جا کے پڑھے۔ ہم سرکاری ملازم بنانے کے لیے طالب علم کو یہاں نہیں پڑھائیں گے۔ ہم نے تو قرآن و حدیث پڑھانا ہے لوگوں کے ایمان کو محفوظ رکھنے کے لیے۔ یہ سوال اس وقت اٹھا تھا کہ نصاب میں کوئی ایسی چیزیں رکھی جائیں جس کی بناء پر کوئی شخص بعد میں اگر ملازمت کرنا چاہے‘ حکومت میں جانا چاہے‘ تو اس میں اتنی استعداد ہو جائے کہ وہ سرکاری اداروں میں جائے تو حضرت فرمایا کہ گلی گلی کے اندر حکومت نے سکول کھول دیے ہیں وہاں جا کے پڑھے۔ ہم بچوں کو سرکاری ملازم بنانے کے لیے مدرسہ نہیں بنا رہے اور نہ ہم نے اس کے اندر اس قسم کا کوئی نصاب رکھنا ہے۔ خالص دینی نصاب جس کے ساتھ ایک مسلمان اپنی مسلمانوں والی زندگی گزار سکے۔ اس قسم کا نصاب یہاں جاری کیا جائے گا۔

اور آج اس کی برکت سے الحمد للہ حافظوں سے دنیا بھری ہوئی ہے۔ مفتیوں سے بھری ہوئی ہے‘ شیخ الحدیث کتنے آ گئے قرآن و حدیث کا نام لینے والے کتنے موجود ہیں‘ یہ اس مردِ دانا کی سمجھ ہے کہ اس نے اس قابل نہیں بنایا لڑکوں کو۔ کہ وہ سارے سرکاری ملازمت کی طرف نکلتے چلے جائیں۔ بلکہ میں نے تو یہ بھی سنا۔

باڑ میں جائے نواب کی ریاست

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ وہ مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد دارالعلوم کے مہتمم تھے۔ حیدر آباد کا نواب نظام۔ اس نے مولانا کو اپنی ریاست کا سرکاری مفتی مقرر کیا۔ اور مشوروں کے لیے ان کو بلاتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ اس نواب نے کہا۔ مولانا محمد احمد صاحب کو کہ میری ریاست میں وہ لوگ بھی

ہیں جو سکولوں اور کالجوں کے پڑھے ہوئے ہیں وہ بھی ملازم ہیں۔ اور بعض بعض جگہ دیوبند کے فاضل بھی میرے ہاں ملازم ہیں لیکن ہم نے دیکھا کہ جو دیوبند کے پڑھے ہوئے ہیں نہایت دیانت دار' نہایت محنتی اور فرض شناس کام کرنے والے ہیں۔ ہم ان پر ان لوگوں کے مقابلہ میں بہت خوش ہیں جو سکول و کالج سے پڑھ کر آتے ہیں۔ اس لیے آپ میرے ساتھ ایک معاہدہ کر لیجیے نواب نے کہا کہ دیوبند سے جتنے لوگ فاضل ہوں۔ وہ مجھے دے دیا کریں میں ان کی کوئی تھوڑی بہتی تربیت کر کے کسی نہ کسی محکمے کے اندر سیٹ کرتا رہوں گا۔ ان کو یہاں ملازمت ملتی رہے گی ریاست میں میرے سپرد کر دیا کریں دیوبند کے جتنے فاضل ہیں اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ دیوبند کا سارا خرچ میں اٹھا لوں گا۔ دیوبند کے فضلاء میرے سپرد کر دیا کرو۔ میں ان کو اپنی ریاست کے اندر روزگار مہیا کروں گا اور ان کو عہدے دوں گا۔ یہ مولانا محمد احمد صاحب سے نواب صاحب نے کہا۔ حضرت تشریف لائے شیخ الہند کا دور تھا آ کے حضرت شیخ الہند سے کہا کہ نواب صاحب یوں کہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا ہمارے سرپرست حیات ہیں حضرت گنگوہی۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سرپرست ہیں۔ ہم سب کے بزرگ ہیں۔ ان کے پاس جاؤ ان کو جا کے یہ بات بتاؤ۔ جس طرح وہ کہیں گے ویسے کریں گے۔ تو ان کو حضرت گنگوہیؒ کے پاس بھیج دیا۔ جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے اور جا کر بات کی کہ نواب صاحب نے یوں کہا ہے تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ باڑھ میں جائے نواب کی ریاست۔ ہم نے نواب کی ریاست چلانے کے لیے اور اس کو کارکن مہیا کرنے کے لیے مدرسہ نہیں بنایا کہ ہم مدرسہ سے کارکن مہیا کریں نواب کی ریاست کے لیے اور نواب کی ریاست چلے۔ ہم نے تو مدرسہ اس لیے بنایا ہے کہ مسجدیں آباد رہیں' کوئی اذان کہنے والا ہو' کوئی جماعت کروانے والا ہو۔ کوئی اللہ کا نام لینے والا ہو' کوئی تلاوت کرنے والا ہو' ہم نے مدرسہ اس لیے بنایا ہے نواب کی ریاست چلانے کے لیے ہم نے مدرسہ نہیں

بنایا کہ ہم ان کو کارکن مہیا کریں۔ یہ ذہن تھا ہمارے بزرگوں کا۔ کس طرح سے انہوں نے محنت کی ہے کہ لوگوں کے دین کو محفوظ کیا۔ لوگوں کی دنیا جو ہے دین کی برکت سے اللہ تعالیٰ روٹی تو دیتا ہے۔ بھوکا کوئی نہیں مرتا۔ بلکہ آپ نے دیکھا ہوگا جس وقت لوگ بیٹھ کے باتیں کرتے ہیں تو یوں کہا کرتے ہیں کہ مولوی کھاتے بہت ہیں۔ مولوی بہت کھاتے ہیں مولوی کھاتے تبھی ہیں جب اللہ دیتا ہے اور جس وقت ان کو کہا جائے کہ بچے کو دین پڑھاؤ کہتے ہیں یہ کھائے گا کہاں سے؟ جب دین پڑھنے کی بات آتی ہے کہتے ہیں یہ کھائے گا کہاں سے؟ جب مولویوں پہ تبصرے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مولوی بہت کھاتےہیں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ بہت کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہت دیتا ہے اور اس علم کی برکت سے اللہ عزت دیتا ہے اس علم کی برکت سے اللہ رزق دیتا ہے۔ کسی عالم کو کبھی نہیں دیکھا گیا کہ وہ بھوکا مرا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر مسئلے کو حل فرمادیتے ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے اس انداز میں مدرسے نہیں بنائے کہ ان کو سرکاری ملازمتوں میں دیا جائے۔ سرکاری ملازمتوں میں جانے کے بعد پھر وہ نہ حق گوئی رہتی ہے اور نہ حق فہمی رہتی ہے۔ انسان اس میں جا کے اسی قسم کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی کا تعارف

اس لیے مدارس کو ایسے ہی رکھا جاتا ہے کہ یہ سارے کے سارے جو پڑھیں' پڑھنے کے بعد آئیں' دین کا کام کریں' دین پڑھیں' پڑھائیں۔ سرکاری ملازمتوں کا تصور ان کے دل و دماغ میں نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ ایک بات اور عرض کر دوں آپ کی خدمت میں۔ ہمارے بزرگوں میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔ بہت صاحب قلم بہت صاحب فہم۔ فاضل دیوبند تھے حضرت شیخ الہند کے شاگرد تھے۔ اور فاضل ہونے کے بعد دیوبند سے رسالے نکلتے تھے۔ الرشید اور القاسم اس کے وہ ایڈیٹر رہے بعد میں بزرگوں کے مشورے کے ساتھ حیدرآباد یونیورسٹی جو تھی۔ اس میں شعبہ دینیات کے انچارج بن کے چلے گئے تھے اور وہاں جا کر انہوں نے بہت

کام کیا دینی کتابوں کی اشاعت کا' دین کا' بہت سمجھدار اور بہت صاحب قلم تھے۔ آپ لوگوں نے ان کا نام سنا ہوگا بہت اچھی اچھی ان کی کتابیں ہیں۔ بہت معلوماتی کتابیں ہیں۔ انہوں نے تفسیر لکھی ہے سورۃ کہف کی۔ حدیث میں آتا ہے کہ سورۃ کہف پڑھنے والے پر دجال اثر نہیں کرے گا۔ دجالی تہذیب اثر انداز نہیں ہوگی۔ سورۂ کہف فتنہ دجال سے بچنے کا ذریعہ ہے یہ حدیث شریف میں آتا ہے ان کا ذہن ادھر منتقل ہوا کہ سورۃ کہف میں کیا خصوصیت ہے؟ جس کی وجہ سے اس کو فتنہ دجال سے مناسبت ہے۔ فتنہ دجال سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ انہوں نے یہ نکتہ اٹھایا اور اس نقطے کے تحت سورۂ کہف کی تفسیر لکھی بہت سارے اصول اس میں آئے کہ دجال کا کیا اصول ہوگا؟ اس کا علاج اس صورت میں کیا ہے پوری سورۃ کے اوپر تفصیل سے لکھتے چلے گئے۔ آگے آ گیا حضرت خضر علیہ السلام والا قصہ سورۃ کہف میں وہی ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد ختم کروں گا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام ان کا واقعہ قرآن کریم نے مفصل ذکر کیا ہے۔

واقعہ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا ایک اہم پہلو

باقی جزؤوں میں سے ایک جزء اس کا یہ ہے کہ خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام دونوں پہ جارہے ہیں۔ پرانے زمانے میں جیسے کشتیوں میں سفر ہوتا تھا کہ کشتی دریا میں چھوڑی پانی کے ساتھ بہتی جارہی ہے۔

وہ کشتی میں سوار ہوئے اور جو کشتی کا ملاح تھا اس نے کرایہ نہیں لیا۔ (جو پرانے زمانے سے دستور چلا آتا ہے کوئی مذہبی آدمی بزرگ سا ہو۔ لوگ اس سے رعایت کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ پرانا دستور ہے۔) تو انہوں نے ان دونوں بزرگوں سے کرایہ نہیں لیا۔ کشتی چلی جارہی تھی تو حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک پھٹا توڑ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو خیال آیا کہ انہوں نے تو ہم پہ احسان کیا کہ بغیر کرائے کے ہمیں سوار کرلیا۔ اور

یہ اچھی بات ہے کہ احسان کا بدلہ دینے کی بجائے ان کی کشتی توڑ ی۔ جس پر خضر علیہ السلام نے کہا تھا کہ آپ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔ میں نے کہا تھا میرے پہ سوال نہ کرنا۔ آپ کو یہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔

کشتی کو ناکارہ کرنے میں حکمت

لیکن خضر علیہ السلام نے جو وضاحت کی وہ یہ تھی کہ یہ کشتی کا پھٹا جو توڑا ہے۔ یہ کشتی والوں کو نقصان پہنچانے کے لیے نہیں ان کی کشتی بچانے کے لیے تھا۔ کہ جدھر کشتی جا رہی تھی ادھر آگے ایک ظالم بادشاہ تھا۔ اس کو ضرورت تھی جس طرح ہمارے ہاں جب کسی نے آنا ہوتا ہے تو بسیں پکڑتے ہیں۔ ویگنیں پکڑتے ہیں۔ گاڑیاں پکڑتے ہیں۔ وہ سارے کے سارے استعمال کرنے کے لیے تو وہ صحیح سالم کشتیاں پکڑ رہا تھا اپنی ضرورت کے لیے (قرآن کریم میں قصہ ہے) تو اگر یہ کشتی صحیح سالم ہوتی تو اس نے یہ کشتی پکڑ لینی تھی اور لے لینی تھی اور ان مسکینوں کا گذارہ جو تھا وہ اسی کشتی پہ تھا۔ تو میں نے یہ پھٹا توڑ دیا تا کہ جس وقت بادشاہ دیکھے گا کہ یہ تو کشتی عیب ناک ہے ہمارے کام کی نہیں تو اس کو چھوڑ دے گا تو ان مسکینوں کی کشتی بچ جائے گی۔ تو یہ پھٹہ توڑنا کشتی کو نقصان پہنچانے کے لیے نہیں تھا کشتی والوں کو نقصان پہنچانے کے لیے نہیں تھا بلکہ ان کی کشتی بچانے کے لیے تھا یہ احسان کا صحیح بدلہ تھا۔

مدارس میں انگریزی تعلیم نہ ہونے میں عظیم حکمت

یہ قرآن کریم میں قصہ ہے؟ جب مولانا کا قلم یہاں پہنچا تو مولانا کہتے ہیں کہ میرے ذہن میں ایک بات آئی جب ہم پڑھتے تھے پڑھنے کے بعد یہ بہت زبردست اشکال ذہن میں آتا تھا کہ ہمارے اکابر نے دیوبند میں نصاب ایسا بنایا ہے کہ جس کے پڑھنے کے بعد انسان ملازمت نہیں کر سکتا۔ حکومت ان کو اَن پڑھ سمجھتی ہے۔ دیوبند کے فاضلوں کو حکومت اَن پڑھ سمجھتی ہے تو ان کو نصاب ایسا پڑھانا چاہیے تھا کہ یہ

پڑھنے کے بعد کسی سرکاری عہدے پہ وکیل ہوتا کوئی جج ہوتا۔ کوئی ایسا ہوتا۔ کہتے ہیں کہ ہمارے ذہن میں یہ بات آیا کرتی تھی تو جب یہ سامنے آیا حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ۔ تو میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ ہمارے بزرگوں نے بھی کشتی کا پھٹا توڑا ہے۔ پھٹا اس لیے توڑا ہے کہ اگر ان کو تعلیم ایسی دی جاتی جو انگریزی ملازمت جو کر سکتے ہیں انگریز کی تو یہ انگریز کی مشین کا پرزہ بن کے اسی کے کام آتے۔ پھر یہ ہمارے کام کے نہ رہتے دین کے کام کے نہ رہتے۔ ہمارے بزرگوں نے تعلیم کا ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ یہ انگریز کی ملازمت کے قابل ہی نہیں۔ جب یہ انگریز کی ملازمت کے قابل ہی نہیں تو گویا کہ ان کو بچالیا انگریز سے۔ یہ انکو بچانے کے لیے گویا کہ تعلیم کا ایسا نہج اختیار کیا ہے تا کہ ہمارے یہ نونہال ہمارے ہاں سے پڑھ کر دوسروں کے کام نہ آئیں تو یہ تعلیم ہماری اس انداز سے ہے کہ ایک حافظ حفظ کرتا ہے وہ کسی کام کا نہیں سوائے اس کے کہ مسجد میں بیٹھ کے قرآن پڑھائے۔ ایک عالم جو ہے وہ عالم بن جائے کسی مشینری میں فٹ نہیں ہوسکتا اس کو چاہیے کہ مدرسہ میں بیٹھ کر دین پڑھائے تا کہ دین آگے چلتا چلا جائے۔ اس سوچ کے تحت ہمارے بزرگوں نے یہ نصاب بنائے تھے آپ حضرات کے ذہن میں کبھی بھی اس قسم کا اشکال نہیں آنا چاہیے کہ یہ کیوں نہیں پڑھاتے' وہ کیوں نہیں پڑھاتے اس کے پیچھے بہت اولیاء اللہ کا فہم ہے' بہت اولیاء اللہ کی بصیرت ہے' جو انہوں نے اس انداز سے یہ نصاب بنایا ہے' اور اسی کی برکت سے الحمدللہ آج قرآن بھی باقی' حدیث بھی باقی۔ بلکہ یوں سمجھو کہ مسلمان باقی۔ اگر یہ مدارس کا سلسلہ نہ ہوتا تو یہاں نہ قرآن ہوتا' نہ حدیث ہوتی' نہ مسلمان ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان مدارس کی قدر و قیمت پہچاننے کی توفیق دے اور ان کے ساتھ معاونت کی توفیق دے اور ہم اس نعمت کی قدر کریں۔

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

دین حق کی محافظ جماعتیں

بمقام: جامعہ قاسمیہ شرف الاسلام۔ چوک سرور شہید (چوک منڈا)

بموقع: تقریب ختم بخاری شریف

تاریخ: ۸ رجب ۱۴۲۸ھ ۲۴ جولائی ۲۰۰۷ء بروز منگل

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ. وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَبِا السَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنَّا اِلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الْحَدِيْثِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِىْ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ

بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ وَاَنَّ اَعْمَالَ بَنِىْ اٰدَمَ وَقَوْلَهُمْ يُوْزَنُ وَقَالَ مُجَاهِدٌ الْقِسْطَاسُ الْعَدْلُ بِالرُّوْمِيَّةِ وَيُقَالُ الْقِسْطُ مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ وَهُوَ الْعَادِلُ وَاَمَّا الْقَاسِطُ فَهُوَ الْجَائِرُ.

بِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَشْكَابٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ اَبِىْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَنْهُمْ قَالَ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِى الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّىْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ.

حدیث قرآن کی تفسیر ہے

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اور اس کا ایک ایک لفظ' ایک ایک حرکت' زبر زیر سب اللہ کی جانب سے ہے اور اس میں کسی قسم کا تغیر اور تبدیلی نہیں ہے۔ سرور کائنات ﷺ پر اللہ نے قرآن کریم اتارا اور قرآن کریم کی تدوین اور تفسیر اور اس کی وضاحت اللہ نے اپنے رسول کے ذمے لگائی۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے تا کہ آپ اس کو بیان کریں اور اس کو واضح کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے دینی حیثیت سے جو کچھ بیان فرمایا۔ وہ حقیقت کے اعتبار سے اللہ کے قرآن کی تفسیر ہے۔ طلباء نے تفصیل کے ساتھ صحیح البخاری پڑھی تو انہوں نے دیکھا ہوگا کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ جب بھی کوئی کتاب کا عنوان قائم کرتے ہیں۔ کتاب الطہارۃ' کتاب الصلوٰۃ' کتاب الزکوٰۃ اور ان کے ضمنی ابواب۔ تو اس میں قرآن کریم کی وہ آیات جن کا اس موضوع سے تعلق ہوتا ہے۔ وہ پہلے بیان فرما دیتے ہیں۔ قرآن کریم کی آیات کا تذکرہ پہلے کرتے ہیں اور روایات کا سلسلہ بعد میں شروع کرتے ہیں۔ تو اس میں اشارہ اسی بات کی طرف ہوتا ہے کہ جو کچھ آگے روایات ذکر کی جائیں گی۔ اصل کے اعتبار سے قرآن کریم کی انہی آیات کی تفسیر اور توضیح ہیں۔ اس طرح کتاب اللہ اور رسول اللہ کے فرمان کو حضرت امام بخاری نے آپس میں جوڑ دیا۔

حفاظت قرآن کے لیے دو طبقے

جو لوگ قرآن کریم کے الفاظ کو یاد کرتے ہیں اور اس کی ادائیگی کے طرز وطریق کو محفوظ رکھتے ہیں وہ حافظ و قاری کہلاتے ہیں۔ اور ایک درجہ ہے قرآن کریم کے ترجمے کا اور پھر قرآن کریم کی آگے وضاحت احادیث کی روشنی میں جس کو ہم تفسیر القرآن کہتے ہیں جو لوگ اس پر بحث کرتے ہیں' قرآن کریم کا ترجمہ کرتے ہیں'

قرآن کریم کا مفہوم بیان کرتے ہیں، قرآن کریم کے احکام کا تذکرہ کرتے ہیں، یہ مستقل طبقہ ہے حافظ اور قاریوں کا مستقبل طبقہ ہے اور مفسرین کا مستقل طبقہ ہے۔ تو آپ نے جس وقت قرآن کریم کی آیت کے الفاظ سنے ہوں گے تو الفاظ محفوظ رکھے قراء نے۔ اس کے پڑھنے کی اداؤں کو محفوظ رکھا۔ تو الفاظ کی خدمت ان لوگوں نے کی۔

لیکن اگر آپ قرآن کریم کا کوئی مسئلہ سمجھنا چاہیں تو قرآن کریم کا مسئلہ سمجھنے کے لیے آپ کو مفسرین کے کلام کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر کسی جگہ کوئی مسئلہ زیر بحث آجائے اور ایک حافظ جو ترجمہ نہیں جانتا۔ الحمد سے لے کر والناس تک وہ قرآن کریم کا حافظ ہے اس کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ مسئلے بیان کرے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں بیان کیا ہے یہ اس کا حق نہیں ہے۔ مسئلے بتانا، اس کے مفہوم کا سمجھانا، یہ مفسرین کا کام ہے۔ تو مفسرین کا طبقہ علیحدہ ہے اور حفاظ وقراء کا طبقہ علیحدہ ہے۔ دونوں ہی قرآن کریم کے خادم سمجھے جاتے ہیں۔

حفاظت حدیث کے لیے دو طبقے

اسی طرح سے سرورکائنات ﷺ کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلے۔ ایک طبقے نے ان الفاظ کو محفوظ کیا۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا: ''قال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان الفاظ کو محفوظ کیا جو رسول اللہ کی زبان مباک سے نکلے تھے۔ اور انہوں نے اپنی زندگیاں اس پر صرف کر دیں۔ زیادہ سے زیادہ روایات کو حفظ کیا۔ یہ طبقہ محدثین کا طبقہ کہلاتا ہے۔ جن کا کام رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کو محفوظ رکھنا۔ اور اس میں صحیح اور غیر صحیح کا امتیاز پیدا کرنا۔ اور ان الفاظ کو امت تک پہنچانا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا: یہ محدثین کا طبقہ ہے۔

لیکن یہاں بھی ان روایات سے جہاں تک احکام کے سمجھنے کا تعلق ہے۔ کس حدیث سے کیا حکم ثابت ہوتا ہے اور اس سے کون سا مسئلہ نکلتا ہے؟ اس کام کے لیے

اللہ تعالیٰ نے ایک اور طبقہ پیدا کیا جس کو فقہاء امت کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ فقہاء حدیث کا مفہوم بھی بیان کرتے ہیں۔ اور فقہاء جو ہیں جو قرآن کریم کا مفہوم بھی بیان کرتے ہیں۔ مفہوم کو بیان کرنا' سمجھنا' سمجھانا' احکام کا استنباط کرنا۔ نہ یہ حافظوں کا کام' نہ یہ محدثین کا کام ہے۔ احکام کا استنباط اور احکام کا بیان کرنا یہ کام ہے فقہاء کا۔ تو جیسے اپنی جگہ حفاظ اہم ہیں' جو الفاظ کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ اگر آپ قرأت کی کتابیں دیکھنا شروع ہوں گے تو کتب خانوں کے کتب خانے موجود ہیں اور قرأت کے امام بھی ہیں اور اسی طرح سے فقہاء میں بھی بعض کو اللہ نے امامت کا درجہ دیا۔ محدثین میں سب سے بڑا درجہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اس لیے ہم جس وقت کتاب شروع کیا کرتے ہیں تو ذکر کرتے ہیں امیر المومنین فی الحدیث محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ' تو امام بخاریؒ کو محدثین کے اندر امامت کا درجہ حاصل ہے۔

فقاہت میں امام اعظم

اور جو میں فقہاء کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ تو فقہاء میں سب سے بڑا امامت کا درجہ حاصل ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو۔ اس لیے ہم جہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے لیے امام المحدثین یا امیر المومنین فی الحدیث کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ تو ہم حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے امام اعظم کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ بعض میرے بھائی ناواقفیت کی بناء پر یا عمداً اس لفظ کے متعلق کچھ کراہت کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر امام ابوحنیفہ امام اعظم تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہوئے؟ یہ عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ اگر ابوحنیفہ امام اعظم تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہوئے۔ اس لیے کہ امام اعظم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

لیکن معلوم نہیں کہ ان حضرات کو قائد اعظم کے لفظ پر کیوں اعتراض نہیں؟ کہ قائد اعظم کا معنی بھی تو یہی ہے کہ سب سے بڑا راہنما۔ اگر قائد اعظم محمد علی جناح ہے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہوئے؟ یہ سوال ذہن میں کیوں نہیں آتا۔ قائد اعظم کا معنی ہے سب سے بڑا قیادت کرنے والا اور سب سے بڑا راہنما۔ اور یہ لفظ عام طور پر استعمال

ہوتا ہے اور سب بولتے ہیں۔ اور محمد علی جناح کے متعلق بولتے ہیں۔ امام اعظم پر تو اعتراض ہے اور قائد اعظم پر کوئی اعتراض نہیں۔ حالانکہ مفہوم دونوں کا ایک ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ہم ان کو جو اعظم کہتے ہیں۔ تو قائد اعظم کا معنی یہ ہے کہ سیاسی لیڈروں میں سب سے بڑا۔ اس کا مقابلہ رسول اللہ ﷺ سے نہیں سیاسی لیڈروں سے ہے۔ اسی طرح جب ہم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق امام اعظم بولتے ہیں تو وہ امام اعظم ہیں من ائمۃ الفقہ تو مقابلہ ان کا فقہاء کے ساتھ ہے۔ ان کا مقابلہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں ہے۔ جہاں تک فقہاء کا تعلق ہے ان میں ابوحنیفہ کو اولیت حاصل ہے زمانے کے اعتبار سے بھی کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں اور ان کی ولادت ۸۰ھ میں ہے۔ اگرچہ اقوال میں کچھ اختلاف بھی ہے لیکن راجح یہ قول ہے اور ان کی وفات ہے ۱۵۰ھ میں۔ اور ان کے قریب ترین ان کے ہم عصر ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کی وفات ہے ۱۷۵ھ میں اور ان کی آپس میں ملاقاتیں بھی ہیں اور ان کی ولادت ۹۰ھ میں ہے تو گویا کہ دس سال عمر میں چھوٹے بھی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان سے چھوٹے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی شاگرد ہیں۔

اور پھر جہاں تک فقہ کی تدوین اور امت کے اندر قبولیت کا تعلق ہے تو مقلدین میں زیادہ تر تعداد امام ابوحنیفہ کی فقہ پر چلنے والی ہے۔ تو اس لیے ان کو امامت کا درجہ حاصل ہے۔ تقریباً ہزار سال تک دنیا کے اندر جہاں بھی بڑی بڑی حکومتیں رہیں۔ جیسے مغلوں کی حکومت تھی، ترکوں کی حکومت تھی، تو وہ ساری کی ساری حکومت بھی فقہ حنفی کے مطابق چلاتے تھے۔ اس لیے اگر ان کو امام اعظم کہا جاتا ہے تو فقہاء کے مقابلے میں کہا جاتا ہے باقی ان کا مقابلہ رسول اللہ ﷺ سے نہیں ہے۔ منصب ان کا یہ ہے کہ وہ روایاتِ حدیث میں سے اور قرآن کریم کی آیات میں سے احکام کا استنباط کر کے امت کو بتاتے ہیں۔ جیسے محدثین رسول اللہ ﷺ کے الفاظ بتاتے ہیں تو وہ حدیث کا معنی بتاتے ہیں۔

امام ترمذی کا دوٹوک فیصلہ

بات دوسری طرف کو نکلتی جا رہی ہے اہل علم جانتے ہیں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب بڑی جامع کتاب ہے اور وہ بھی مکمل پڑھائی جاتی ہے۔ یہ صحاح ستہ جن کو ہم کہتے ہیں ان میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب بھی ہے۔ تو یہ پڑھنے والے جانتے ہیں شاید ہی کوئی صفحہ خالی ہو جس میں حضرت امام ترمذی کسی حدیث کے فن کی بات کرتے ہوئے، چاہے سند کے متعلق، چاہے متن کے متعلق اور چاہے کسی راوی کے حالات کے متعلق، اس میں شاید ہی کوئی صفحہ خالی ہو، ورنہ اس میں ضرور آتا ہے کہ سَئَلْتُ محمد ابن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے اس راوی کے متعلق پوچھا۔ یا میں نے محمد بن اسماعیل البخاری سے اس روایت کے متعلق پوچھا اور ان کی رائے کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ترجیح دیتے ہیں اور فیصلہ کن قرار دیتے ہیں۔

لیکن ایک عجیب بات ہے کہ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے اندر یہ طرز رکھا ہے کہ وہ ہر روایت کو نقل کرنے کے بعد بتاتے ہیں کہ اس روایت کے اوپر آئمہ فقہ میں سے کس کس نے عمل کیا ہے۔ پھر دوسرا باب باندھتے ہیں اس میں ذکر کرتے ہیں کہ اس روایت کے اوپر کس کس نے عمل کیا۔ مثلاً رفع الدین کا باب باندھا روایت نقل کی اور کہا کہ اس پر فلاں فلاں فقیہ نے عمل کیا۔ عدم رفع کی حدیث نقل کی۔ یہاں ہمارے ہندوستان میں جو کتابیں چھپتی ہیں ان میں عدم رفع کا عنوان نہیں ہے۔ لیکن ترمذی کے اصل نسخوں میں یہ عنوان موجود ہے۔ لیکن جس طرح باقی فقہ کے متعلق باتیں کرتے ہیں یہاں بھی ترک رفع کا عنوان ہے اور اس کے اوپر روایت نقل کی وہاں آگے نقل کیا کہ اس پر فلاں فلاں امام کا عمل ہے۔ مشہور آئمہ فقہ کا تذکرہ بھی کرتے ہیں اور ایسے فقہاء کا نام بھی لیتے ہیں جن کی فقہ آگے مشہور نہیں ہوئی اور امت کے اندر وہ معروف نہیں ہیں۔ تو اگرچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فنون حدیث میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دیتے ہیں سب کے مقابلے میں۔ لیکن جہاں فقہاء کی تفصیل بیان

کرتے ہیں فقہاء کی تفصیل میں امام بخاری کا تذکرہ امام ترمذی نہیں کرتے یہ طلباء جانتے ہیں۔ فقہاء کی فہرست میں امام ترمذی، امام بخاری کا تذکرہ نہیں کرتے۔ محدثین کا تذکرہ آتا ہے فنون حدیث کا ذکر آتا ہے، کہ حضرت امام ترمذی اپنے اس استاد کو فن حدیث کا ماہر تو مانتے ہیں کہ فنون حدیث کے اندر ان کی رائے فیصلہ کن ہے۔ اور لیکن جہاں تک فقہ کا تعلق ہے۔ اور مسئلے کو مستنبط کرنے کا ذکر ہے حضرت امام بخاری کا تذکرہ وہ فقہاء کی فہرست میں نہیں کرتے۔ فقہاء کی فہرست میں وہ دوسرے فقہاء کا تذکرہ کرتے ہیں۔

فقہاء کی عظمت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

اور ایک جگہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجنائز میں ایک روایت بیان کی۔ روایت بیان کرنے کے بعد فقہاء کی طرف سے اس کا مفہوم لیا جو بظاہر حدیث کے خلاف ہے۔ فقہاء کا جو قول نقل کیا وہ بظاہر حدیث کے الفاظ کے خلاف ہے۔ نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں غالباً الفاظ ان کے یہی ہیں "كَذَالِكَ قَالَتِ الْفُقَهَاءُ وَهُمْ اَعْلَمُ بِمَعَانِي الْحَدِيْثِ" فقہاء نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے۔ اور حدیث کے معنی اور مفہوم کو سمجھنا یہ فقہاء ہی کا کام ہے (ترمذی ۱/۱۹۳) (بات سمجھ رہے ہو؟ سادی سادی بات سمجھا رہا ہوں۔ تو آپ حضرات کی سمجھ میں بھی آرہی ہے؟) کہ قالت الفقہاء؛ فقہاء نے یوں کہا ہے بظاہر حدیث کے خلاف قول ہے فقہاء کا۔ لیکن کہتے ہیں ھم اعلم بمعانی الحدیث کہ حدیث کے معنی کو سمجھنے والے فقہاء ہی ہیں۔

اس لیے جب الفاظ پر بحث آئے گی تو محدثین کا قول اور جب مفہوم کی بات آئے گی تو مفہوم فقہاء سے لیں گے۔ محدثین کا منصب ویسے ہے جیسے حافظ قرآن کا ہوتا ہے لیکن قرآن کریم کی تفسیر بیان کرنا حافظوں کا کام نہیں وہ مفسر کا کام ہے۔ اسی طرح سے حدیث کے الفاظ محدثین سے لیے جاتے ہیں لیکن مفہوم فقہاء سے لیا جاتا ہے۔ تو فقہاء بھی ہمارے محسن، محدثین بھی ہمارے محسن، حفاظ بھی ہمارے محسن، قراء بھی

ہمارے محسن اور مفسرین بھی ہمارے محسن ہم ہر کسی کا حق پہچانتے ہیں۔ اور ہم ہر کسی کے لیے دعائیں کرتے ہیں کہ دین حاصل ہونے کے لیے یہ سارے کے سارے ہمارے لیے واسطہ بنے ہیں۔ ہمیں نہ محدثین سے اختلاف ہے نہ فقہاء سے' نہ حفاظ سے اختلاف ہے نہ قراء سے نہ مفسرین سے' یہ ہے جامعیت کہ دین کو سمجھنے کے لیے ان سب طبقات کا احسان مانا جائے۔ اور ان سب طبقات کو ان کے درجے کے اوپر رکھا جائے۔

بخاری اور فقہ میں کوئی تعارض نہیں

تو یہ میرا ذہن ادھر منتقل کیوں ہوا۔ اس لیے کہ میں آپ کے ذہن میں ایک بات ڈالنا چاہتا ہوں یہ بات تو ضمناً آ گئی یہ تو میرے بھائی مجھ سے پہلے بیان کر رہے تھے۔ اور اہمیت بیان کر رہے تھے حدیث شریف کی اور بخاری شریف کی انہوں نے آپ کے سامنے کوئی خواب ذکر کیا اور وہ خواب کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ ارشاد القاری حضرت مولینا رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے۔ اس میں بھی یہ لکھا ہوا ہے اور کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے کہ ابوزید ایک عالم تھے جنہوں نے یہ خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کب تک امام شافعی کی کتاب پڑھو گے۔ میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کی کتاب کونسی ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صحیح البخاری' یہ خواب دیکھا ہوگا آپ نے کتابوں میں ہے۔ صحیح بیان فرمایا۔ (مقدمہ فتح الباری ۱/۴۸۹)

یاد رکھیے! خواب کوئی شرعی حجت نہیں ہوتا۔ خواب سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوا کرتا۔ ہاں مبشرات میں شامل ہے۔ جس سے یوں اندازہ ہوتا ہے صحیح البخاری صحت کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کے زیادہ قریب ہے۔ کل کو آپ کے سامنے یہ نہ آ جائے۔ کوئی شخص کہے کہ آپ کے سٹیج پر رات آپ کے مولوی صاحب نے کہا ہے کہ بخاری رسول اللہ ﷺ کی کتاب ہے۔ اور یہ فقہ کی کتابیں دوسروں کی لکھی ہوئی

ہیں۔ لہٰذا تم فقہ کی کتابیں چھوڑو۔ صرف حدیث کی کتابیں پڑھا کرو۔ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم کب تک پڑھتے رہو گے امام شافعی کی کتاب: تو گویا کہ امام شافعی کی کتاب پڑھنا حضور ﷺ کو پسندیدہ نہیں اس لیے فرمایا کہ بخاری پڑھو اور وہ بخاری اٹھا کے آپ کے سامنے آجائے اور کہے دیکھو بخاری میں تو یہ لکھا ہوا ہے' یہ لکھا ہوا ہے۔ اور آپ کا مسلک اس کے مطابق نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہو۔ امام ابوحنیفہ یا امام شافعی کے پیچھے چلتے ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نہیں چلتے۔ کل آپ کو کوئی مغالطہ دینے کے لیے...... یہ آج کی بات کا حوالہ دے کر کہیں آپ پر چڑھ نہ جائے میں نے اس لیے اس کی وضاحت کی ہے۔

تو خواب حجت نہیں ہوتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حدیث کے خلاف نہیں۔ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حدیث کے خلاف نہیں۔ لیکن بہرحال جس طرح سے الفاظ قرآن کی فضیلت ہے اسی طرح سے الفاظ حدیث کی فضیلت ہے۔ الفاظ قرآن اقرب الی اللہ ہیں اور الفاظ حدیث اقرب الی الرسول ہیں۔ لیکن جیسے مفسرین کی کلام قرآن کریم کے خلاف نہیں۔ اسی طرح فقہاء کی کلام بھی حدیث کے خلاف نہیں ہے۔ اس قسم کی باتوں سے کہیں آپ یہ مفہوم نہ لے لیں۔ اس لیے میں نے وضاحت کر دی کہ فقہاء کا اپنا درجہ ہے۔ محدثین کا اپنا درجہ ہے۔

مجھے خطرہ سا ہوا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کوئی سٹیج کا حوالہ دے کر آپ کے سامنے آجائے اور آپ کو اس کا کوئی جواب بھی نہ آئے کہ واقعی وہ تورات مولوی صاحب نے کہا تھا کہ امام شافعی کی کتاب نہیں پڑھنی چاہیے۔ بلکہ حضور ﷺ کی کتاب پڑھنی چاہیے۔ امام شافعی بھی ہمارے' امام ابوحنیفہ بھی ہمارے' سارے کے سارے آئمہ ہمارے۔ سر آنکھوں پر۔ لیکن جو ایک مسلک کسی امام کی طرف منسوب ہو کے چلتا ہے ایک آدمی اس کی پابندی کرتا ہے اس کی یکسوئی ہوتی ہے۔ وہ ایک راستے پر چلتا رہتا ہے۔ باقیوں کو حق پر سمجھنے کے باوجود اس میں کسی قسم کی اختلاف کی بات نہیں ہوا کرتی۔

- ہم حضرت امام شافعی کا نام لیتے ہیں تو بھی ﷫ کہتے ہیں
- امام مالک کا نام لیتے ہیں تو بھی ﷫ کہتے ہیں۔
- امام احمد کا نام لیتے ہیں تو بھی ﷫ کہتے ہیں۔
- امام بخاری کا نام لیتے ہیں تو بھی ﷫ کہتے ہیں

تو ہمارا جھگڑا کیا ہے؟ سارے ﷫ ہیں۔ ہم سب کا احترام کرتے ہیں۔ یہی ہم دعوت دیا کرتے ہیں اپنے بھائیوں کو کہ تم بھی اختلاف کرو۔ اختلاف کرنا آپ کا حق ہے۔ لیکن لب ولہجہ شریفانہ رکھو۔ اور کسی بھی امام کے متعلق گستاخانہ لب ولہجہ استعمال نہ کرو۔ لب ولہجہ گستاخانہ اختیار کرو گے تو اپنا بھی ایمان خراب کرو گے۔ ورنہ جہاں تک اختلاف کی بات ہے۔ وہ اپنی جگہ۔ حضرت امام بخاری ﷫ کی عظمت بہت زیادہ ہے۔

محدثین کا امام ظلم کی دلدل میں

عظیم الشان محدث ہونے کے باوجود ان کی زندگی میں لوگوں نے کیا قدر کی؟ آپ ان کی سوانح سنتے رہتے ہیں کہ حضرت امام نے حاکم وقت کی بات نہیں مانی تو حاکم وقت نے ان کو شہر سے نکال دیا۔ امام بخاری جب اس شہر سے نکل کر دوسرے شہر میں گئے تو اس میں بھی اس قسم کی گڑبڑ ہوئی وہاں سے بھی نکال دیا۔ پھرتے پھراتے سمر قند کی طرف آرہے تھے تو پتہ چلا کہ وہاں کے لوگ جو ہیں وہ بھی مخالف ہیں اور وہ شہر میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اور حکومت کی طرف سے وہاں بھی میرا داخلہ ممنوع ہے۔ تو باہر ایک جگہ ٹھہرے ہوئے تھے خرتنگ بستی کا نام ہے۔ تو دھکے کھاتے پھرتے تھے۔ تو اسی طرح لوگ بے قدری سے ان کے ساتھ معاملہ کرتے تھے۔ تو حضرت امام بخاری ﷫ کو یہ دعا کرنا پڑی کہ: "اَللّٰهُمَّ ضَاقَتْ عَلَيَّ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ فَاقْبِضْنِيْ اِلَيْكَ" یا اللہ! تیری زمین بڑی کشادہ ہے۔ مگر میرے لیے تنگ ہوگئی ہے

مجھے اپنے پاس بلالے۔ تو اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کی اور ان کی وہاں وفات ہوگئی۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۲/۴۴۳۔۱۲/۴۶۶۔ تہذیب التہذیب ۹/۴۵) حضرت امام بخاری کی جیسے لوگوں نے یہ بے قدری کی اور شہروں سے نکالے گئے۔ حکومت وقت کے مطابق بات نہ کہنے کے نتیجے میں امام بخاری جیسا آدمی جو تھا اس کو بھی شہروں سے نکال دیا۔ یہ وہی لوگ تھے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ان سے اختلاف کرتے تھے۔

فقیہ اعظم کا جنازہ جیل سے

ساتھ ساتھ یہ بھی ذکر کر دوں کہ فقہ کے اندر سب سے بڑے امام۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آج ساری دنیا ان کی فقہ سے فیض یاب ہو رہی ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آخر میں کیا ہوا۔ حکومت کی بات نہ ماننے کی بناء پر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی گرفتار ہوئے۔

جیل میں ڈال دیے گئے۔ اور ان کے سامنے حکومت کا مطالبہ پیش کیا جاتا تھا۔ نہیں مانتے تھے تو روز ان کو دروں کے ساتھ پیٹا جاتا تھا۔ اور آخر کار ان کو زہر دے کر جیل کے اندر ہلاک کر دیا گیا۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ کا جنازہ جیل سے نکلا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر حکومت کا ظلم

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح سے اتنے پٹے کہ ان کو گدھے کے اوپر سوار کر کے مدینہ کی گلیوں میں چکر لگوایا گیا۔ اور تکلیفیں پہنچائی گئیں لیکن وہ بھی اپنے حق کے اتنے پکے تھے کہ ساری سختیاں سہنے کے باوجود جس بات کو حق سمجھا اس سے ہٹے نہیں۔ لکھا ہے کہ ہر چوک میں کھڑے ہو کر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اعلان کرتے تھے مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ لَّمْ یَعْرِفْنِیْ فَاَنَا مَالِکُ بْنُ اَنَسٍ جس نے مجھے پہچان لیا اس نے تو پہچان لیا اور جس نے نہیں پہچانا تو سن لو کہ میں مالک بن انس ہوں اقول طلاق المکرہ لایجوز۔ حاکم وقت کہتا تھا کہ کسی سے مجبور کر کے طلاق لے لی جائے تو

طلاق واقع ہو جاتی ہے لیکن امام مالک کا مسلک تھا کہ نہیں ہوتی۔ اس پر حاکم وقت نے ان کی پٹائی کی۔ پٹائی کرنے کے بعد یہ کھیل کھیلا کہ گدھے پر سوار کرایا لیکن امام نے پرواہ نہیں کی کہ میری کیا رسوائی کر رہے ہیں کیا نہیں کر رہے' ہر چوک کے اندر اعلان کرتے تھے مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ لَّمْ یَعْرِفْنِیْ فَاَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ جس نے مجھے پہچان لیا اس نے تو پہچان لیا اور جو مجھے نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں مالک بن انس ہوں اور میں مسئلہ یوں بیان کرتا ہوں۔ (سیر اعلام النبلاء ۸/۹۶)

انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اہل دنیا کا برتاؤ

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اہل حق کے ساتھ حکومت کا ٹکراؤ اور حکومت کی طرف سے سختیاں۔ حکومت کی طرف سے ماریں کھانا۔ ہماری تاریخ اس سے بھری پڑی ہے۔ ہمارے اکابر سے اسی طرح ہوا ہے اور ہوتا رہے گا۔ یہ تھوڑا سا اشارہ کر رہا ہوں۔ ورنہ اگر اس سے پیچھے ہٹوں تو آپ کے سامنے قرآن کریم کی وہ آیات پڑھ دوں جہاں آتا ہے کہ ان یہودیوں نے نبیوں کو قتل کیا۔ باقی تو کسی کے متعلق کہہ سکتے ہو کہ ان کا طریق کار صحیح نہیں ہے۔ لیکن کیا نبیوں کے متعلق بھی کوئی زبان بول سکتی ہے کہ ان کا طریق کار صحیح نہیں تھا؟ لیکن چونکہ وہ قوم کی خواہشات کے مطابق نہیں چلے تو انبیاء بھی قتل ہو گئے۔ کیا قرآن کریم میں اس تاریخ کو دھرایا نہیں گیا؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر سے خوشبو

اب لمبی بات کی گنجائش نہیں ہے۔ نہ میرے اندر اتنی ہمت آپ دیکھ رہے ہیں۔ لیکن میں حضرت امام بخاری کی بات کر رہا تھا۔ کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہو گئی۔ شہروں میں داخلے ممنوع تھے۔ لیکن جب ان کو دفن کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت کو نمایاں کرنے کے لیے اور ان کی مقبولیت کو نمایاں کرنے کے لیے...... یک دم ان کی قبر سے خوشبو پھوٹی اور جب وہ خوشبو پھوٹی وہ جنت کی خوشبو تھی تو دنیا کو معلوم

ہوگیا کہ جس کی ہم سب بے قدری کر رہے تھے...... وہ اللہ کا کیسا مقبول بندہ تھا۔ (سیر اعلام النبلاء،۱۲/۷/۴۶۷) اور آج امام بخاری کی کرامات میں اس بات کو ذکر کیا جاتا ہے۔ یاد رکھیے ہر نیک و صالح آدمی (حدیث شریف میں آتا ہے) اسیقبر میں جو آپ کے سامنے ہے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ نیک آدمی کے لیے جو اللہ کا مقبول ہوتا ہے جنت کی کھڑکی کھلتی ہے اور میت کو جنت کی خوشبو آتی ہے (ابوداؤد ۲/۳۰۴) حدیثیں بھری پڑی ہیں۔ ہر آدمی کی جو نیک ہے اس کی قبر میں خوشبو ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے عالم الغیب میں رکھا ہوا ہے۔ کبھی کبھی کسی کی کرامت ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اس کو باہر بھی نکال دیتے ہیں۔ تو ہر کتاب میں امام بخاری کی اس بات کا تذکرہ موجود ہے اور دلائل الخیرات کے مولف جو تھے ان کی قبر سے بھی اسی طرح خوشبو پھوٹی۔ اور ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر سے بھی ایسے ہی خوشبو پھوٹی۔ جنہوں نے ساری زندگی توحید کا درس دیا۔ اور اس خوشبو کا میں بھی گواہ ہوں کہ میں خود قبر پہ گیا ہوں میں نے جا کر اس کو سونگھا اور دیکھا ہے۔

غازی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر سے خوشبو

اس طرح سے اب جو واقعہ پیش آیا تو میں کہنا چاہتا ہوں کہ لوگ زبان درازیاں کر رہے ہیں کہ ان کا طریقہ ٹھیک نہیں تھا۔ انہوں نے یوں کر دیا انہوں نے ووں کر دیا۔ اللہ سے ڈرو اور اللہ کا خوف کرو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہی عبد الرشید غازی رحمۃ اللہ علیہ جس کو لوگ اس سارے حادثے کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ آج جا کے سونگھو اس کی قبر سے اسی طرح خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ اور اس کی خوشبو آج بتاتی ہے کہ وہ اللہ کا مقبول بندہ تھا۔ اس نے اللہ کے لیے قربانی دی۔

غازی شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ

اور باقی ایک آدمی جب وہ اپنے جذبات میں آیا ہوا ہوتا ہے۔ بسا اوقات

دوسری بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اللہ کے ہاں جذبے کی قدر ہوتی ہے۔ اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے بالکل اسی طرح سے آج تک خارجی لوگ جو اہل بیت کے دشمن ہیں اور اہل بیت کی مخالفت کرتے ہیں...... آج تک بھی یہ کہتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو سب نے منع کیا تھا۔ کیوں گیا وہ کربلا میں؟ سب نے روکا تھا پھر کیوں گئے کربلا میں اور تعداد میں اتنے تھوڑے تھے لیکن اتنی بڑی حکومت سے ٹکر لے لی۔ مطلب کہنے کا یہ ہے کہ سارے لوگ روک رہے تھے تو پھر کیوں گئے یہ ان کی غلطی تھی۔ رکے کیوں نہیں۔ لیکن جو اپنے جذبے کے تحت روکے ہوئے نہیں رکے۔ انہوں نے بہادری کا ایک ایسا نشان قائم کر دیا کہ جب بھی کسی ظالم کے سامنے اکڑنے کی بات ہو تو لوگ حسین رضی اللہ عنہ کا ہی حوالہ دیتے ہیں۔ یزید اور حسین رضی اللہ عنہ ایک محاورہ بن گیا۔ کہ یزید عنوان بن گیا ظالم کا۔ اور حسین عنوان بن گیا مظلوم کا اور جس وقت بھی بہادری پر کسی کو برانگیختہ کرنا ہو تو یوں کہتے ہیں کہ حسین کا کردار ادا کرو۔ تو ان کا کردار آنے والی امت کے لیے ایک نمونہ قائم کر گیا۔

ہم حسینی مزاج رکھتے ہیں

ہندوستان کا ایک شاعر ہے ابھی وہ حیات ہے میں نے اس کی ایک کیسٹ سنی۔ اس کا نام ہے عبدالماجد دیوبندی اس کی نظم کے اندر ایک فقرہ ہے کہ

کہہ دو وقت کے یزیدوں کو
ہم حسینی مزاج رکھتے ہیں

تو حسینی مزاج کیا ہے؟ جس کو لوگ آج بھی ذکر کرتے ہیں کہ اگر حق بات پر اڑنا پڑ جائے تو خاندان قربان کیا جا سکتا ہے' جان دی جا سکتی ہے' سب کچھ لگایا جا سکتا ہے لیکن جس کو حق سمجھ لیا اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ تو آج اگر یہی نمونہ ہماری بچیوں نے بھی قائم کر دیا تو عجیب طرح سے لوگوں نے پروپیگنڈے کیے۔ کہ جی ان کو مجبور کیا ہوا تھا' ان کو یرغمال بنایا ہوا تھا۔ اب وہ سارے حقائق نمایاں ہوتے چلے جا رہے ہیں کہ کوئی

یرغمال نہیں تھے' ماں باپ بھی لینے کے لیے گئے تو بچیوں نے انکار کر دیا کہ ہم نہیں جاتے۔

میں کہتا ہوں کہ اس مادہ پرستی زندگی میں ہوسکتا ہے کہ یہ بھی ایک نمونہ قائم ہو گیا ہو (اللہ محفوظ رکھے آنے والے حالات کا کوئی پتہ نہیں) ہوسکتا ہے کہ ہر ہر مدرسے میں ایسا کردار ادا کرنے والے آجائیں۔ تو وہاں ہمیں بھی ان کا سبق یاد رکھنا چاہیے اور ہمیں بھی اپنے موقف سے ہٹنا نہیں ہے' جان جاتی ہے تو چلی جائے۔ اللہ نہ لائے اس قسم کا وقت۔ لیکن اگر آجائے تو جس نے اللہ کے نام پر زندگی بھر کھایا ہے۔ تو اس پر فرض ہے کہ اس اللہ کے نام پر قربانی بھی دے۔ ہمیں چین کے ساتھ اگر بیٹھ کر پڑھنے پڑھانے کی گنجائش نہیں ہوتی تو پھر اس زندگی کا ہمارے لیے کیا فائدہ ہے۔ ہم کسی کو کچھ کہتے نہیں اگر مطالبہ کرتے ہیں تو صرف یہی کرتے ہیں کہ بھائی تم نے وعدے کیے تھے۔ ساٹھ سال ہو گئے ہمیں دکھے کھاتے ہوئے تم نے جس اسلام کے لیے پاکستان قائم کیا تھا اس کو نافذ کر دو جس وعدے پر ملک بنا تھا۔ لیکن جس وقت سے ملک بنا ہے اس وقت سے جو حال ہے وہ آپ حضرات کے سامنے ہے۔ بہرحال یہ میں نے ایک اشارہ کر دیا کہ مقبولیت کے آثار آجانے کے بعد مجلسوں میں بیٹھ کر ان لوگوں پر منفی تبصرہ نہ کرو۔ اگر ان کا موقف سمجھ میں آتا ہے تو ٹھیک نہیں سمجھ میں آتا تو کہو کہ اللہ کے حوالے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ جو کچھ بھی تھا ان کے خلاف زبان استعمال کر کے اپنی آخرت خراب نہ کرو اس لیے میں نے یہ درمیان میں ذکر کر دیا کہ علماء کے خلاف زبان کھولنا...... ایسے لوگ جنہوں نے دین کے لیے جان دی ہو۔

ظلم کی انتہا

ہوسکتا ہے (ہم یہ نہیں کہتے) کہ ان کے طریق کار میں غلطی ہو لیکن جس طرح سے ان کو بھونا گیا' جلایا گیا ہے' مارا گیا ہے۔ ان کا طریقہ ان کے طریقے کار سے ہزار درجہ برا ہے۔ اگر طریق کار ان کا صحیح نہیں تھا تو یہ کرنے والوں کا طریقہ کار کون سا صحیح

تھا؟ ان کی طرف سے جو ظلم و ستم ہوا ہے کون کہے گا کہ یہ صحیح ہے اس لیے دونوں طرف نظر ڈالی جائے اور آج کل اخباروں میں آ رہا ہے۔ (اللہ کے عذاب سے ڈرو۔) اخباروں میں وہ ورقے اور قرآن کریم کی تصویریں آ رہی ہیں۔ جو سب اٹھا اٹھا کے گندے نالے میں پھینک دیں۔ دیکھی ہیں یا نہیں دیکھی آپ لوگوں نے؟ اخباروں میں یہ باتیں آئی ہیں اور اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ قرآن کریم کے حدیث کے نسخے، جلی ہوئی کتابیں، اوراق بکھرے ہوئے، وہ سارے اٹھا اٹھا کر گندے نالوں میں پھینک دے۔ اور اخباروں میں آ رہا ہے تو کیا یہ طریق کار صحیح ہے؟ اگر ان کا طریقہ غلط تھا تو یہ صحیح ہے؟ اور جس طرح سے ان کے بچے بچیوں کو تباہ کیا گیا ہے بربریت کا جو مظاہرہ کیا گیا ہے اس کو کون عقل مند کہے گا کہ یہ صحیح ہے؟

اس لیے ہم یہ درخواست کرتے ہیں اپنے حکام سے کہ اللہ کے عذاب سے ڈریں۔ اور یہ آگے نہ زیادہ بڑھتے چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ رسی ڈھیلی کیا کرتا ہے لیکن جب پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ سے چھوٹتا کوئی نہیں۔ یہ اللہ کا حلم اور بردباری ہے کہ اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود ہم اس دنیا پر زندہ پھرتے ہیں۔ معلوم نہیں اللہ کی طرف سے کب گرفت آ جائے۔ اس لیے ڈرنا چاہیے۔ تو مدرسوں کی حفاظت کریں۔ مدرسوں کے ساتھ تعاون جاری رکھیں۔ اس طرح سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں ہے **لا تیئسو من روح اللہ۔ انہ لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون۔**

یہ ہم جلسوں میں یہ بات اس لیے کرتے ہیں کہ تا کہ اس قسم کے واقعہ کے بعد کہیں ہمارے طلباء پر، علماء پر، دوسرے لوگوں پر، یہ رعب طاری نہ ہو جائے کہ اگر ہم نے حق بات کہی، حق کا ساتھ دیا تو ہمارے ساتھ یونہی نہ ہو۔ ہم کہتے ہیں یونہی ہونا چاہیے۔ ہمارے ساتھ اگر ہم حق پر ہیں تو اس طرح سے ہونا چاہیے جس طرح سے ہوتا ہے۔ حق نمایاں ہوگا حق بات ہوگی تو ہم تائید کریں گے ہم اس کو چھوڑ نہیں سکتے۔ اس بات کو طلباء حضرات اپنے ذہن میں رکھیں اور علماء حضرات بھی اپنے ذہن میں رکھیں۔

اس کے ساتھ قانون کے اندر رہتے ہوئے مطالبہ کرنا کہ حکومت میں اسلامی آئین آئے مسلمانوں کی زندگی اس ملک میں بسر ہو اور یہ فحاشی اور یہ غلط قسم کی باتیں اس ملک میں بند ہوں۔ یہ کسی قسم کی غلط بات نہیں ہے۔ اس قسم کا مطالبہ ہمیشہ جمعیت علمائے اسلام کرتی ہے اور آج بھی کرتی ہے اور آپ سے وعدے بھی کرتی ہے اور جس طرح سے ممکن ہوتا ہے۔ کوشش بھی کرتے رہتے ہیں اور ہم بھی سارے اس کے ساتھ ہیں۔

بخاری کی آخری حدیث کا درس

بہر حال مدرسے اللہ کی نعمت ہیں۔ ان کی حفاظت کرنی چاہیے یہ قرآن کریم کے الفاظ کے بھی محافظ ہیں' قرآن کریم کے معانی کے بھی محافظ ہیں' تفسیر کے بھی محافظ ہیں' حدیث کے الفاظ کے بھی محافظ ہیں اور فقہاء کی فقہ کے بھی محافظ ہیں گویا کہ کل دین کے محافظ ہیں۔ اللہ ان کو ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے۔

باقی اب وقت بھی زیادہ ہوگیا ہے اور ہمت بھی نہیں ہے اس وجہ سے صرف ترجمہ کر دیتا ہوں کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آخری آخری باب رکھا ہے وزن اعمال کا۔ چونکہ انسان کی زندگی کا نتیجہ آخری آخری وزن اعمال کے ساتھ ہی نمایاں ہوگا۔ قیامت کے دن اللہ انصاف کا ترازو رکھیں گے اور بنی آدم کے اعمال و اقوال تولے جائیں گے یہی امام بخاری کہتے ہیں اور یہی اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔ لیکن دیکھیے؟ ایک چھوٹی سی بات ہے یہاں قسط کا لفظ آیا ہے اور قرآن کریم میں قسطاس کا لفظ بھی ہے اور اس کو قُسطاس (بضم القاف) اور قسطاس (بکسر القاف) دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔ ترجمہ الباب میں چونکہ قسط کا لفظ آیا ہے۔ اور قرآن کریم میں قسرطاس کا لفظ ہے۔ اور دونوں کا معنی ایک ہی ہے یعنی عدل۔ تو اس مناسبت سے حضرت امام نے قسطاس کا بھی معنی بیان کر دیا۔ جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت شریفہ ہے کہ مناسبت کی وجہ سے دوسرے الفاظ کے معنی بھی ذکر کر دیتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا اقوال سلف سے استدلال

لیکن ساری کتاب میں امام بخاری کی عادت ہے۔ جو بات بھی کرتے ہیں وہ اپنے اسلاف کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں۔ قال مجاہد القسطاس العدل کہ مجاہد کہتے ہیں کہ قسطاس کا معنی العدل ہے اور ساری بخاری میں جہاں بھی عنوان آیا۔ عکرمہ کا یہ قول ہے سعید بن جبیر کا یہ قول ہے حسن بصری کا یہ قول ہے امام بخاری مسائل بیان کرتے ہوئے اقوال صحابہ سے اقوال تابعین سے استدلال کرتے ہوئے مسئلے کو واضح کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوگیا کہ اسلاف کی اتباع نہ قرآن کے خلاف نہ ہی حدیث کے خلاف ہے۔

قرآن کو سمجھو اپنے اسلاف کے ذریعے سے حدیث کو سمجھو اپنے اسلاف کے ذریعے سے اور جو کہتے ہیں کہ واسطہ درمیان میں نہیں ہونا چاہیے۔ براہ راست سمجھنا چاہیے یہ گمراہی ہے۔ حضرت امام بخاری کا مسلک یہ نہیں ہے وہ ساتھ ہی ہمیشہ مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں۔ ہر ترجمہ الباب کے اندر اس طرح سے آئے گا: سعید بن میسب کا یہ قول ہے حسن بصری کا یہ قول ہے عکرمہ یوں کہتے ہیں۔ مجاہد یوں کہتے ہیں اقوال اسلاف کے تحت مسئلے کی وضاحت کرتے ہیں۔ یہ امام بخاری کا اصول ہے۔

اور یہ کہنا کہ اصول صرف دو ہی ہیں۔ قال اللہ وقال الرسول۔

یہ غلط ہے۔ اسلاف کی اتباع اتباع امت قیاس صحیح یہ سارے دلائل ہیں جن کو امام بخاری استعمال کرتے ہیں۔ اس سے ہمارا اور جو طریقہ ہمارے اسلاف کا ہے وہ واضح ہوجاتا ہے۔ باقی مسئلے میں اختلاف تو ہوتا ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ شریفانہ لب و لہجے کے ساتھ یوں کہو کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا لیکن ان کا یہ قول فلاں حدیث کے خلاف ہے۔ اگر اس طرح سے بات ہو تو کسی کو اعتراض نہیں۔

ہم کہتے ہیں امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول ہے لیکن یہ فلاں حدیث کے خلاف ہے

اس میں تو لڑائی والی بات نہیں ہے۔ یوں تو صبح و شام ہم نقل کرتے ہیں لیکن جب ہم نام لیتے ہیں تو ﷺ کہتے ہیں' حضرت بھی ساتھ کہتے ہیں' اس طرح ادب کا لب ولہجہ ہو تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ یہاں بھی امام بخاری نے قسطاس کا معنی عدل کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن کہا کہ مجاہد کا قول ہے پھر آگے ہے اگر قسط کا لفظ مجرد میں استعمال ہوتا ہے تو ظلم کے معنی میں آتا ہے القاسطون۔ یہ ظالم کے معنی میں ہے اور مقسط جو ہے یہ انصاف کے معنے میں ہے۔

لفظ قسط کے بارے میں مولانا علی محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

ہمارے استاد تھے مولانا علی محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دارالعلوم کبیر والہ میں۔ میرے بھی وہ استاد تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اصل میں قسط کہتے ہیں حصے کو یہ آپ جو قسطیں ادا کیا کرتے ہیں یہ حصہ ہوتا ہے۔ تو اس میں دونوں پہلو ہیں کوئی اپنا حصہ لے تو انصاف ہے۔ دوسرے کے حصے پر قبضہ کرے تو ظلم ہے۔ جس کے اندر ظلم و ستم اور انصاف دونوں باتیں آ جاتی ہیں۔ اپنے حصے پر اکتفاء کرو یہ انصاف ہے اور دوسرے کے حصے پر قبضہ کرنے کی کوشش کرو تو ظلم ہے۔ تو اس لفظ قسط میں دونوں باتیں آ جاتی ہیں۔

آگے روایت جو نقل کی ہے۔ کلمتان حبیبتان الی الرحمن کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ دو کلمے ہیں' جو رحمان کو بہت محبوب ہیں۔ رحمان کا لفظ استعمال کیا۔ اللہ کے اسماء سے' معنی یہ ہوا کہ ان کلموں کے پڑھنے پر اللہ کی رحمت جوش مارتی ہے یہ کلمے زبان پر بہت ہلکے پھلکے ہیں...... پڑھتے وقت کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ لیکن میزان میں بہت وزنی ہوں گے تو یہ وزن اعمال کا ذکر آ گیا۔ ترجمۃ الباب اس سے ثابت ہو گیا لیکن یہاں صرف اقوال کا ذکر ہے...... افعال کا ذکر نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو اقوال کے وزن کا قائل ہے وہ افعال کے وزن کا بھی قائل ہے اور جو اقوال کے وزن کے قائل نہیں تو وہ افعال کے وزن کا بھی قائل نہیں...... تو جب ایک جز ثابت

ہو جائے تو لعدم القائل بالفصل دوسرا جز خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ یہ اصطلاح اہل علم جانتے ہیں اور اس کی کئی مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں۔ لیکن اب گنجائش نہیں ہے تو یہ ثقیلتان فی المیز ان کے ساتھ ترجمہ الباب ثابت ہوگیا اور آگے سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم کلمات آ گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے ان کو پڑھا کریں۔ ایک ایک تسبیح روز پڑھ لی جائے تو بہت بڑی رحمت ہے۔ اللہ قبولیت سے نوازے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

سبحانك الله هم وبحمدك اشهدان لا اله الا انت سبحانك انى كنت من الظالمين

عقیدۂ معاد (اول)

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

تاریخ:

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِینُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ قُلْنَا اھْبِطُوْا مِنْھَا جَمِیْعًا فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ○ وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ○

وقال اللہ فی مقام آخر مِنْھَا خَلَقْنٰکُمْ وَ فِیْھَا نُعِیْدُکُمْ وَ مِنْھَا نُخْرِجُکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَ تَرْضٰی. اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ.

تمہید:

اسلام کے بنیادی عقیدے تین ہیں توحید' رسالت اور معاد۔ یہ تینوں بنیادی عقیدے کہلاتے ہیں۔ دو عقیدوں کے متعلق آپ کے سامنے ضروری ضروری باتیں ہوچکیں۔ تو آج تیسرے عقیدے کے متعلق ذکر ہوگا۔ تیسرا عقیدہ جس کو بعث بعد الموت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں یا معاد کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ معاد کا معنی بھی لوٹنا ہے بعث بعد الموت یعنی موت کے بعد اٹھنا۔ یہ اسلام کے بنیادی عقیدوں میں سے ایک عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد ہم نے دوبارہ اٹھنا ہے۔

کلموں میں قیامت کا ذکر کیوں نہیں؟

آپ جانتے ہیں کہ کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لیے جو کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ وہ کلمہ کیا ہے۔ آپ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں یا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ پڑھتے ہیں۔ یہ ہے بنیادی کلمہ جس کو پڑھ کے ہم مسلمان ہوتے ہیں لیکن اس بنیادی کلمے میں معاد کا تذکرہ نہیں ہے۔ آپ سوال کرسکتے ہیں کہ اگر معاد کا عقیدہ اتنا ہی اہم ہے تو پھر اس کا کلمے میں ذکر کیوں نہیں۔

پہلے کلمے میں ذکر نہیں' دوسرے کلمے میں ذکر نہیں' تیسرے کلمے میں ذکر نہیں۔ چوتھے میں ذکر نہیں' پانچویں میں ذکر نہیں' چھٹے میں ذکر نہیں۔

اور اگر ہے تو آپ پڑھ کے سنا دیں۔ ان کلمات میں جو ہم پڑھتے ہیں جن کے ساتھ ہم مذہب اسلام میں داخل ہوتے ہیں ان میں اس معاد کے عقیدے کا ذکر نہیں ہے۔ ذکر ہے تو توحید کا یا رسالت کا۔ اس کی کیا وجہ؟ جب کہ تینوں عقیدے برابر کی حیثیت کے ہیں جیسے مسلمان ہونے کے لیے توحید کا عقیدہ ضروری۔ رسالت کا عقیدہ ضروری' اسی طرح سے معاد کا عقیدہ ضروری ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا بھی ہے

لیکن اس کا کلمے کے اندر ذکر نہیں۔

روایات میں صرف لا الہ الا اللہ ہے

اصل بات یہ ہے کہ کلمہ دین کے اندر داخل ہونے کا ایک ذریعہ ہے اور باقی دینوں سے اور باقی ملتوں سے امتیاز کا ایک عنوان ہے۔ ورنہ اصل کے اعتبار سے جو روایات میں آتا ہے وہ تو اتنا ہی ہے حضور ﷺ نے اعلان فرمایا قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا. لا الہ الا اللہ پڑھو فلاح پاجاؤ گے اور اس میں لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کسی روایت میں نہیں آیا یا آتا ہے؟ (نہیں) اسی طرح مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا جنت میں چلا جائے گا۔ جس کی آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو جنت میں چلا جائے گا۔

کلمے کا اصل مقصد

ان روایات میں کسی جگہ بھی محمد رسول اللہ کا ذکر نہیں۔ اسی لیے بہت سارے لوگ جو دین کو اپنی عقل اور فہم کے مطابق سمجھتے ہیں۔ وہ اس مغالطے میں بھی مبتلا ہو گئے کہ نجات پانے کے لیے رسالت کا عقیدہ بھی کوئی ضروری نہیں۔ صرف لا الہ الا اللہ پڑھ لینا کافی ہے۔ یہ مستقل ایک گروہ ہے اور ان کا ذکر کتابوں میں آتا ہے۔ اور پھر کلمہ شہادت کے اندر محمد رسول اللہ یہ حدیث شریف میں آیا قرآن میں لا الہ الا اللہ تو کئی جگہ آتا ہے۔ لیکن لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اکٹھا کہیں نہیں آتا۔ تو اصل میں دین میں داخل ہونے کا ایک طریقہ ہے اور اس کے ذریعے باقی ملتوں سے ایک امتیاز ہے۔

عَهْدِ اَلَسْتُ کے وقت تینوں عقیدوں کی تلقین

ورنہ یہ نہیں کہ عقیدہ صرف یہی ضروری ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور عقیدہ ضروری نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس وقت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تھا اور پیدا کرنے کے بعد ان کی اولاد کو موجود کر کے ان سے عہد لیا تھا اس موقع پر اللہ نے

تینوں عقیدوں کی تلقین کی ہے۔ پہلے تو یہی تھا الست بربکم۔ اس میں تو اللہ نے اپنی ربوبیت اور اپنی توحید کا اقرار کروایا اور بلیٰ کے تحت ہم نے اقرار کرلیا اور پھر جو یہ کہا تھا کہ ہم نے یہ تم سے اقرار اسی لیے کروایا ہے کہ کہیں قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ دو کہ ہمیں تو پتہ نہیں تھا۔ ہمیں تو کسی نے بتایا نہیں۔ کہ ہمارا رب اللہ ہے تو یوم القیامۃ کا ذکر اس میں آ گیا۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اولاد آدم یوم القیامۃ کا مفہوم اس وقت سمجھنے لگ گئی تھی جس وقت الست بربکم کے جواب میں بلیٰ کہا تھا۔ جس میں اللہ کی ربوبیت کا عقیدہ اختیار کرلیا تھا۔ یوم القیامۃ کا تذکرہ بھی وہیں ہوگیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جس وقت زمین پر اتارا تھا۔ اتارتے ہوئے یوں کہا تھا کہ اب تو اترو سارے کے سارے۔ میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے گی۔ اس میں رسالت کا ذکر ہے۔ جو ہدایت کی اتباع کرے گا وہ تو **لا خوف علیهم ولا هم یحزنون**. اور جو ہماری آیات کے ساتھ کفر کرے گا' انکار کرے گا۔ وہ **اولئك اصحاب النار** تو نار کا ذکر بھی ساتھ ہی کردیا کہ جہنم میں جائے گا اور ہمیشہ رہے گا۔ گویا عالم ارواح میں آدم کو پیدا کرتے وقت تینوں عقیدوں کی تلقین اللہ نے کی۔

توحید کا عقیدہ بھی سکھایا اور اس کے ساتھ ساتھ رسالت کا تذکرہ بھی ہوا اور ساتھ ساتھ معاد کا عقیدہ بھی سکھایا کہ جو ہماری ہدایت پہ چلیں گے ان کا انجام یہ ہوگا اور جو ہماری ہدایات پہ نہیں چلیں گے ان کا انجام یہ ہوگا۔

اور ایک دن آنے والا ہے جس کو یوم القیامۃ کہتے ہیں۔ اور اس دن جا کے پھر فیصلہ ہوگا کہ اصحاب النار ہو یا اصحاب الجنۃ۔ اس میں انجام کا ذکر ہے یہی عقیدہ معاد کا ہے۔ تو بنیاد تو ابتداء میں ہی رکھ دی تھی جس وقت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کی اولاد کو پیدا کیا۔ تو تینوں باتوں کی تلقین اس میں کردی تھی۔

اپنے خالق سے بے انتہاء غفلت

دنیا میں آنے کے بعد آدم علیہ السلام کی اولاد پر جو غفلت طاری ہوئی وہ غفلت انتہاء

کو پہنچی۔ کیونکہ کچھ مدت تک تو انہیں عقیدوں پر رہے اور بعد میں کفر و شرک آیا اور کفر و شرک کے اندر یہ بات بھی آئی۔ اتنی غفلت آئی کہ بنی آدم میں بعضے انسان ایسے بھی پیدا ہو گئے جو سرے سے اپنے خالق' مالک کے قائل ہی نہیں۔ وہ کہتے ہیں جس طرح سے کیڑے مکوڑے پیدا ہوتے ہیں' اپنا وقت گزار کے مر جاتے ہیں اس طرح سے انسان بھی پیدا ہوتا ہے' مر جاتا ہے۔ یہ دنیا ازل سے ہے ابد تک رہے گی۔ کوئی پیدا کرنے والا نہیں' طبعی طور پر رفتار جاری ہے۔ ان لوگوں کو دھریہ کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز کی نسبت زمانے کی طرف کرتے ہیں کہ زمانے کی رفتار کے ساتھ سارے کے سارے واقعات پیش آتے ہیں۔ نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے' نہ کوئی حساب لینے والا ہے اور نہ کوئی خالق ہے' نہ مالک۔ سرے سے اللہ کے وجود کے منکر ہیں۔

پہلے زمانے میں بھی یہ لوگ تھے لیکن آج کے دور میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ سارے کا سارا روس اور یہ کیمونسٹ ممالک ان سب کی بنیاد انکارِ الٰہ پہ ہے۔ کسی کو الٰہ ماننے کے لیے تیار نہیں۔ نہ یہ دین کے قائل ہیں' نہ آخرت کے قائل ہیں نہ کسی خالق' مالک کے قائل ہیں۔ الوہیت کا انکار کرتے ہیں۔

روس کا دردناک منظر

روس میں جب انقلاب آیا ہے تو انقلاب آنے کے بعد ایسے دردناک واقعات پیش آئے جو کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ چونکہ انقلاب مزدور لائے تھے۔ اپنی مزدوری کے عنوان سے۔ سرمایہ داروں کے خلاف۔ اور پھر انہوں نے اپنے دل بہلانے کے لیے اور اپنا غصہ نکالنے کے لیے عوامی عدالتیں قائم کیں اور عوامی عدالتوں میں ایک مصنوعی خدا کو پیش کیا اور اس کے خلاف مقدمہ قائم کر کے کہ یہ بھی سرمایہ داروں کا حامی تھا اور سرمایہ داروں کو مراعات دیتا تھا اور مزدوروں کے اوقات اس نے تنگ کر رکھے تھے۔ مزدوروں کو کوئی روٹی نہیں ملتی تھی۔ مزدوروں کو کپڑا نہیں ملتا تھا۔ یہ ظلم یہی خدا کرتا تھا۔ اس کے خلاف عدالت میں فیصلہ کر کے اس کو تھڈے مارے۔ جو

صورت بنائی ہوئی تھی اور یہ کہا کہ آج ہم روس کی حدود سے خدا کو بھی خارج کر رہے ہیں اور ایئر پورٹوں پر جو بین الاقوامی تھیں وہاں پہ بڑے بڑے بورڈ لگا دیے کہ روس کی حدود میں کوئی خدا نہیں۔ ہم نے خدا کو روس کی حدود سے خارج کر دیا۔ چنانچہ جو بھی کیمونسٹ لوگ ان کے معتقد تھے۔ کیمونسٹ ممالک جتنے تھے ان سب کی بنیاد انکارِ اللہ پہ ہے۔ وہ سرے سے اللہ کے قائل ہی نہیں تھے۔

یہ تو اب افغانستان میں ہمارے مجاہدین نے ان کا سر کوٹ کوٹ کے کوئی تھوڑا سا ان کو اللہ یاد دلا دیا۔ اب وہ کچھ قائل ہونے لگ گئے ہوں گے کہ کوئی ضرور اللہ ہے۔ جس نے یہاں ان مساکین کو ہمارے اوپر مسلط کر کے ان کا غرور توڑ دیا۔ ورنہ حقیقت کے اعتبار سے وہ اس کے منکر ہو گئے تھے۔ ایئر پورٹوں پر جہاں سے باہر کی دنیا آتی ہے ملک میں داخل ہونے کے لیے۔ تو یہ بورڈ لگے ہوئے تھے کہ مملکت روس کے اندر کوئی خدا نہیں، ہم نے خدا کو روس سے خارج کر دیا ہے۔ (معاذ اللہ) تو یہ موجودہ دور کی ایک بہت بڑی آفت ہے کہ انکارِ خدا کرنے والے لوگوں کی بہت کثرت ہے۔ کالجوں میں پڑھنے والے یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے نوجوان، اکثر و بیشتر اللہ تعالیٰ کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں۔ اور اگرچہ کسی کی رعایت کرتے ہوئے، شرم کے مارے اظہار نہیں کرتے۔ تو دل ان کا یہی کہتا ہے کہ خدا کوئی نہیں۔ انسان جو کچھ کرتا ہے خود ہی کرتا ہے۔ کرتا ہے کھاتا ہے، پیتا ہے۔ مرتا ہے۔ دنیا اسی طرح سے آئی اور اسی طرح سے چلتی چلی جائے گی۔ تو ایسے لوگ بھی ہیں جو وجودِ اللہ کا انکار کرتے ہیں۔

کروڑوں خداؤں کے پجاری

اور پھر جو اللہ کے قائل ہوئے ان کے اندر پھر ایسے بھی تھے جو ایک پر نہ رہے بلکہ انہوں نے اللہ کی بجائے الٰہہ بنا لیے اور ایک سے بڑھتے چلے گئے اور کتنے بڑھتے چلے گئے کتنے الٰہہ بنا لیے ہر کسی کا علیحدہ علیحدہ الٰہ۔ حتیٰ کہ آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ

کے پڑوس کا ملک ہندوستان جس میں ہندو بستے ہیں تو ہندو ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں۔ یعنی جس وقت ہندوستان کی آبادی ۳۳ کروڑ ہوگی تو ہر ایک کے حصے میں ایک خدا آتا ہوگا اور جب اس سے کم آبادی تھی۔ تو ایک کے حصے میں دو دو خدا بھی آتے ہوں گے۔ آج اس کی آبادی ۸۰، ۷۵ کروڑ کے قریب چلی گئی۔ تو بھی تین تین آدمیوں کے حصے میں ایک ایک خدا آجاتا ہے تو ہندوؤں کی ۳۳ کروڑ دیوتیں ہیں جن کا یہ پوجا کرتے ہیں۔ تو جب بڑھنے لگے تو اتنا بڑھتے چلے گئے کہ زیادہ سے زیادہ بنا لیے۔ عیسائیوں نے تین بنا لیے۔ مجوسیوں نے دو بنا لیے اور اسی طرح سے تین سو ساٹھ بت تو مشرکین مکہ نے بھی بنائے ہوئے تھے۔ جو بیت اللہ میں رکھے ہوئے تھے۔ تو جب ایک سے آگے بڑھے تو پھر کسی حد پہ ٹھہرے نہیں۔ تو آدم علیہ السلام کے بچے نے یا تو الہ کا سرے سے انکار کردیا یا پھر مانا تو آگے بڑھتے چلے گئے۔ جس کی کوئی حد نہیں۔ پتہ نہیں کس کس چیز کو الہ بنایا۔ پانی کو بنایا' آگ کو بنایا' درختوں کو بنایا' پتھروں کو بنایا۔ حیوانوں کو بنایا۔ انسانوں کو بنایا' یہ پھر اس طرح سے سارے کا سارا معاملہ چلتا رہا تو یہ جو مختلف قسم کی ملتیں ہیں۔

باقی ملتوں سے ممتاز کرنے والا کلمہ

ان ملتوں سے امتیاز پیدا کرنے کے لیے آپ کو کلمہ دیا گیا۔ کلمے میں جب آپ کہتے ہیں لا الہ الا اللہ تو آپ دو ملتوں سے علیحدہ ہو گئے۔ ایک وہ جو سرے سے الہ کے قائل نہیں اور وہ جو ایک سے زیادہ کے قائل ہیں۔ لا الہ الا اللہ نے ہمیں دونوں سے ممتاز کردیا۔

لیکن دونوں سے ممتاز کرنے کے بعد لا الہ الا اللہ پڑھنے والی اور ملتیں بھی ہیں۔ لا الہ الا اللہ پڑھنے والے نوح علیہ السلام کے امتی بھی ہیں۔ داؤد علیہ السلام کے امتی بھی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے امتی بھی ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے امتی بھی ہیں۔ یہ سب لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں تو ابھی بہت ساری ملتیں ایسی باقی ہیں جو لا الہ الا اللہ پڑھنے میں ہمارے ساتھ شریک

ہیں۔ ان سے امتیاز پیدا کرنے کے لیے محمد رسول اللہ ساتھ لگا دیا گیا۔ اب ہم موسیٰ علیہ السلام کی امت سے علیحدہ ہو گئے۔ کیونکہ وہ کہے گی لا الہ الا اللہ موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ۔

اور اسی طرح ہم عیسائیوں سے بھی علیحدہ ہو گئے ہم یہودیوں سے علیحدہ ہو گئے ہم دوسرے نبیوں کی امتوں سے علیحدہ ہو گئے۔ اب ہمارا پوری دنیا سے امتیاز ہو گیا اور کسی ملت کے ساتھ ہمارا اشتراک نہیں رہا۔

توحید و رسالت کے علاوہ دیگر ضروری عقائد

تو جس وقت ہم ممتاز ہو گئے۔ امتیاز قائم ہو جانے کے بعد اب بات ہمارے گھر میں آ گئی کہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کے ساتھ جب ہم ایک ملت بن گئے اب یہ ملت جو ہے اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں اور کن اجزاء کے ساتھ یہ ملت ترکیب پائے گی۔ اب یہ ہمارے گھر کا مسئلہ ہے۔ اس لیے صرف توحید و رسالت یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کلمے میں شامل ہو گئی اور باقی عقیدے سارے کے سارے ان دونوں جزء وں کے نیچے آ گئے۔ ورنہ یہ نہیں کہ صرف یہی کلمہ پڑھ لینا کافی ہے۔

- اگر کوئی یہ کلمہ پڑھتا ہے لیکن قرآن کو اللہ کی کتاب نہیں مانتا تو کافر ہے۔
- کلمہ پڑھتا ہے نماز کو فرض نہیں سمجھتا کافر ہے۔
- کلمہ پڑھتا ہے حضور علیہ السلام کو خاتم النبیین نہیں مانتا کافر ہے۔

کلمہ پڑھتا ہے لیکن جنت کا انکار کرتا ہے دوزخ کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جنت دوزخ کا مطلب ہے کہ صحیح زندگی گزارو گے تو تمہارا مستقبل اچھا ہے۔ غلط زندگی گزارو گے تو مستقبل تمہارا خراب ہے۔ جس طرح سے منکرین حدیث وغیرہ کہتے ہیں تو یہ گویا معاد کے منکر ہو گئے' جنت اور دوزخ کے منکر ہو گئے' بالکل کافر ہیں۔ اس میں کون سی شک شبہ کی بات ہے۔

لیکن باقی ملتوں سے علیحدہ ہو کر اب یہ ہمارا داخلی مسئلہ آ گیا۔ تو عنوان قائم ہو گیا ہمارا۔ کہ ہم یہودی نہیں' کیونکہ یہودی محمد رسول اللہ نہیں پڑھتے۔ ہم عیسائی نہیں

کیونکہ وہ محمد رسول اللہ نہیں پڑھتے۔ اس لیے ان دو جزؤں کے اوپر اکتفاء کرلیا جاتا ہے۔ ورنہ یہ نہیں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا عقیدہ نہیں۔

بعث بعد الموت پر زبردست عقلی دلیل

عقیدے اور بھی بہت سارے ہیں اور ان میں سے ایک بنیادی عقیدہ ہے بعث بعد الموت کا۔ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا۔ اس عقیدے کی اہمیت اسلام کے اندر توحید و رسالت کے برابر ہے۔ بلکہ ایک وجہ سے یہ عقیدہ ہماری زندگی کے اندر انقلابی اور بہت موثر عقیدہ ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہوتو توحید و رسالت پر ایمان لانے کی بھی تحریک نہیں پیدا ہوتی اور توحید و رسالت پر ایمان لانے کا کوئی فائدہ سمجھ میں نہیں آتا۔

اس عقیدے کے نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے زندگی گزار لی اور گزارنے کے بعد ختم ہوجائیں گے آگے کچھ بھی نہیں۔ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيٰوتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيٰ. یہی زندگی ہے اسی میں انسان پیدا ہوتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ وما نحن بمبعوثین ہم اٹھائے نہیں جائیں گے۔ تو اگر صرف یہی زندگی ہے تو اس زندگی میں کامیاب شخص کون ہوگا۔ جو اس زندگی میں اپنا وقت عیش و عشرت سے گزار لے۔ آرام سے گزار لے۔ محنت و مشقت اٹھانے والے کو پھر کامیاب نہیں کہہ سکتے۔ ایک آدمی صبح سے لے کر شام تک ٹوکری اٹھاتا ہے اور شام کو ۵۰ روپے کماتا ہے۔ اور ایک آدمی بازار میں ذرا سا چکر لگاتا ہے۔ جیب تراش کر کے ہزاروں روپے جمع کر کے لے آتا ہے۔ تو محنت مزدوری کرنے والے کے مقابلے میں آپ کو کہنا پڑے گا کہ جیب تراش کامیاب ہے۔ اس کو بغیر محنت کے اتنی دولت حاصل ہوگئی۔ اس کے ساتھ وہ اپنے مزے سے کھائے گا' مزے سے پہنے گا۔ مزے سے رہے گا۔

مرنے کے بعد تو مزدوری کرنے والے نے بھی ختم ہوجانا ہے اور جیب تراش نے بھی ختم ہوجانا ہے۔ اور ایک آدمی صبح سے لے کر شام تک دکان پہ بیٹھ کر محنت کرتا

ہے' کمانے کے لیئے' اور چور آتے ہیں' ڈاکو آتے ہیں اور مہینے کی کمائی ایک ہی دن میں اٹھا کے لے جاتے ہیں۔ پھر تو یہ ڈاکو کامیاب ہیں۔ بغیر محنت کے اتنی دولت ان کو حاصل ہوگئی اور جو محنت مزدوری کرتے ہیں اور حلال کماتے ہیں کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاتے ان کی زندگی کو ناکام کہنا پڑے گا۔ پھر کامیاب زندگی اسی کی ہوگی جو مرضی کے مطابق کھائے۔ مرضی کے مطابق پہنے اور بلا محنت اور بلا مشقت ان کو دولت حاصل ہوجائے۔ چاہے رشوت سے حاصل ہو' چاہے سود سے حاصل ہو' چاہے ڈکیتی سے حاصل ہو' چاہے چوری سے حاصل ہو' تو ان لوگوں کو کامیاب کہنا پڑے گا جو کہ عیش و عشرت سے اپنا وقت گزارتے ہیں اور بغیر محنت کے ان کو دولت حاصل ہوجاتی ہے۔

ان کو ناکام قرار دینے کی اور محنت مزدوری کرنے والوں کو اچھا قرار دینے کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ آپ یہ کس اعتبار سے کہیں گے؟ کیونکہ ایک آدمی کو کپڑا نصیب نہیں وہ بھی ختم اور ایک ہر وقت ریشم میں ملبوس رہتا ہے اور عیش وعشرت کرتا ہے وہ بھی ختم۔ ایک نے مرضی کے مطابق کھایا اور ایک نے مرضی کے مطابق نہیں کھایا انجام دونوں کا برابر تو پھر کیا ضرورت ہے حلال اور حرام میں امتیاز کرنے کی؟ کیا ضرورت ہے تمہیں رات کو اللہ کو یاد کرنے کی اور اٹھ کے ٹھنڈے پانی سے وضوء کر کے نمازیں پڑھنے کی؟ بلکہ سارے کے سارے اسی طرح سے غنڈے اور بدمعاش ہوجاؤ۔ اپنی عیش پوری کرو۔ جہاں سے بھی ملتی ہے۔ لوٹ لو۔ چوری کرلو۔ ڈاکہ مارلو۔ جیب تراش لو اور کھاؤ پیو۔ چونکہ مرنے کے بعد تو سب نے برابر ہوجانا ہے پھر کامیاب ان لوگوں کو کہنا پڑے گا۔ اور کامیاب وہ نہیں ہیں جو اپنی محنت مزدوری کرتے ہیں اور پھر بھی آرام کی روٹی نہیں کھاسکتے۔ بلکہ لوگوں کے سامنے مرعوب ہو کے رہتے ہیں۔ ان کی زندگی کوئی کامیاب زندگی نہیں۔

اور آپ جانتے ہیں کہ اگر کسی کے بھیجے کے اندر عقل ہو وہ کبھی بھی یہ تسلیم نہیں کرسکتا کہ ڈاکو محنت مزدوری کرنے والے کے مقابلے میں زیادہ کامیاب ہے۔ کیونکہ وہ

دولت جلدی حاصل کرلیتا ہے۔ دنیا کے اندر کوئی ملک معلوم ہے جہاں چوری ڈاکے کو اچھا عمل کہا گیا ہو؟ کہ یہ بغیر محنت کے دولت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ کہیں آپ نے سنا ہے؟ (نہیں) تو سارے انسانوں کی عقل کہتی ہے کہ یہ طریقے غلط ہیں لیکن ان کو غلط کہنے کا مطلب کیا ہوا۔ اگر کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں اور اس محنت مزدوری کرنے کا اور مسکین بن کے رہنے کا فائدہ کیا ہوا۔ اگر کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں۔

دینی زندگی کا اصل محرک عقیدہ معاد ہے

تو شریعت نے جو ہمیں تلقین کی ہے اور ہمارے ذہن کے اندر ہمارے دل کے اندر' یہ بات ابتداء سے ڈال دی کہ تم نے یہ نہیں سمجھنا کہ ہم نے زندگی یہیں گزارنی ہے۔ صرف یہی زندگی نہیں ہے بلکہ آگے ایک اور زندگی بھی ہے۔ مرنے کے بعد پھر تمہیں زندہ کیا جائے گا۔

زندہ کرنے کے بعد پھر تمہاری زندگی کا حساب کتاب لیا جائے گا اور ذرے ذرے کا حساب ہوگا' اچھے کام کیے ہوں گے تو تمہیں جنت ملے گی۔ اور اگر اچھے کام نہیں کیے ہوں گے تو تمہیں جہنم میں جانا ہوگا۔ تو جنت اور دوزخ کا تصور' جنت اور جہنم کا تصور' یہ ہے انسان کے اخلاق میں توازن پیدا کرنے والا اور یہ ہے انسان کی زندگی میں انقلاب لانے والی چیز۔ اگر جنت دوزخ کا تصور نہ ہو تو انسان کی عملی زندگی کے اندر اچھے عمل کے لیے محرک کوئی نہیں اور برے کام سے روکنے کے لیے رکاوٹ کوئی نہیں۔ اب سمجھ رہے ہو اس کی اہمیت؟ (جی) توحید کا قائل ہونے کی ضرورت بھی اس وقت پیش آئے گی جب آپ سمجھیں گے کہ توحید کا اثر جنت دوزخ پہ پڑے گا۔ رسالت کے قائل ہونے کی ضرورت بھی تبھی پیش آئے گی جس وقت آپ کا یہ تصور ہوگا کہ اس کا اثر جنت دوزخ پہ پڑے گا۔ ہم یہ عقیدہ رکھیں گے تو جنت ملے گی' یہ عقیدہ نہیں رکھیں گے تو دوزخ میں جائیں گے۔ یہ انجام آپ کے سامنے ہوگا تو آپ توحید سمجھنے کی کوشش کریں گے اور اس انجام پر آپ کا یقین ہوگا تو آپ رسالت سمجھنے کی

کوشش کریں گے اور اگر یہ انجام آپ کے ذہن میں نہیں تو نہ توحید کے عقیدے کی ضرورت ہے، نہ رسالت کے عقیدے کی ضرورت ہے۔ جانوروں کی طرح پیدا ہوؤ۔ کھاؤ پیو۔ پیٹ بھرو۔ بچے پیدا کرو۔ مذکر مؤنث اکٹھے رہو زندگی گزارتے چلے جاؤ۔ بس اتنا سا تصور ہوگا۔

عقیدہ معاد کی اہمیت

اس لیے یہ عقیدہ بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور قرآن کریم نے اس عقیدے کے اوپر توحید و رسالت کے برابر بلکہ میں آیات کی طرف دیکھتے ہوئے کہتا ہوں کہ شاید توحید و رسالت سے بھی زیادہ زور دیا ہے۔ سورہ فاتحہ سے ہی اس کا تعارف شروع کردیا۔ اس کو یوم الدین قرار دیا۔ بقرہ کے شروع میں ہی اس کو یوم الآخرۃ قرار دیا اور اس کے اوپر ایمان لانے کی تلقین کی۔ کہیں اس کو یوم الفصل کہا۔ کہیں اس کو کچھ کہا۔ بہت ساری آیات ہیں جن میں ایمان کا تذکرہ کرتے ہوئے ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کا ساتھ ساتھ تذکرہ کیا ہوا ہے۔ اس لیے اس عقیدے کی پوری اہمیت ہے۔

سرور کائنات ﷺ جب تشریف لائے اس وقت یہود و نصاریٰ بھی دنیا میں تھے۔ یہ اہل کتاب کہلاتے تھے اور آپ ﷺ کے مدمقابل مشرکین بھی تھے تو مشرکین میں دو قسم کی خرابی تھی۔ ایک تو وہ الٰہ واحد کے قائل نہیں تھے۔ خدا بہت زیادہ بنا لیے دوسرا یہ کہ وہ آخرت کے قائل نہیں تھے۔ جب بھی ان سے بات ہوتی اور آخرت کا عقیدہ ان کے سامنے ذکر کیا جاتا تو وہ کہتے کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ جب یہ ہڈیاں چورہ چورہ ہوجائیں گی مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ۔ مرنے کے بعد انسان مٹی ہوجاتا ہے تو ان ہڈیوں کے چورہ چورہ ہونے کے بعد کون ان کو دوبارہ زندہ کرے گا؟ ءاذا کنا عظاماً ورفاتا جب ہم ہڈیاں بن جائیں گے، ریزہ ریزہ ہوجائیں گے کیا ہمیں پھر دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ اور جب یہ بات ہوتی کہتے هيهات هيهات یہ تو بہت بعید

بات ہے اور یہ بات قابل تسلیم نہیں۔ ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہونے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہو سکتے ہیں؟ تو گویا وہ سمجھتے تھے کہ اللہ اس بات پر قادر نہیں کہ دوبارہ زندہ کرے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کا ذکر کرتے ہوئے ساتھ ساتھ اپنی قدرت کا ذکر کیا ہے۔

البتہ اہل کتاب آخرت کے قائل تھے کیونکہ وہ آسمانی دین کے قائل تھے۔ اس لیے آخرت کے بھی قائل تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ موت کے ساتھ فناءِ مطلق نہیں آتی بلکہ بعد میں جزاء کا دن بھی آئے گا۔ اس میں جنت دوزخ کے فیصلے ہوں گے۔ اہل کتاب مدعی تھے توحید کے۔ اہل کتاب قائل تھے آخرت کے۔ اس لیے مرنے کے بعد کی باتیں اہل کتاب سے اختلافی نہیں ہیں۔ مرنے کے بعد کی باتوں کا اختلاف اگر تھا تو مشرکین مکہ کے ساتھ تھا۔

منکرین حیاتِ قبر کی مشرکین مکہ سے مشابہت

ایک چھوٹی سی بات درمیان میں اور کہہ دوں۔ (یہ ذرا سمجھنے کی ہے۔) مشرکین کا عقیدہ بالکل نمایاں عقیدہ ہے۔ اس میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں۔ وہ کیا؟ کہ مرنے کے بعد ختم۔ دوبارہ اٹھنا نہیں ہے۔ اس لیے وہ بار بار پوچھتے ہیں کہ ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کے بعد ان کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ تو جب مشرکین کا عقیدہ یہ ہو کہ ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں، انسان ریزہ ریزہ ہو گیا، خاک ہو گیا، مٹی ہو گیا، مرنے کے بعد اٹھنا نہیں ہے۔ تو کیا ان کا کوئی عقیدہ ہو گا کہ قبروں میں بھی کچھ ہوتا ہے؟ (بات سمجھنے کی کوشش کیجیے) وہ قبروں میں کسی چیز کے قائل ہوں گے؟ کہ یہاں کوئی سانپ ہوں گے، یہاں بچھو ہوں گے، یا یہاں جنت کی کھڑکی کھلے گی، تو پھر جب وہ سمجھتے نہیں کہ یہاں بھی کچھ ہے تو کیا وہ قبروں کے اوپر جا کر مرادیں مانگنے کی ضرورت محسوس کریں گے؟ انہوں نے قبروں میں سر مارنے جانا ہے۔ جب ان کے عقیدے کے مطابق یہاں کچھ ہے ہی نہیں۔ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔

اس لیے کسی حدیث میں نہیں آتا کہ مشرکین مکہ قبروں پہ چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ اگر آتا ہے کسی کے علم میں ہے تو مجھے بتادو اور اسی طرح کسی حدیث میں نہیں آتا کہ حضور ﷺ نے ان کو فرمایا ہو کہ فلاں قبر پہ جا کے سجدے نہ کیا کرو قبروں میں کیا رکھا ہے۔

اس لیے جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان قبروں کے اندر کچھ نہیں۔ یہ عقیدہ مشرکین کے عقیدے کے زیادہ قریب ہے۔ بات سمجھئے!

قبر پرستی کی جو ممانعت آئی ہے جہاں حضور ﷺ نے قبر پرستی کو منع کیا ہے۔ وہاں پتہ ہے حضور ﷺ نے کیا کہا؟ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِهِمْ مَسَاجِدَ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پہ لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ مشرکین کے بارے میں کہیں ذکر نہیں آیا کہ انہوں نے قبروں کو سجدہ گاہ بنایا ہو۔ یہود و نصاریٰ نے بنایا تھا کیونکہ یہود و نصاریٰ آخرت کے قائل تھے۔ مرنے کے بعد فنائیت کے قائل نہیں تھے وہ قبر کے اندر مدفون ہونے والے کو باقی سمجھتے تھے اور اس کی تعظیم کو زندگی کی طرح لازم قرار دیتے تھے۔ اس لیے وہ قبروں پر جاتے بھی تھے سجدے بھی کرتے تھے اور ادھر منہ کر کے نماز بھی پڑھتے تھے یہ یہود و نصاریٰ کا طریقہ تو ہے مشرکین مکہ کا نہیں۔ کسی روایت میں نہیں آتا کہ کوئی مشرک کسی قبر پہ جا کے چڑھاوے چڑھاتا ہو ہاں البتہ ارواح کے وہ قائل تھے۔ ارواح کے نام پر وہ مختلف چیزیں بناتے تھے اور ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے اور ان کو اپنی امداد کے لیے پکارتے تھے۔ ان کا رابطہ براہِ راست ارواح کے ساتھ تھا۔ جہاں انسان کا جسم دفن ہوتا ہے۔ وہاں سمجھتے تھے کہ کچھ نہیں سب کچھ ہڈیاں وڈیاں چمڑا وغیرہ ختم ہوگیا۔

میرے مطالعے کی حد تک کوئی ایسی بات سامنے نہیں آئی کہ سرور کائنات ﷺ نے مشرکین مکہ کو شرک کی تردید کرتے ہوئے کبھی قبر پرستی کا ذکر کیا ہو۔ قبر پرستی کا ذکر اگر آیا ہے تو اہل کتاب کے تذکرے میں آیا ہے کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

اس لیے جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد اس قبر میں کچھ نہیں بس یہ جو بدن تھا مٹی ہوگیا۔ ان کا عقیدہ مشرکین کے عقیدے کے زیادہ قریب ہے۔ ارے بات سمجھے!

قبر کے بارے میں اہل کتاب کی بے اعتدالی

اہل کتاب قائل تھے لیکن قائل ہونے کے بعد اس بے اعتدالی میں آ گئے کہ تعظیم میں حد سے گزر گئے اور سجدے کرنے شروع کر دیے۔ ورنہ انبیاء کی قبروں کا ادب حد شریعت میں رہتے ہوئے کرتے تو ٹھیک بات تھی۔ لیکن وہ حد سے بڑھ گئے اور قبروں کو سجدے شروع کر دیے تو ممانعت اس پہ آئی ہے کہ اللہ ان پر لعنت کرے۔ اہل کتاب قبر کی زندگی کے قائل تھے، برزخی زندگی کے قائل تھے اور وہ قبر میں پڑے ہوؤں کی عظمت کے قائل تھے۔ اس لیے انہوں نے سجدے کیے ہیں، مشرکین تو ہڈیوں کے چورہ چورہ ہو جانے کے قائل تھے وہ قبروں پہ نہ جاتے تھے، نہ سجدہ کرتے تھے نہ چڑھاوے چڑھاتے تھے۔

قیامت پر قدرت کی زبردست دلیل

باہر حال میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ مشرکین نے جو کہا کہ ہڈیاں چورہ چورہ ہو جاتی ہیں۔ تو ہر جگہ اللہ تعالیٰ اس بات کا تذکرہ کر کے فرماتے ہیں کہ یہ کہتے ہیں کون زندہ کرے گا؟ تو آپ انہیں کہیں کہ جس نے پہلے پیدا کیا تھا وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔ پہلی دفعہ پیدا کرنا تو تمہاری سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے۔ تو یہ تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتا؟ کہ اللہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔ قرآن کریم میں جواب ہمیشہ اسی انداز میں آیا ہے۔ لیکن اس کو ذرا اور گہرائی میں جا کے سمجھ لیجیے۔ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ، جس طرح سے ہم نے پہلی دفعہ پیدا کیا اسی طرح سے ہم اس کا اعادہ کریں گے۔

اس کو آپ ذرا تفصیل سے سمجھیں کہ پہلی دفعہ اللہ نے کس طرح سے آپ کو پیدا کیا اور اعادہ کس طرح سے ہوگا۔

اول خلق کا مطالعہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلی دفعہ جو پیدا کیا ہے تو کیا تم گھڑے گھڑائے اسی طرح سے آگئے تھے۔ کہ تمہارے اندر اللہ نے جان ڈال لی یا تمہاری ابتداء کہاں سے ہوئی؟ نطفے سے ہوئی اور حیض کے خون سے ہوئی اور یہ نطفہ تیار کہاں سے ہوا؟ غذا سے۔ اور حیض کا خون کس چیز سے بنا۔ غذا سے۔ اور غذا آپ نے کہاں سے حاصل کی؟ مٹی اور زمین سے۔ اب جو کچھ آپ کھاتے ہیں۔ آج مثال کے طور پر آپ نے بکرے کا گوشت کھایا اور اس سے آپ کے وجود میں تھوڑا سا گوشت پیدا ہوگیا آپ کے ساتھ پیوند لگ گیا تو بکرے نے کہاں کہاں سے چارہ کھایا تھا۔ کہاں کہاں سے پانی پیا تھا اور کہاں کہاں اس نے وقت گزارہ تھا۔ جہاں جہاں سے اس نے چارہ کھایا تھا۔ وہاں کے ذرات اس کے ذریعے سے آپ کے بدن میں آکے پیوست ہوگئے۔

آپ کے کچھ ذرات کھیتوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ کچھ ذرات درختوں کے پتوں میں تھے۔ کچھ ذرات غلے کی شکل میں تھے۔ بکرے نے غلہ کھایا' چارہ کھایا' درختوں کے پتے کھائے' وہ سارے اجزاء اکٹھے ہوئے۔ اس کے وجود میں آئے اور آپ نے اس کو کھایا تو جو حصہ آپ کے وجود کا تھا وہاں آگیا۔ یہ ایک بوٹی جو آپ کھاتے ہیں۔ اس میں معلوم نہیں کتنے علاقوں کے بکھرے ہوئے ذرات اکٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور آپ کے پیٹ میں آکے پڑ جاتے ہیں اور آپ کے بدن کے ساتھ پیوست ہوگئے ہیں۔ اسی طرح آپ نے دودھ پی لیا اور دودھ پینے سے آپ کے بدن میں کچھ اضافہ ہوا اور بھینس نے جو دودھ بنایا ہے۔ بھینس نے کہاں کہاں سے چارہ کھایا۔ کہاں سے پانی پیا۔ ان سب علاقوں کے اندر بکھرے ہوئے اجزاء تھے۔ جو بھینس کے ذریعے سے اکٹھے ہوکے دودھ بن کے آپ کے پاس آئے آپ نے پیا تو

اس دودھ کے ذریعے سے پورے علاقے میں جو بکھرے ہوئے ذرات تھے وہ آپ کے بدن کے ساتھ آ کے پیوست ہوگئے۔ ورنہ جس وقت آپ پیدا ہوتے ہیں تو اتنے سے ہوتے ہیں (نو انچ) اب یہ جو آپ کی تعمیر ہوتی جارہی ہے ساری غذا کے ذریعے سے ہوتی جارہی ہے اور غذا کہاں کہاں سے آتی ہے؟

- کویت سے آتی ہے' افریقہ سے آتی ہے'
- امریکہ سے آتی ہے۔ یورپ سے آتی ہے'
- سعودیہ سے آتی ہے۔ افغانستان سے آتی ہے۔
- ادویات کی شکل میں آتی ہے۔ فروٹ کی شکل میں آتی ہے۔
- گوشت کی شکل میں آتی ہے۔ پانی کی شکل میں آتی ہے۔

دودھ کی شکل میں آتی ہے۔ آپ کے ذرات پوری کی پوری دنیا میں بکھرے پڑے ہیں جو اللہ نے سارے اکٹھے کر کے آپ کا وجود بنا دیا۔ ایک جگہ سے مٹی لے کے آپ کا تابوت بنا کے نہیں کھڑا کردیا گیا۔ کہ آپ کہیں کہ سارے ذرات ہمارے یہیں پڑے ہوئے تھے۔

تو اگر آپ اول خلق کا مطالعہ کرلیں تو آپ کو یہ سمجھنا آسان ہوجائے گا کہ پوری دنیا میں بکھرے ہوئے ذرات اکٹھے کر کے انسان کو اللہ بناتا ہے اور اگر پہلے بکھرے ہوئے ذرات اکٹھے کر کے بنا سکتا ہے تو مرنے کے بعد اگر اس کے ذرات بکھر جائیں تو دوبارہ اکٹھے کیوں نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ اول خلق کا جو حوالہ دے کہ اعادۂ خلق کی دلیل دیتے ہیں کہ اعادہ خلق آسان ہے۔ تو اول خلق کو آپ اس تفصیل کے ساتھ سمجھئے کہ اول خلق کوئی ایسی نہیں کہ بیٹھے ہی بیٹھے ایک ہی جگہ سے آپ کو گھڑ کے بنادیا۔ اول خلق میں آپ کے ذرات زمین سے لے کے آسمان تک اور زمین کے ہر حصے میں آپ کے ذرات پھیلے ہوئے ہیں۔ جو مختلف ذریعوں سے آپ کے بدن میں داخل ہوتے ہیں۔ داخل ہونے کے

بعد جڑتے چلے جاتے ہیں اور جڑنے کے بعد آپ کا ایک وجود بن گیا۔ جس وقت آپ مریں گے مرنے کے بعد اگر یہ ہوا میں بھی اڑا دیے جائیں تو کیا ہوگیا زیادہ سے زیادہ ایک علاقے میں بکھر گئے۔ اگر آپ کو سمندر کے جانور کھا گئے سمندر کے جانور بھی آخر مریں گے اور آپ کے ذرات کہیں نہ کہیں جائیں گے۔ لیکن رہیں گے تو زمین میں قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ زمین جو کچھ گھٹاتی ہے تمہیں کھا جاتی ہے۔ ہمیں سب کچھ پتہ ہے۔ تو اگر یہ سارے ذرات سمندروں میں بکھر جائیں۔ دریاؤں میں بکھر جائیں۔ جنگلات میں بکھر جائیں۔ تو اول خلق کو مطالعہ کرو تمہیں سمجھ آ جائے گا کہ پہلے بھی اللہ نے بکھرے ہوئے اجزاء اکٹھے کر کے ہمیں بنایا تھا۔ اگر پھر ہمارے اجزاء بکھر گئے تو دوبارہ بنانا اللہ کے لیے کیا مشکل ہے؟

تو اس پر بنیاد رکھی گئی اور سرور کائنات ﷺ نے سمجھانے کے لیے ہمیشہ یہی مثال دی۔ قرآن کریم میں بھی اسی مثال کو ذکر کیا گیا کہ تم دیکھو زمین ویران پڑی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش آتی ہے كَيْفَ يُحْيِى الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا. پھر اس مردہ زمین کو اللہ کس طرح سے زندہ کر دیتا ہے۔ حرکت کرتی ہے۔ اس میں سے نباتات پھوٹتی ہیں جس طرح سے اس مردہ زمین کو اللہ آباد کرتا ہے۔ كَذٰلِكَ نُحْيِ الْمَوْتٰى. ہم مردوں کو بھی اسی طرح سے زندہ کریں گے۔ یہ زمین سے نکلنے شروع ہو جائیں گے۔ جس طرح سے مٹی میں سے اللہ تعالیٰ کی بارش کے ساتھ نباتات پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔

باہر حال قرآن نے جہاں بھی ذکر کیا ہے تو اللہ کی قدرت کو ذکر کیا کہ اللہ پہاڑ بنانے پہ قادر ہے۔ اللہ آسمان بنانے پر قادر ہے تو جس نے اتنے بڑے بڑے وجود بنا دیے تو کیا وہ تمہیں دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا تو مشرکین کو یہ بات اسی انداز میں سمجھائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو جانتے ہوئے تم یہ عقیدہ رکھو کہ جس نے پہلی دفعہ تمہیں پیدا کیا ہے وہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

قبر اور پیٹ کی زندگی میں مشابہت

اس لیے اسلام کا یہ بعث بعد الموت کا عقیدہ اسی انداز کے ساتھ سمجھا جاسکتا ہے اللہ کی قدرت کے تحت۔ اس لئے موت اسلام میں فناء مطلق نہیں ہے کہ مرنے کے ساتھ انسان فناء ہوجائے اور کچھ باقی نہ رہے۔ بلکہ موت اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے تحت آتی ہے۔ خاص کیفیات کے تحت آتی ہے اور موت کے ساتھ انسان دوسرے عالم میں منتقل ہوجاتا ہے۔ جس کو ہم عالمِ برزخ کہتے ہیں اور عالمِ برزخ کی انتہاء کب ہوگی یہ اللہ بہتر جانتا ہے۔

جس طرح سے پیٹ کی کمزور زندگی کے بعد اس دنیا کی زندگی آئی۔ پیٹ میں تھوڑی دیر رہے اور اس دنیا میں طویل مدت تک رہے۔ یہاں کے بعد پھر ہمیں زمین کے پیٹ میں منتقل کیا جائے گا۔ پھر ہمیں زمین سے نکالا جائے گا۔ پھر طویل زندگی آئے گی۔ اسی تفصیل کے ساتھ ہم آخرت میں منتقل ہوں گے۔

موت کے وقت کیا کیفیات ہوتی ہیں۔ موت کے بعد پھر قبر میں انسان کے اوپر کیا کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ یہ برزخ کے احوال ان شاء اللہ العزیز اگلے بیان میں ذکر کریں گے۔ آج اتنا ہی کافی ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سوال: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

جواب: یہ ایک اجتہادی اختلاف تھا۔ اجتہادی اختلاف کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ نیک نیتی کے ساتھ ہر شخص نے وہ کام کیا۔ جو اس کے نزدیک اسلام اور مسلمانوں کے لیے مفید تھا۔ باقی اللہ کے علم میں ہے کہ نتیجہ اس کا مفید نکلا یا نقصان دہ نکلا۔ اس میں مجتہد کا دخل اور اختیار نہیں ہوا کرتا۔

حدیث شریف میں صاف طور پر آتا ہے کہ مجتہد اجتہاد کرے یعنی نیک نیتی کے

ساتھ اپنی قوت علمیہ کو صرف کر کے حق کو معلوم کرنے کی کوشش کرے تو پھر اگر وہ حق کو پہنچ جائے تو اس کے لیے دگنا ثواب ہے اور اگر کسی وجہ سے وہ حق کو نہیں پہنچ سکتا تو اللہ کے ہاں تو بھی اس کو اجر ملے گا۔ اس خطاء یا لغزش کی بناء پر اس کے اوپر کسی قسم کی گرفت نہیں ہوگی۔

اس لیے ہم تاریخی روایات کو دیکھ کر صحابہ کی عظمت کے خلاف کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں۔ مشاجراتِ صحابہ کو ہم ایسے سمجھتے ہیں کہ ان کا آپس میں اجتہادی اختلاف تھا۔ ہر کوئی محمد ﷺ کا خیر خواہ تھا ہر کوئی اسلام کا خیر خواہ تھا۔

نیک نیتی کے ساتھ انہوں نے کوشش کر کے ایک طریقے کو اختیار کیا۔ دوسرے کی سمجھ میں نہیں آیا اس نے اختلاف کیا تو جو حق کو پہنچ گیا وہ بھی اللہ کے ہاں مقبول اور جس سے خطاء اور لغزش ہوگئی وہ بھی اللہ کے ہاں مقبول اور مغفور ہے۔ اس اختلاف کی بناء پر آخرت میں ان کے اوپر کسی قسم کی گرفت نہیں ہوگی۔ اس کو لے کر کسی کے متعلق زبان درازی کرنا یا کسی کے متعلق ایسی بات کہنا جو اس کی عظمت کے منافی ہو۔ یہ ہمارے اکابر اور اہلسنت والجماعت کا مسلک نہیں۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سامنے اس بات کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے ہماری تلواروں کو ان کے خون سے محفوظ رکھا ہے تو ہم اپنی زبانوں کو ان کے برے تذکرے کر کے کیوں خراب کریں۔ اس لیے زبانوں پر اگر تذکرہ آئے تو ایک واقعہ کے طور پر آئے۔ اس نظریے کے ساتھ کہ دونوں جانب مخلص تھے دونوں جانب اجتہاد کرنے والے تھے۔ اگر ان میں کوئی حق کو پہنچ گیا تو اللہ کے ہاں دوہرا اجر پالے گا اور اگر کسی وجہ سے لغزش ہوگئی تو اللہ کے ہاں وہ بھی ثواب پائے گا ان پر گرفت نہیں ہوگی

باقی تاریخی روایات تو ہر قسم کی آتی ہیں۔ ان میں سے ایسی روایات کو لینا چاہیے جو صحابہ کی عظمت کو باقی رکھنے والی ہوں اور جو صحابہ کی عظمت کو ٹھیس پہنچانے والی ہوں وہ قرآن حدیث کے خلاف ہونے کی بناء پر قابل رد ہیں۔ کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا

جاسکتا۔ آپ دیکھ رہے ہیں آج ہمارے سامنے دو پارٹیوں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ جیسے آج کل سیاسی اختلاف وغیرہ۔ لیکن آپ یہ متعین کر کے فیصلہ دے دیں کہ فلاں سو فیصد حق پہ ہے فلاں سو فیصد غلط ہے۔ یہ بہت مشکل ہوا کرتا ہے۔ اس لیے دار و مدار نیت کے اوپر ہوگا جو نیک نیتی کے ساتھ اس معاملے کو نمٹائے گا اجر پائے گا۔ اگر کوئی بدنیت ہے تو اس کی نیت کو اللہ بہتر جانتا ہے۔ ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔

اس لیے مشاجرات صحابہ میں کبھی دلچسپی نہیں لینی چاہیے۔ ان کے آپس میں جھگڑے ہوئے یا آپس میں کوئی قتال ہوا۔ آپس میں لڑائیاں ہوئیں۔ جانبین اہل حق تھے۔ مجتہد ہونے کی وجہ سے اگر کوئی مصیب ہے وہ بھی اللہ کے ہاں اجر پائے گا اگر اللہ کے علم میں کوئی مخطی ہے تو وہ بھی اللہ کے ہاں مغفور ہے مرحوم ہے اور اس کے اوپر اللہ کی جانب سے کسی قسم کی گرفت نہیں ہے اس بات کو ملحوظ رکھیں اور ان اختلافات کی بنا پر کبھی صحابہ کرام کے متعلق عظمت کے خلاف کوئی بات زبان سے نہ نکالیں۔

تو پچھلا بیان اور یہ بیان مل کر تقریباً ساری باتیں صحابہ کرام ﷺ کے متعلق آپ کے سامنے آگئیں۔

سوال: خلفائے راشدین کتنے ہیں چار یا چھ؟ اگر کوئی چھ مانے تو اس کا عقیدہ صحیح ہے یا نہیں۔ کافی دنوں سے پوچھنے کے لیے بے تاب ہوں وضاحت سے جواب دیں۔

جواب: خلفائے راشدین ایک اصطلاح ہے اصطلاحی طور پر خلفائے راشدین چار ہیں لغوی طور پر خلیفہ راشد کا معنی ہے ہدایت یافتہ خلیفہ۔ یہ بعد والوں کے لیے بھی بولا جاسکتا ہے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو خلیفہ راشد کہتے ہیں۔ آخر زمانے میں حضرت مہدی آئیں گے وہ خلیفہ راشد ہوں گے۔ یہ ہوگا لغوی اعتبار سے۔ لیکن وہ خلفائے راشدین جن کو ہم دور نبوت کا تتمہ قرار دیتے ہیں۔ وہ ہمارے اکابر علمائے دیوبند کے نزدیک چار ہی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جا کر وہ اصطلاحی خلافت راشدہ ختم ہوگئی۔

عقیدۂ معاد (دوم)

بمقام: جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

تاریخ:

خطبہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا ھُمْ مِنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّھِمْ یَنْسِلُوْنَ۔

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذَالِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَ تَرْضٰی۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّی مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

چالیس سال مراد ہیں؟ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں کچھ نہیں کہتا۔ کہ چالیس مہینے مراد ہیں یا چالیس دن مراد ہیں یا چالیس سال مراد ہیں۔ (بخاری ۲/۷۱۱) میں اس بارے میں کچھ نہیں کہتا مطلب کیا؟ کہ سال کہہ لو یا مہینے کہہ لو یا دن کہہ لو۔ اس سے یہ مہینے اور سال مراد نہیں ہو سکتے۔ اس لیے نہیں ہو سکتے کہ ان مہینوں کا' ان دنوں کا' ان سالوں کا تعلق ہے سورج کے طلوع اور غروب کے ساتھ۔ سورج طلوع ہوتا ہے' غروب ہوتا ہے' تو ایک دن ہو گیا۔ تو جب سورج نہیں ہو گا تو نہ اس کا طلوع ہو گا' نہ غروب ہو گا۔ تو دن کیسے ہوں گے؟ جب دن نہیں ہوں گے تو مہینے کیسے بنیں گے؟ اور جب مہینے نہیں ہوں گے تو سال کیسے بنیں گے؟ اس لیے اربعون سنۃً ہو یا اربعون شھرًا ہو۔ یا اربعون یوما ہو۔ اس سے کچھ وقت متعین مراد ہے جو اللہ کے علم میں ہے۔ کہ اگر اس وقت سورج چاند ہوتے تو شاید اس کا اندازہ چالیس سال کے ساتھ ہو جاتا۔ یا چالیس مہینے کے ساتھ ہوتا یا چالیس دن کے ساتھ ہو جاتا۔ تو ایک وقت مراد ہے جو اللہ کے علم میں ہے۔ ہم اس کی تعیین نہیں کر سکتے اور دنوں کے ساتھ اس کی پیمائش نہیں ہو سکتی۔ حقیقتاً یہ دن نہیں ہوں گے بلکہ وقت کا اندازہ ہو گا۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام کی ڈیوٹی

اور اس کے بعد پھر صور پھونکا جائے گا اور صور پھونکنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسرافیل فرشتہ متعین ہے۔ اسرافیل کا نام قرآن میں نہیں۔ یہ بڑے بڑے چار فرشتے جن کا ذکر روایت میں آتا ہے جبریل علیہ السلام ہیں میکائیل علیہ السلام ہیں' اسرافیل علیہ السلام ہیں' اور عزرائیل علیہ السلام ہیں۔ یہ فرشتوں میں سے بڑے فرشتے ہیں۔ ان میں سے اسرافیل کی ڈیوٹی لگی ہوئی ہے۔ وہ نکتہ ایک متعین ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب سے اسرافیل کو پیدا کیا گیا صور اس کے منہ میں ہے۔ اور بالکل تیار کھڑا ہے اس طرح سے یوں منہ میں لے کے کان لگا کے کھڑا ہے کہ جب اللہ کی طرف سے حکم ہو تو میں پھونک ماروں۔ (ترمذی جلد دوم) اور اس کی پہلی پھونک کا اثر یہ ہو گا کہ سب کچھ ٹوٹ

پھوٹ جائے گا۔ اور پھر دوسری دفعہ پھونک مارنے کا اثر یہ ہوگا کہ سارے کا سارا جہان دوبارہ اس شکل کے اندر آجائے گا۔ لیکن اس زمین میں نشیب وفراز نہیں ہوگا۔ کف دست سے زمین برابر ہوگی لا تری فیھا عوجا ولا امتا۔ نہ اس میں اونچ، نہ اس میں نیچ۔ نہ اس میں چھپنے کی جگہ۔ اس طرح سے صاف میدان ہوگا کہ سب لوگ سامنے نظر آئیں گے۔ اور قبروں سے نکل کر سب ایک میدان میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ نفخ فی الصور فاذاھم من الاجداث الیٰ ربھم ینسلون۔ صور میں پھونک ماری جائے گی تو اسی وقت اچانک دفعۃً لوگ قبروں سے نکل کر بھاگنا شروع ہو جائیں گے۔ میدان میں اکٹھے ہونا شروع ہو جائیں گے۔ یہی ہے جس کو کہتے ہیں بعث بعد الموت۔ یعنی ایک ہی صور میں دونوں اثرات ہوں گے۔ ایک دفعہ توڑ پھوڑ کا اثر ہوگا۔ اور یہ اثر اور ایک دفعہ دوبارہ اس کائنات کو جوڑنے کا اور آباد کرنے کا اثر ہوگا۔ اللہ کی قدرت کے تحت ہوگا۔

جس وقت ساری کی ساری مخلوق دوبارہ اٹھ کھڑی ہوگی۔ (قرآن وحدیث کی روشنی میں عقیدے کی تفصیل آپ کے سامنے ذکر کر رہا ہوں۔) جب ساری مخلوق اٹھ جائے گی۔ ایک میدان میں جمع ہوگئی۔ حدیث شریف میں آتا ہے یہ سورج بھی دوبارہ ہو جائے گا۔ اور یہ قریب ہوگا۔ اور اس کی گرمی نہایت شدت کے ساتھ زمین پہ پڑے گی۔ اور زمین بھی تپ جائے گی اور ہر انسان کو اس کے اعمال کے مطابق پسینہ آئے گا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں بعضوں کا پسینہ اکٹھا ہو کر ٹخنوں تک ہوگا۔ بعضوں کا گھٹنے تک ہوگا، بعضوں کا ناف تک ہوگا، بعضوں کا منہ میں جس طرح سے لگام دی ہوئی ہوتی ہے۔ جیسے آپ پانی میں کھڑے ہوں اور پانی یہاں ہونٹوں تک ہو تو ایسے لگتا ہے جیسے لگام دی ہوئی ہے۔ تو بعضوں کا پسینہ یہاں تک ہوگا۔ (مسلم ۲/۳۸۴) یہ باتیں ساری کی ساری ماننی ضروری ہیں۔ کیونکہ عقل کے ساتھ ان چیزوں کو معلوم نہیں کیا جا سکتا اس کا تعلق عالم غیب سے ہے۔ جب واقعہ پیش آئے گا تو پھر دیکھیں گے کہ ایک

ایک لفظ اور ایک ایک فقرہ صحیح ہے۔ جو سرور کائنات ﷺ نے بیان فرمایا تھا اور پہلے سوائے لسان نبوت کے کسی اور ذریعے سے ہم اس کو معلوم نہیں کر سکتے۔ ایمان بالغیب ضروری ہے۔ اللہ نے جو کچھ اپنی کتاب میں بیان کر دیا۔ یا سرور کائنات ﷺ نے جو تفصیل ہمارے سامنے بیان کر دی۔ اس کے مطابق عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ دنیا ساری پریشان کھڑی ہوگی۔شدت کے ساتھ گرمی ہوگی۔ اور یہ دن ہوگا جس کے متعلق آتا ہے خَمْسُوْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ۔ پچاس ہزار سال کا یہ دن ہوگا۔ اسی اندازے کے مطابق جو اللہ کے علم میں ہے۔ لفظ یہی ہیں پچاس ہزار سال۔

مومنوں پر قیامت کا وقت جلدی سے گزرے گا

تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا تھا۔ کہ یا رسول اللہ اتنے لمبے دن میں کھڑے رہنے کی کون طاقت رکھے گا؟ اتنا شدید وقت ہوگا اتنا لمبا دن ہوگا تو کون طاقت رکھے گا اتنی دیر کھڑے رہنے کی۔؟ آپ نے فرمایا کہ مؤمنوں پر، مسلمانوں پر تو یہ دن ایسے گزر جائے گا جس طرح سے ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کا وقت آ جاتا ہے۔ (ابن حبان ۱۶/۳۲۹) اتنا آسانی کے ساتھ یہ گزر جائے گا۔ اور یہ دن جو لمبا معلوم ہوگا اور لمبا محسوس ہوگا یہ کافروں کے لیے ہوگا۔ بہر حال یہ دن کافروں کے لیے سخت ہوگا۔ مؤمنوں کے اوپر بہت جلدی سے گزر جائے گا۔

وقت جلدی گزرنے کی مثال:

بیٹے! یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ سمجھانے کے لیے آپ کو عرض کر دوں۔ آپ دو ساتھی ہوں ایک ہی جگہ کے رہنے والے۔ ایک ہی وقت میں ایک بہت خوشحالی میں ہے اور ایک نے کوئی پریشانی کی خبر سنی ہوئی ہے۔تو جو خوشحالی میں ہے اس کو تو ایسے لگے گا کہ پتہ نہیں چلا کہ سورج نکلا کب اور چھپ کب گیا؟ دن گزرتے۔ ہوئے کوئی پتہ ہی نہیں چلا۔ اور جو پریشانی میں ہے وہ تھوڑی دیر کے بعد گھڑی دیکھتا ہے۔ منٹ بھی نہیں گزرتے گھنٹے تو کیا گزرنے ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے یہ دن پہاڑ کی طرح لمبا

ہوگیا۔ ہوتا ہے کہ نہیں ہوتا؟۔ عام طور پر مشہور ہے کہ مصیبت کے دن لمبے ہوتے ہیں۔ خوش حالی کے دن چھوٹے ہوتے ہیں۔ جیسے علامہ اقبال کہتے ہیں

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اڑتے جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں

تو ایک ہی وقت کے متعلق دو احساس ہوتے ہیں ایک کہتا ہے کہ رات اتنی جلدی گزر گئی؟ پتہ ہی نہیں چلا۔ جس پہلو پہ لیٹے تھے اسی پہلو پہ اٹھ گئے۔

اور ایک آدمی رات کو منٹ منٹ کے بعد گھڑی دیکھتا ہے۔ پانچ پانچ منٹ کے بعد اٹھ کے باہر آتا ہے۔ چاند دیکھتا ہے تو وہیں کھڑا معلوم ہوتا ہے۔ ستارے دیکھتا ہے وہیں کھڑے معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے یہ رسوں کے ساتھ باندھ دیے گئے ہوں اور اپنی جگہ سے ہلتے ہی نہیں۔ اور رات گزرنے کو نہیں آتی۔

تو جیسے یہاں آپ کا احساس۔ ایک وقت کو طویل کر دیتا ہے اور ایک وقت کو مختصر کر دیتا ہے۔ اسی طرح سے وہاں بھی احساسات کے ساتھ اس دن کا طول اور اس دن کا عرض معلوم ہوگا۔ مؤمنوں کے لیے وہ دن ہلکا پھلکا ہوگا۔ کافروں کے لیے وہ دن بہت سخت ہوگا۔

ساری امتوں کی درخواست آخری پیغمبر کے سامنے

ساری مخلوق جس وقت پریشان کھڑی ہوگی۔ تو پھر اب لوگ سوچنا شروع کریں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کر کے کوئی حساب کتاب ہی شروع کرواؤ۔ کسی ٹھکانے تو لگیں۔ سارے کے سارے پریشان ہوں گے۔ حساب کتاب شروع ہونے کو نہیں آئے گا۔ تو جب انتظار میں کھڑے ہوں اور شدت کا وقت ہو تو بہت پریشانی ہوتی ہے۔ پھر یہ سوچیں گے کہ کسی طرح سے درخواست کر کے حساب کتاب تو شروع کرواؤ۔ پھر اس کے بعد جو نتیجہ نکلے گا دیکھیں گے۔

اب اللہ تعالیٰ کے سامنے سفارش کروانے کے لیے اللہ سے درخواست کریں کہ

سوائے لسان نبوت کے کسی اور ذریعے سے ہم اس کو معلوم نہیں کر سکتے۔ ایمان بالغیب ضروری ہے۔ اللہ نے جو کچھ اپنی کتاب میں بیان کر دیا۔ یا سرور کائنات ﷺ نے جو تفصیل ہمارے سامنے بیان کر دی۔ اس کے مطابق عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ دنیا ساری پریشان کھڑی ہوگی۔ شدت کے ساتھ گرمی ہوگی۔ اور یہ دن ہوگا جس کے متعلق آتا ہے كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۔ (معارج:۴) پچاس ہزار سال کا یہ دن ہوگا۔ اسی اندازے کے مطابق جو اللہ کے علم میں ہے۔ لفظ یہی ہیں پچاس ہزار سال۔

مومنوں پر قیامت کا وقت جلدی سے گزرے گا

تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا تھا۔ کہ یارسول اللہ اتنے لمبے دن میں کھڑے رہنے کی کون طاقت رکھے گا؟ اتنا شدید وقت ہوگا اتنا لمبا دن ہوگا تو کون طاقت رکھے گا اتنی دیر کھڑے رہنے کی۔؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمنوں پر، مسلمانوں پر تو یہ دن ایسے گزر جائے گا جس طرح سے ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کا وقت آجاتا ہے۔ (ابن حبان ۱۶/۳۲۹۔ مشکوۃ ۵۴۸۷) اتنا آسانی کے ساتھ یہ گزر جائے گا۔ اور یہ دن جو لمبا معلوم ہوگا اور لمبا محسوس ہوگا یہ کافروں کے لیے ہوگا۔ بہر حال یہ دن کافروں کے لیے سخت ہوگا۔ مؤمنوں کے اوپر بہت جلدی سے گزر جائے گا۔

وقت جلدی گزرنے کی مثال:

بیٹے! یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ سمجھانے کے لیے آپ کو عرض کر دوں۔ آپ دو ساتھی ہوں ایک ہی جگہ کے رہنے والے۔ ایک ہی وقت میں ایک بہت خوشحالی میں ہے اور ایک نے کوئی پریشانی کی خبر سنی ہوئی ہے۔ تو جو خوشحالی میں ہے اس کو تو ایسے لگے گا کہ پتہ نہیں چلا کہ سورج نکلا کب اور چھپ کب گیا؟ دن گزرتے۔ ہوئے کوئی پتہ ہی نہیں چلا۔ اور جو پریشانی میں ہے وہ تھوڑی دیر کے بعد گھڑی دیکھتا ہے۔ منٹ بھی نہیں گزرتے گھنٹے تو کیا گزرنے ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے یہ دن پہاڑ کی طرح لمبا ہو گیا۔ ہوتا ہے کہ نہیں ہوتا؟۔ عام طور پر مشہور ہے کہ مصیبت کے دن لمبے ہوتے ہیں۔ خوش حالی

کے دن چھوٹے ہوتے ہیں۔ جیسے علامہ اقبال رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اڑتے جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں

تو ایک ہی وقت کے متعلق دو احساس ہوتے ہیں ایک کہتا ہے کہ رات اتنی جلدی گزر گئی؟ پتہ ہی نہیں چلا۔ جس پہلو پہ لیٹے تھے اسی پہلو پہ اٹھ گئے۔

اور ایک آدمی رات کو منٹ منٹ کے بعد گھڑی دیکھتا ہے۔ پانچ پانچ منٹ کے بعد اٹھ کے باہر آتا ہے۔ چاند دیکھتا ہے تو وہیں کھڑا معلوم ہوتا ہے۔ ستارے دیکھتا ہے وہیں کھڑے معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے یہ رسوں کے ساتھ باندھ دیے گئے ہوں اور اپنی جگہ سے ہلتے ہی نہیں۔ اور رات گزرنے کو نہیں آتی۔

تو جیسے یہاں آپ کا احساس۔ ایک وقت کو طویل کر دیتا ہے اور ایک وقت کو مختصر کر دیتا ہے اسی طرح سے وہاں بھی احساسات کے ساتھ اس دن کا طول اور اس دن کا عرض معلوم ہوگا۔ مؤمنوں کے لیے وہ دن ہلکا پھلکا ہوگا۔ کافروں کے لیے وہ دن بہت سخت ہوگا۔

ساری امتوں کی درخواست آخری پیغمبر کے سامنے

ساری مخلوق جس وقت پریشان کھڑی ہوگی۔ تو پھر اب لوگ سوچنا شروع کریں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کر کے کوئی حساب کتاب ہی شروع کرواؤ۔ کسی ٹھکانے تو لگیں۔ سارے کے سارے پریشان ہوں گے۔ حساب کتاب شروع ہونے کو نہیں آئے گا۔ تو جب انتظار میں کھڑے ہوں اور شدت کا وقت ہو تو بہت پریشانی ہوتی ہے۔ پھر یہ سوچیں گے کہ کسی طرح سے درخواست کر کے حساب کتاب تو شروع کرواؤ۔ پھر اس کے بعد جو نتیجہ نکلے گا دیکھیں گے۔

اب اللہ تعالیٰ کے سامنے سفارش کروانے کے لیے اللہ سے درخواست کریں کہ وہ حساب و کتاب شروع کر لے۔ حدیث شریف میں جیسے تفصیل آتی ہے۔ کہ اپنے

باپ آدم علیہ السلام کے پاس پہلے جائیں گے۔ ان سے جا کے کہیں گے تو وہ عذر کر دیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ کا جلال اتنا نمایاں ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنا جلال نمایاں نہیں ہوا۔ اس لیے میں تو خود ڈرتا ہوں کہ مجھ سے ایک لغزش ہوئی تھی کہیں ایسا نہ ہو میں اللہ کے دربار میں جاؤں اور وہ وہی پوچھ نہ لے کہ تو نے یہ کیا کیا تھا؟ میں تو نہیں جاتا۔ وہ نوح علیہ السلام کی نشاندہی کر دیں گے۔

نوح علیہ السلام کے پاس مخلوق پہنچے گی۔ نوح علیہ السلام عذر کر دیں گے کہ نہ بھائی! میرے میں تو جرأت نہیں۔ مجھ سے بھی ایک لغزش ہو گئی تھی۔

مجھے بھی ایک ڈانٹ پڑی تھی۔ بیٹے کے متعلق جو بات کر لی تھی۔ اس لیے مجھے تو ڈر لگتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی نشاندہی کر دیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی نشاندہی ہوگی موسیٰ علیہ السلام بھی عذر کر دیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی نشاندہی ہوگی۔ مخلوق دھکے کھاتی پھرے گی۔ عیسیٰ علیہ السلام عذر کر دیں گے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ یہ مسئلہ حل ہوگا۔ تو محمد رسول اللہ ﷺ حل ہوگا۔ (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کے متعلق اعلان کیا ہوا ہے کہ

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ. (فتح ۲)

کہ اول تو تیری غلطی ہے کوئی نہیں۔ اگر ہے تو اگلی پچھلی ہم نے سب معاف کی) تو جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر ان کے لیے معافی کا اعلان کیا ہوا ہے۔ تو یہ جرأت اللہ کے سامنے سفارش کرنے کی اگر کر سکیں گے تو وہی کر سکیں گے۔ تو سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر مخلوق مجھے کہے گی۔ تو میں کہوں گا کہ ہاں۔ میں یہ سفارش کرتا ہوں۔ یہ ہے شفاعت کبریٰ۔ ساری مخلوق میں سے یہ مقام صرف سرور کائنات ﷺ کا ہے۔ جو حساب و کتاب کے شروع کروانے کے لیے ہے۔ اور اس شفاعت کا فائدہ ساری مخلوق کو پہنچے گا۔ مسلم کو بھی اور کافر کو بھی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میں اللہ کے دربار میں حاضری دوں گا۔ (بخاری ۲/۶۴۳۔ مشکوۃ ۴۸۸، ۴۸۹)

صفاتِ الٰہیہ کے بارے میں لاجواب تحقیق

اللہ کا دربار ہے۔ وہاں دار کا لفظ ہے کہ میں اللہ کے دار میں داخل ہوں گا۔ یہ کما یلیق بشانہ۔ جیسے اللہ کی شان کے لائق ہے ہم اس کی کوئی صورت نہیں متعین کر سکتے۔ اور صفاتِ الٰہیہ کے بارے میں میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ جب بھی صفاتِ الٰہیہ کا ذکر آئے تو ذہن میں رکھا کرو۔ کہ اس کی کوئی صورت نہیں بنانی۔ اپنے سامنے اس کی کوئی تصویر نہیں لانی۔ بلکہ یہ کہنا ہے کہ کما یلیق بشانہ یہ وضاحت آپ کے سامنے کی جا چکی ہے۔ کہ کسی چیز کی صفت کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے موصوف کی حقیقت کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ جس وقت تک موصوف کی حقیقت معلوم نہ ہو آپ صفت کی حقیقت معلوم نہیں کر سکتے۔ صفت موصوف کے ساتھ منسوب ہو کر اپنا مفہوم متعین کرتی ہے۔ یہ ایک علمی اصول ہے

سمجھانے کے لیے ذرا سی بات کر دوں۔ کہ مثلاً آنا ایک فعل ہے ایک صفت ہے۔ جس وقت میں کہہ دوں زید آ گیا۔ تو آپ کے ذہن میں آنے کا مفہوم متعین ہو گیا۔ چونکہ آپ کو پتہ ہے کہ زید انسان ہے اور انسان ایسے آیا کرتا ہے۔ چونکہ آپ زید کو پہچانتے ہیں تو اس کے آنے کو بھی پہچانتے ہیں اور اگر میں کہہ دوں بادل آ گیا۔ تو آپ ایسے سمجھیں گے کہ دو ٹانگوں پہ چل کے آیا؟ (نہیں) آپ چونکہ بادل کو سمجھتے ہیں تو اس کے آنے کو بھی سمجھتے ہیں۔ کہ بادل کیسے آیا کرتا ہے۔ ہوا کے کندھے پہ سوار ہو کر۔ اور اگر میں کہوں ہاتھی آ گیا چونکہ آپ ہاتھی کو پہچانتے ہیں تو آپ اس کے آنے کو بھی پہچان جائیں گے۔ اگر میں کہوں کہ نہر میں پانی آ گیا تو جس کو حقیقت نہیں معلوم وہ سمجھے گا کہ شاید جیسے ہاتھی آیا کرتا ہے۔ پانی ایسے ہی آتا ہے۔ لیکن آپ چونکہ پانی کی حقیقت جانتے ہیں آپ اس کا آنا بھی جانتے ہیں۔ میں کہوں کہ ہوائی جہاز آ گیا' پرندہ آ گیا' مجھے بخار آ گیا۔ بخار ایسے آیا کرتا ہے جیسے ہوائی جہاز آتا ہے؟ (نہیں) چونکہ آپ بخار کو جانتے ہیں تو آپ اس کے آنے کو بھی جانتے ہیں۔ میرے دل میں خیال

آ گیا۔ خیال کا آنا ہر چیز سے علیحدہ ہے تو جو موصوف کو پہچانے گا وہی اس کی صفت کو پہچان سکتا ہے۔ صفت کی حقیقت متعین ہوا کرتی ہے موصوف کے ساتھ منسوب ہو کر۔ تو جب موصوف کی حقیقت معلوم نہیں تو صفت کو متعین کیسے کریں گے؟ تو اللہ تعالیٰ کی حقیقت چونکہ ہمارے سامنے نہیں ہے وہ ہمارے تصور سے، ہمارے خیال سے وراء ہے۔ جب ہمیں اس کی حقیقت معلوم نہیں تو پھر ہم کس طرح سے اس کی صفت کا نقشہ متعین کر دیں؟ کہ جب اللہ کا آنا ذکر کر دیں گے۔ اللہ کے چہرے کا ذکر کریں گے۔ اللہ کے بولنے کا ذکر کریں گے۔ اللہ کے دیکھنے کا ذکر کریں گے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کا دیکھنا کیسے ہے۔ دیکھتا ہے۔ سنتا ہے اللہ کا ہاتھ ہے۔ اللہ کا پاؤں ہے۔ حدیث میں جس طرح سے ذکر آتا ہے اللہ کا چہرہ ہے اللہ کو غصہ آتا ہے اللہ کو پیار آتا ہے۔ لیکن یہ صفتیں ایسی ہیں کہ ان کا مفہوم کما یلیق بشانہ۔ جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ ہم اس کی کوئی صورت نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ تشبیہ شرک ہے لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (شوریٰ:11) اللہ جیسی کوئی شے نہیں اسی لیے ان میں تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ لیکن کما یلیق بشانہ۔ کسی مخلوق کے ساتھ ہم تشبیہ نہیں دے سکتے۔

بے مثال پیغمبر کی بے مثال حمد

اس لیے اللہ تشریف لائیں گے تشریف فرما ہوں گے اور اللہ کا دار ہوگا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں جاؤں گا اور جاتے ہی اللہ کے سامنے سجدے میں گر جاؤں گا۔ اور میں اس میں اللہ کی اتنی تعریف کروں گا۔ اور ایسے ایسے الفاظ کے ساتھ میں اللہ کی تعریف کروں گا۔ کہ آج بھی میرے ذہن میں نہیں کہ میں نے کیا کیا اللہ کی تعریف کرنی ہے۔ مجھے نہیں پتہ۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ القاء فرمائیں گے اور میں اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف کروں گا۔ جو مجھے اس وقت ذہن میں نہیں ہے کہ میں اللہ کی کیسے تعریف کروں گا۔ اتنی دیر تک میں سجدے میں پڑا رہوں گا۔ تو پھر اللہ فرمائیں گے۔

يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ

جب طویل عرصے تک سجدے میں پڑا رہوں گا اللہ کی تعریفیں کرتا رہوں گا۔ پھر اللہ کہے گا اے محمد! سر اٹھا۔ قل تسمع تو بات کر۔ تیری بات سنی جائے گی۔ سل تعطہ۔ مانگ۔ تو دیا جائے گا۔ اشفع تشفع تو سفارش کر۔ تیری سفارش مانی جائے گی۔ تب جا کے اللہ کی طرف سے رحمت ہوگی۔ تو حضور ﷺ کو شفاعت کی اجازت ملے گی۔ (بخاری۔۲/۶۴۳، ۱۱۰۸، ۱۱۱۸۔ مشکوۃ ۴۸۸، ۴۸۹)

کہ آپ کہیں۔ کیا کہتے ہیں۔ پھر حضور ﷺ بولیں گے اور اس کے بعد حساب و کتاب شروع ہوگا۔ یہ ہے مقام محمود جو اللہ تعالیٰ نے پوری مخلوق میں سے صرف ایک بندے کو دینا ہے۔ اور سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس مقام پر میں فائز ہوں گا۔ (مسلم ۱/۱۶۶۔ مشکوۃ ۶۴، ۶۵) اور اس دن میرے ہاتھوں میں اللہ کی حمد کا جھنڈا ہوگا۔ میں اللہ کی ایسی تعریفیں کروں گا کہ کوئی نہ کر سکتا ہے نہ کسی نے کی ہے۔ نہ مجھے آج معلوم ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کے قیامت تک کے پورے کے پورے انسان میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ (ترمذی ۲/۱۴۷۔ مشکوۃ ۵۱۳) اس وقت حضور ﷺ کی پوری کائنات کے اوپر برتری پوری کائنات کے اوپر فضیلت۔ اور پوری کائنات کے اوپر سرداری ظاہر ہو جائے گی' نمایاں ہو جائے گی۔ جب یہ واقعہ پیش آئے گا۔ اب حساب و کتاب شروع ہو جائے گا۔ یہ ہے جسے شفاعت کبریٰ کہتے ہیں۔ اور یہ اللہ سے اذن (اجازت) لینے کے بعد حضور ﷺ نے کرنی ہے۔ اور اذن لینے کے لیے پتہ نہیں کتنی مدت تک سجدے میں پڑنا ہے۔ اور کتنی مدت تک اللہ کے سامنے لجاجت کرنی ہے۔ اللہ کی تعریفیں کرنی ہیں۔ جب اللہ تعریف سن کے خوش ہو جائے گا۔ پھر اجازت ملے گی۔ کہ اب بول۔ کیا کہتا ہے اور حضور ﷺ شفاعت فرمائیں گے۔ یہی شفاعت بالاذن ہے آگے اس کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔

میزان کا تعارف

جس وقت حساب کتاب شروع ہوگا تو عقیدے کی یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک

میزان قائم کریں گے۔ جس پہ کفتان ہیں یعنی دو پلڑے ہیں حدیث میں جیسے آتا ہے۔ اس کی لسان یعنی وہ کانٹا ہے جس کے ساتھ جھکاؤ ادھر ادھر کو معلوم ہوتا ہے۔ تو اس کے پلڑوں کا ذکر ہے اس کی لسان کا ذکر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کا مظہر ہے۔ لیکن ہوگا وہ جسم۔ اور نمایاں ہوگا۔ اور اس کو اس تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ پلڑوں کا ذکر ہے۔ کانٹے کا ذکر ہے۔ (در منثور اعراف: ۸ کے تحت عن ابن عباس موقوفا)

اب جس وقت ترازو قائم ہو جائے گی۔ تو سب سے پہلے تو کفر اور ایمان تلے گا۔ پہلا کام کفر و ایمان کا ہے۔ جس کے ساتھ مؤمن علیحدہ ہو جائیں گے کافر علیحدہ ہو جائیں گے

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ. (یٰس ۵۹)

مجرمو! آج علیحدہ علیحدہ ہو جاؤ۔ زمین میں تو سارے خلط ملط ہو کے رہتے تھے۔ اچھے برے اکٹھے تھے۔ لیکن اب اکٹھے نہیں۔ اب علیحدہ علیحدہ ہو جاؤ۔ تفریق مومنوں اور کافروں کے درمیان کر دی جائے گی۔ کافروں کے اعمال نہیں تلیں گے وہ جس وقت کفر کی وجہ سے ایک طرف ہو گئے علیحدہ ہو گئے تو یہاں اب اور ترازو قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ ان کی جو نیکیاں ہیں اور جو نیک کام انہوں نے کیا ہوا ہوگا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ سارا هباءً منثورًا ہو جائے گا۔

وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا. (فرقان: ۲۳)

جو نیک کام انہوں نے کیا ہوگا ہم ادھر متوجہ ہوں گے۔ اور اس کو ایسا کر دیں گے جیسے اڑتا ہوا غبار۔ تو نیکی کا کام ان کا کوئی قابل اعتبار نہیں ہوگا۔ جب قابل اعتبار نہیں ہوگا تو ان کی نیکی تولنے کا سوال ہی نہیں۔ تو یہ طبقہ تو ایک طرف ہو جائے گا۔ ان کے لیے اور تول نہیں ہوگا۔ اور یہ سارے کے سارے جہنم کی طرف چلتے کر دیے جائیں گے۔ ان کے لیے پھر کوئی اور سفارش نہیں ہوگی۔ بس وہی شفاعت ان کے حصے میں آئے گی جو سرور کائنات ﷺ کی سب کے لیے ہوگی۔

❀❀❀